

TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222904

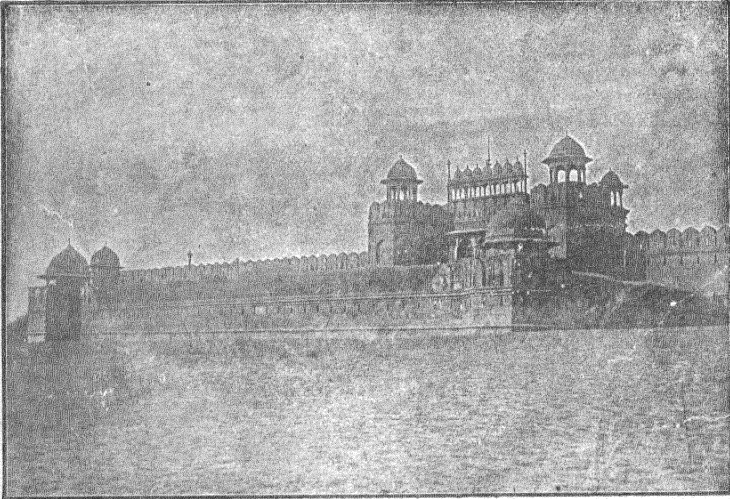
UNIVERSAL
LIBRARY

جلد چارم

بابت اپریل ۱۹۲۲ء

حصہ چار دہم

اُردو



انجمن ترقی اُردو
کا

ستہ ماہی رسالہ

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون نگار	مضمون
۱۶۱	جناب محمود شیرانی صاحب	تتقیہ شعرا بحسب (مضامین)
۲۳۳	جناب محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی اے	شاعری
۲۶۱	جناب سید ولج الدین صاحب بی اے، بی ٹی	جگت بھاشا
۲۶۱	جناب محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی اے	دام میں یاں نہ آئیے دل نہ بیاں لگا
۲۶۵	حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری، ایم آر اے	آثار الکرام
	جناب مولوی مرزا محمد رادی صاحب بی اے رکن دارالترجمہ	فرنگ علم ہیئت
۳۰۵	عثمانیہ یونیورسٹی	
۳۵۳	اڈیسٹر	تبصرے

تفتیشِ شجرِ العم

(از جناب محمود شیرانی صاحب)

انوری کے حالات

احمد الدین انوری کا باپ محمد ایک شہزادی کریمۃ السارضیۃ الدین کی سکر میں ایک قابل اعتماد منصب پر سرفراز تھا۔ یہ سرکارِ شعر کی قدرداں تھی۔ انوری اپنے باپ کی وفات کے بعد غالباً اسی سکر میں توسل قائم کرنا چاہتا ہی۔ ایک خطابیہ قصیدہ میں جن کا مطلع یہ ہے

اے فخرِ ہمہ نژادِ آدم
مے سیدہ زمانِ عالم
(کلیات ص ۲۸۱)

شاعر اپنا مدعا یوں عرض کرتا ہے

بوجھے پیرِ رم بجلّس تو	یا سیرہ و حریفِ محرم
تو شاد بزی کہ رفتِ زلف	میراثِ باندگانِ او غم
ارجو کہ ہر شہودِ بخت	براغلبِ مادحاں مقدم

(کلیات ص ۲۸۲)

بلحاظِ تاریخِ علوم انوری اپنے زمانے کا غیر معمولی آدمی مانا جاسکتا ہے، اس کا حافظہ نہایت قوی تھا ہے

اسے یہ قصیدہ اگرچہ مطبوعہ کلیات اور بعض ملی نسخوں میں موجود ہے، لیکن بعض جہہ سے جو اس مضمون کے خاتمہ میں ظاہر کیے گئے ہیں، احتمال کیا جاسکتا ہے کہ وہ انوری کا نہ ہو۔

۱۴۲
 قاطعے دارم متقاد چنانکہ ندرال گوید ہم گیسر ہر علم کہ گویم کیا رہ (کلیات ص ۱۹۲)
 نجوم میں استاد ہونے کے علاوہ منطق، فلسفہ، اور ہیئت میں ماہر تھا، حکمت اور فلسفہ میں اُس کا پایہ نہایت بلند تھا۔
 طبیعیات اور اکہیات میں کافی لیاقت رکھتا تھا۔ شاعری جس کی بنا پر وہ دنیا میں مشہور و معروف ہے، اُس کے
 کمالات کا ایک دنی پائے ہی، تشریں بھی صاحب قدرت تھا۔

اگر نامہ باید نوشتن نویسم
 بکلمک دیباں دیبہ خسر دانی
 (کلیات ص ۱۹۲)

ادبیات میں البتہ کمزور تھا۔

در ادب گر چہ پیادہ است چو شمت گہ غفو
 در سخن ہست چو غفلت گہ اوراک سوا
 (کلیات ص ۱۹۲)

وہ اعلیٰ درجہ کا خطاط بھی تھا۔

گویند کہ صحبت حاصل تو اے بے جاں ز زندگی
 گویم خطکے ذبے میکے چند از دولہا کے این جہانی
 (ص ۵۵)
 نرد و شطرنج خوب کھیلتا تھا۔

وگر نرد و شطرنج خواہی ببارزم
 حریفانہ سحر حلال از ردانی
 (ص ۴۱۶)

ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ انوری کی تعلیم و تربیت ایک خاص نصب العین کی بجائے انوری کی غرض سے
 ہوئی تھی، یعنی یہ کہ بڑا ہو کر سلاطین کی منادیت کے قابل ہو سکے۔ ایسے درباروں میں جہاں علمی و ادبیات اور
 تہذیب نے اپنا گوارہ بنالیا تھا منصب ندیمی ایک قابل اعتماد اور ذمہ دارانہ منصب شمار کیا جاتا تھا۔ ملک کے
 بہترین دماغ اس عمدہ کے آرزو مند رہتے تھے اور دربار سلطانی میں رسائی اُن کی غایت مرام ہوتی تھی۔ مگر
 ندیمی بجائے خود ایک شوار گزار مرطلہ تھا اس میں انسان کو جمع کمالات اور ہمہ صفت موصوف ہونا ضروری تھا۔
 ظریف، طباع اور حاضر جواب ہونے کے علاوہ ندیم کے لئے ضروری تھا کہ شاعری بھی ہو، طب فقہ اور نجوم

میں مہارت رکھتا ہو، شعرائے قدیم و جدید کا کلام اس کو مستحضر ہو، ادبِ آشنائی رکھتا ہو، تاریخ اور محاضرات پر عبور ہو۔ قصے، لطیفے، اور چٹکے خوب جانتا ہو، قدرتی خوش تقریر ہو، موسیقی داں ہو اور جنگ و درباب بجانا جانتا ہو، مختصر یہ ہے کہ علوم میں قاموس ہو، اور ہزارا ہدیشک ہو۔

انوری فطرتاً، علماً و ضمناً اس ممتاز منصب کا مستحق تھا۔ اور اسی آرزو میں وہ سلطان سنجر سلجوقی کے دربار کا رخ کرتا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کی غرض سے اس نے دربار کے اُمراء سے تعلقات قائم کیے ہونگے۔ لیکن اس سے قبل میں ایک اور ضروری مسئلہ کو چھڑتا ہوں۔

انوری کا صحیح زمانہ تعین کرنا ہمارے لئے ایک مشکل معما ہے، اس کے ہاں بعض قصائد کسی وزیر نظام الملک صد الدین محمد کی تعریف میں ملتے ہیں جو بنظامر مشہور نظام الملک طوسی کا نبیرہ اور فخر الملک کا فرزند مانا جاسکتا ہے۔ یہ شخص اپنے باپ کے قتل کے بعد ۱۱۵۷ھ ہجری سے ۱۱۵۸ھ ہجری تک سلطان سنجر کا وزیر رہا ہے، بلکہ ایک قصیدہ تو اس کے منصب وزارت پر فائز ہونے کے عین موقع پر لکھا گیا ہے۔

بنیک طالع و فرغذہ زرد و رخ فال	بر سعد اختر و میمون زمان و خرم مال
بہار گاہ وزارت بہ زرخیز بنشست	خدا یگان وزیران و قبلہ آمال
نظام ملک و صدر دین صاحب بھر	بہر رفعت قدر و جہان جاہ و جلال
محمد آل کہ بایقال اور خود گو گند	ردوان پاک محمد بہ ایزد متعال

دوسرے قصیدہ میں اس کا نام یوں آتا ہے۔

نظام ملک سلطان صد دین خدا ہے
محمد آل کہ ز جہاں گرفت و ملت و ملک

خدا یگان وزیراں وزیر خوب سیر
ہماں نظام کہ دین ابد العبد عمر

ان قصائد کے اعتبار پر انوری کی شاعری گویا قرن ششم کے آغاز میں شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن اس نظریہ کے تسلیم کرنے میں کئی مشکلات مانع ہیں۔ اس کی وفات ۱۱۵۸ھ کے بعد جب کہ ستاروں کا اقتران بیج میزان میں ہوا تھا، مانی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ طوفان کی بجٹ و تھیمیں انوری نے بھی حصہ لیا تھا، کیونکہ وہ ان لوگوں میں تھا جو طوفان کے طور کے حق میں اعتقاد رکھتے تھے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ طوفان کے سلسلہ میں ایک آدھ تلبیع، جیسا کہ گزشتہ اوراق میں دیکھا جا چکا ہے، انوری کے کلیات میں پائی بھی جاتی ہے۔ اب یہ

خیال کرنا کہ انوری برابر اسی سال تک شعر کہتا رہا، واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کی عمر ایک صدی سے زیادہ تسلیم کرنی ہوگی، اور جہاں تک معلوم ہو اس کی درازی عمر کی بابت کوئی ردائیت موجود نہیں۔

کلیات سے اس قدر صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مدت شعر گوئی زیادہ سے زیادہ تیس سال ہی ہو، اس کے بعد تائب ہو کر عزت نشین ہو جاتا ہے۔

سی سال در طریق تجرود و لم تباغت
اکنوں خدمت در تو بر کراں رسید

(ص ۱۲۲)

دیگر

کے کہ مدت سی سال شعر باطل گفت
خدا کے برہمہ کامیش داپیر دزی

(ص ۳۷)

رباعی

سی سال رخت بخت من بار آورد
چرخ این شہم بردے تیار آورد

(ص ۵۶۲)

زاں روئے بریم این قدر کار آورد
تا دشمنم از دوست پدیدار آورد

ابا اگر شہم ہجری کو انوری کی شاعری کا سال آغاز مانا جاتا ہے تو ۱۰۳۵ھ میں یہ مدت سی سالہ ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ کلیات میں ان دوسالوں کے درمیانی زمانہ کی ایک تبلیغ بھی نہیں ملتی، اور اگر ملتی ہے تو ۱۰۳۵ھ کے بعد کی ملتی ہے۔

کلیات میں تاریخ د سال کی طرف جو متعدد اشارے ملتے ہیں ذیل میں علیحدہ علیحدہ دکھائے جاتے ہیں

۱۰۵۲ھ بحکم دعویٰ زیج د گواہی تعویم
شب چہارم ذی الحجہ و سنہ ثانییم

۱۰۵۳ھ عذدک المائے عرش باد
ہیچو تاریخ پا ضد و حل و یک

۱۰۵۴ھ بودہ زرد فرخ نقشش بکام
تافرخ تاریخ این نقش سمت و نرد

(ص ۱۰۱)

(فرخ = ۲۸۸، نرد = ۲۵۳ فرخ + نرد = ۵۴۱)

۵۳۸ھ (عدو سالہائے موت تو) ہجو تاریخ پانصد چل واند (ص ۶۳۶)
 ۵۳۸ھ عدو سالہائے عمرش باد ہجو تاریخ پانصد چل واند (ص ۶۵۱)
 ۵۳۸ھ مطلق ک سال بد پانصد سی و سہ تاریخ عجم گفت بنخیر کہ از شہر بڑوں شد ہمراہ (ص ۲۵۰)
 علاوہ بریں کلیات میں جو اور تعلیمات و واقعات تاریخی کے متعلق ملتی ہیں سب کی سب ۵۳۸ھ کے بعد
 کے واقعات کے متعلق ہیں مثلاً تسخیر ہزار اسپ ۵۳۲ھ، جنگ سلطان سنجر و علاء الدین غوری جہان سوز
 ۵۳۴ھ، رفتن سنجر عراق ۵۳۴ھ، وفات ابو الفتح ناصر الدین طہر وزیر سلطان سنجر ۵۳۸ھ، فتح غزنائے ۵۳۸ھ
 مقامات حمیدی ۵۳۹ھ، وفات سلطان سنجر ۵۴۲ھ ہجری۔

ان جوہ کے زیر اثر یہ نظریہ قائم ہوتا ہے کہ انوری کی شاعری غالباً ۵۳۸ھ سے چند سال پہلے شروع
 ہوتی ہے اور یہ صدر الدین محمد نظام الملک فخر الدین کا فرزند نہیں ہے بلکہ کوئی اور جو اگرچہ وہی نام و خطاب اور
 منصب کھاتا ہے لیکن زمانہ کے لحاظ سے صدر الدین محمد مذکور الصدر سے بہت مؤخر ہے۔

سنجر کے دربار میں سائی حاصل کرنے کی غرض سے انوری سب سے پیشتر ابو الفتح ناصر الدین طہر بن فخر الملک
 بن نظام الملک کے دربار سے جو جمادی الاول ۵۲۸ھ سے ۵۳۸ھ تک سنجر کا وزیر تھا، تعلق پیدا
 کرتا ہے، ایک عرصہ امیداری کرنے کے بعد طہر کو اپنی طرف توجہ دلاتے ہوئے گویا ہے

لے بڑے کہ از بزرگی مجاہ ہر کہ بر خدمت تو یافت ظفر کردیروں زد دست محنت پائے برد از دولت بکیواں سر
 بگزشت از فلک بر تہ آئین کرد و نہ بے بد گہ تو گزر بندہ نیز از حکم امیدے خدمتے گفت از وجب شمر
 عاجزے بود کرد با تو پیہ از بزر روزگار بد گوہر عطیہ بود و امین تو گرفت از جفا کے سپہروں پر در
 طمعش بود کہ حشر از وجود بے نیازش کنی بجایہ زر گرد از دست بخشش تو غنی یا بد از فر دولت تو خطر
 بہر از محنت انجسم بجمہ از مساحت کشور دتے شد کہ تا بدال امید چشم دارد براہ و گوشہ بدر
 ہست ہنگام آں کہ باز کند بر سر ادھائے چتر تو پر حلقہ برگوش چرخ کردہر آئین کرد بردے عنایت تو نظر
 بندہ را گوشمال داد بے بغایت یکے در دہنگر صلہ دادن ترا سزاوارست زان کہ آں دیدہ ز جہد و پد
 بیج کاں انشا دست قضا شاخ آں جز کریم نیار بر نیست از ز خاندان نظام دانش مرادی و ذکا و مہنر

(ص ۱۵۹)

نور نادر نہ باشد از خورشید بوئے نادر نہ باشد از عنبر

یہی عرضِ حال کسی قد ز شکایت کے لہجہ میں ذیل کے ابیات میں کیا گیا ہے۔

صاحبانہ را دریں یک سال در مدح تو شعر با ست متیں
 داند را بیات آں معانی بگر چوں خط و لفظ تو خوش و شیریں
 ہر کہ اور اوسیلے ست چناں نہ ہمانا کہ حالتے ست چنیں
 گمہ ز خاکِ تحیرش بستر گمہ ز خشتِ توقشش بالیں
 آخراں وز کارِ حبانی را کہ بجاہ تو دار دایں نکیں
 خود نہ پرسی یکے ز روئے حساب تاچہ می خواہد ازین مسکیں
 وقتِ کج ست موعہ تنگ مرا دل بہ تیمارِ چرخ و بارہ می
 نیست ز رُسکنہ زمانہ کسے کا صطرابِ مراد ہد نکیں

(کیات ص ۳۳)

تو کن احساں کہ ہر کہ جز تو بود
 لیکن ذیل کے اشعار میں یہ مودبانہ شکایت شکر مندانہ لہجہ میں بدل جاتی ہے۔

بندہ سالے ست تادریں خدمت گمہ بہنگام دگمہ بہ بے ہنگام
 دہد از صن دیکرت زحمت آرد از نوع دیکرت ابرام
 آں ہی بنید از تہا دن خوش کہ بدان ہست مستحقِ ملام
 داں ہی بسیند از مکارم تو کہ بشرحش تو اں نمود قیام
 شد مکرم ز غایت کرم کرم الحق چنیں کنند کرام

(ص ۲۹۳)

دیگر

بندہ سالے ست کہ تادرنفِ ولت تو غم ایامِ نخر دست چہ اکثر چہ اقل
 در نہ با و فلک لں کرد ازین پیش ہی کا کش آب کند باشکر و موم و غسل
 گاہ با ضربتِ سحر ز سماک راج گاہ با کبتِ غزلے ز سماک اغزل

رویش از غصہ ایام بردشمن و دد دست
 گوش کا رہ شود از غصہ اولاد لسمع
 دشت بیدار تو بود آن کہ بر گنجین
 شد احم کہ تا شرمی باید بست
 شد ز فر تو ہم معن جو تجوین باغ
 گریہ بود ہمہ پوست جو ترکیب ل (ص ۲۵۰)
 کلیات میں اباحت طاہر کی تعریف میں قصائد کثرت سے ملتے ہیں۔ اُن میں سب سے پہلی تاریخی تبلیغ ۳۵۲
 سے تعلق رکھتی ہے جب کہ شاعر نے اس کے خیر مقدم میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع گزشتہ سطور میں درج
 ہو چکا ہے۔

دوسری تبلیغ جو اشعار ذیل میں پائی جاتی ہے تنخیر ہزار اسپ سے تعلق رکھتی ہے۔ انوری ناصر الدین طہا ہر کو
 خطاب کر کے کہتا ہے

حسن ہزار اسپ اگرچہ برد آں ملک
 کعبہ دہیز شہ جو دید فضیالش
 سیر سیع شہاب کلک تو بس بود
 خود د تیغ پادشہ بچ کار است
 غیبت خوارزم شاہ کز نپشش ماہ
 دست فقر اک اصطاف تو در زد
 سد قدم ست حصہائے حصیں را
 سجدہ کنناں بر زمیں ہنہاں را
 رجم چہاں صد ہزار دیو لعین را
 خاصہ تہتائے کار ہائے چنین را
 چشمہ خوں گرد چشم حادثہ میں را
 معصم ملک گرد جنبل مستیں را (ص ۱)

تنخیر ہزار اسپ کے واقعات یہ ہیں کہ جب ۵۳۲ھ میں سلطان سنجر، اتخان سپہ سالار گورخان سے جنگ میں ہو
 تھا، اتسر خوارزم شاہ خراساں آکر مرو اور نیشاپور کو لوٹ لیتا ہے، سنجر اس کی اس حرکت پر جب فوج کشی کی دھمکی دیتا
 ہے تو خوارزم شاہ جواب میں ایک قطعہ لکھتا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں

اگر باد پالیت رخس ملک
 تو اس جابیائی من آن جبار دم
 کیت مرا پائے ہم لنگ نیست
 خداے جہاں را جہاں تنگ نیست

۱۹۱۶
 ۱۹۱۶

سنجر ۳۲۵ میں ہزار اسپ کا محاصرہ کرتا ہی، اٹنا اے تسخیر میں اودھ الدین انوری یہ رباعی لکھتا ہے

اے شاہ ہمہ ملکن میں جست است دزد دولت و اقبال جہاں جست است

امروز بیک حملہ ہزار اسپ بگر فردا خوار زم و صد ہزار اسپ است

یہ رباعی ایک تیر کے ذریعہ سے قلعہ میں لوادی گئی، اور محصورین کی طرف سے رشید الدین و طوطا نے

جواب میں ذیل کی رباعی لکھی۔ رباعی

اے شہ کج بخت مٹی صاف ستودہ اعدائے ترا ز خصہ خون باید خورد

گر خضم تو لے شاہ بود رسم گرد یک خرز ہزار اسپ تو نتواند برد

کچھ عرصہ بعد قلعہ فتح ہوتا ہی، اور انوری سلطان کی زبان سے یہ رباعی لکھتا ہے

اندیشہ انتقام چوں جسم کنیم وہن ہمہ دشمنان بیک خرم کنیم

با چنچ چو با آتسزا اگر زم کنیم گردوں بس استیچ خوار زم کنیم (ص ۵۳۱)

کلیات میں متعدد مقامات پر ایسے اٹکائے پائے جاتے ہیں جن کی رو سے کہا جاسکتا ہی کہ سنجر اپنے وزیر

طاہر کو کچھ عرصہ کے لئے معزول یا معطل کر دیتا ہی، اور وزارت کسی اور کے سپرد کر دی جاتی ہی اس واقعہ کی اطلاع

کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔ لیکن ذیل کے اشعار اس بیان کی تائید کے لئے کافی ہیں ابیات

اگر چہ طائفہ در حریم کعبہ ملک درائے پایہ خود ساختہ ناوی با

بر پنج روزه ترقی بہ سقف او بند چولات مغربی اطراف تاج دری را

شکوہ مصطفویت خراز طریق نفاذ ز طاقماش در اقلندرات وغری را

طریق خدمت اگر سپرد با کرمیت زمانہ نیک شناسد طریق اولی را (ص ۵۳۲)

دیگر

خضم ارکمال تو تشبہ نکند بہ تائی چہ کند بازے بدیت علم را

نخست نہیں ست کہ گم گدایا گرنیل کشد دشمن بد بخت دم را

جہراست مگر خضم تو زیر اگر نہ پاید در پیچ علی مقصب و پیش ہم دم را (ص ۵۳۳)

دیگر

بود بے بالش تو صدارت خالی بود بے خیمت تو کار ممالک مختل
 خصم اگر دوست کے یافت بصد جگڑا روز کے چند نگہداشت بہ تزدیر و حیل
 آخر الام در آمد بر اسب حیلش تا در افتاد بیک اقعہ چوں خبر بول (ص ۲۵۸)
 اور سند و وزارت پر اس کے دوبارہ تقرر پر یہ قصیدہ لکھا ہے

شرف گوہر اولاد نظام ملک را باز شرف داد و نظام
 خواجہ ملک و حاکم عصر ناصر الدین و ضیہ اسلام
 بولمفتہ کہ بعون طغفرش عدل شد ظلم و ضیانت ظلام (ص ۲۹۸)
 ذیل میں کوشش کی جاتی ہے کہ انوری اور سلطان سنجر کے تعلقات پر کسی قدر روشنی ڈالی جائے۔

سلطان سنجر

یاد رہے کہ کلیات میں سلطان سنجر بن ملک شاہ ۵۵۲ھ و ۵۵۳ھ کی طرح میں بہت کم قصائد ملتے ہیں عام روایات اگرچہ انوری کو سنجر کا خاص شاعر مانتی ہیں اور یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ سلطان کی نظروں میں انوری کی وقعت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ خود و مرتبہ سنجر اس کے مکان پر جا کر انوری کی غرت افزائی کرتا ہے۔ لیکن کلیات ان بیانات کی تائید نہیں کرتا۔ اور نہ قصائد میں ایسے اشارے پائے جاتے ہیں جن کی بناء پر شاعر کے ساتھ سنجر کے نہایت گہرے تعلقات تسلیم کیے جائیں۔

قصائد کی زبان میں بالعموم ایک تصنع اور تکلف کی ادا شروع سے آخر تک ملحوظ ہے اور وہ بے تکلف نہ لہجہ جو ایک دیرینہ مداح اپنے مدوح کے حق میں اختیار کر لیتا ہے، بالکل مفقود ہے، نہ کہیں صلہ مانگا گیا ہے، نہ عطیہ کا شکریہ ادا کیا گیا ہے اور نہ کہیں عرض حال ہے، شاعر صرف و موقوفوں پر البتہ اپنے متعلق کچھ کہتا ہے پہلا وہی جہاں اپنی دو سالہ امیداری کی بابت کہتا ہے۔

نیز ایک قطعہ سے جراحات الصدور میں بھی دیا گیا ہے، اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ سنجر نے ایک مرتبہ اپنے سامنے

۱۸۰
بلو اگر اُس کے اشعار سنے تھے، اور بیٹھنے کا حکم دیا تھا، وہ قطعاً یہ ہے۔

انوری را حند را گمانِ جہاں پیش خود خواند دستِ او نشانند
بان فرمودش عرواست از د وند راں سحر کرد و در بفتانند
چوں بستی برفت بارِ دگر کس فرستاد و پیش تختش خوانند
ہمہ گزرا ایں نہ بس کہ ملک نام او بر زبانِ اعلیٰ رانند
بیش ازین در زمانہ دولت نیست بیج با پیشش در زمانہ نماند (ص ۶۶)

یہ امر قریں قیاس ہے کہ انوری سحر کے دربار میں اس کے آخری ایام سلطنت میں پہنچا ہے، پہلی تبلیغ وہی ہے جو قطعہ ہزار اس کے تنخیر اور ۲۲۷ سے تعلق رکھتی ہے۔

دوسری تبلیغ غالباً سلطان سحر اور سلطان مسعود سلجوقی کی ملاقات سے علاقہ رکھتی ہے اور اشعار ذیل میں پائی جاتی ہے۔

گفتم کہ حدیث عراق گویم ورخود ہمہ بیتے سہ چار باشد
چوں سلک معانی نظامِ دوم تا زان سخم آبِ اربا باشد
الہام الہی چہ گفت، گفتا آں کہ خود هیچ یار باشد
چوں سایہ مرا مدتی گوید باز کہ عرش چہ کار باشد
خسرو بر تازیانہ بخشد چوں ملک عراق اربہا باشد (ص ۷۰)

سحر ملک عراق کی بدظنی کے حالات سن کر جو ان دنوں سلطان مسعود سلجوقی کے زیرِ نگین تھا اور آخر شعبان ۵۲۲ھ میں سے جاتا ہے۔ مسعود ان دنوں ہمدان میں تھا چچا کی آنے کی خبر سن کر اُس نے بالابالابعد جانے کا قصد کیا لیکن شرف الدین موفق کے مشورے سے وہ اس راہ سے باز آ کر سیدھا چچا کی خدمت میں سے پہنچ گیا۔ چچا بھتیجوں میں جو غلط فہمی تھی دور ہو گئی اور جنگِ خطرہ بالکل جاتا رہا۔ مسعود اٹھارہ روز تک برابر جب تک سحر سے میں رہا، چچا کی خدمت گزاری میں مصروف رہا۔

تیسری تبلیغ سلطان سحر اور علاء الدین غوری جہاں سوز کے مابین در او بہرِ محسار بہ کے متعلق ہے۔

شاعر سنجر کو خطاب کر کے کہتا ہے

بندہ ریں مختصر غرض کہ تو گفستی
آیتِ تحصیل آں چہ وز مہینِ ست
قاعدہٴ تنہیت ہی نہ ہند زانک
خضم نہ فغور چہین و غور نہ مہینِ ست
گرچہ ہنوز از غریبِ شکرِ خمت
ججمہ کمرہ پر صدائے انینِ ست
درچہ ز تیغِ مبارزانِ سپاہت
سنگِ بخولِ مخالفاتِ عینِ ست
با چو تو صاحبِ قراںِ بذرِ کزیرِ نو
دینِ سخنِ السلامِ آسمانِ مینِ ست (ص ۶۲)

علاء الدین ۵۴۵ھ میں تخت نشین ہو کر اور بہرام شاہ بن مسعود پر فتح پا کر غزنین پر قابض ہو جاتا ہے۔ اور وہ اجناس جو لوگ غور ہر سال بطور خراج سنجر کو بھیجا کرتے تھے بند کر دیتا ہے۔ یہ استبداد دیکھ کر سنجر بقصد جنگ غور کی طرف بڑھتا ہے اور آوہ پر مقابلہ ہوتا ہے۔ عین جنگ کے وقت چھ ہزار سوار ترک غزاور حنبلی علاء الدین کو چھوڑ کر سنجر سے مل جاتے ہیں جس سے غوریوں میں بڑی پھیل جاتی ہے، تاہم وہ لڑتے ہیں اور شکست کھاتے ہیں، علاء الدین گرفتار ہو جاتا ہے۔ بقول نظامی عروضی یہ جنگ ۵۴۵ھ میں ہوئی تھی، جس میں خود نظامی بھی شریک تھا۔

مجد الدین ابوالحسن عمرانی

سنجری دور میں انوری کا سب سے عزیز مصدق مجد الدین ابوالحسن عمرانی ہے، شاعر غلو ص دل سے اس کا سپاس گزار معلوم ہوتا ہے، اس کا زمانہ معلوم نہیں، لیکن انوری نے ایک مقام پر اس قدر کہا ہے

عدد سالہائے عمرش باد
ہمچو تاریخِ پالِ ضد و چلِ داند (ص ۶۵۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوالحسن کی جواں مردی اور فیاضی نے اس کے قلب پر گہرا نقش بٹھایا ہے جب وہ اپنے عروجِ امارت پر تھا، انوری نے اس کی تعریف پر خوب خوب قصیدے لکھے ہیں جب وہ گرفتار ہو کر جیل میں بھیجا جاتا ہے، شاعر اس کو نہیں بُھولتا، بلکہ اپنے اشعار سے اس کی تسلی کرتا ہے اور دھارس بندھاتا ہے۔

آخر ابو الحسن قتل کیا جاتا ہے، انوری اب بھی اس کے ساتھ وفادار رہتا ہے اور اس کے احسان اور خوبیاں اپنے ابیات میں بیان کرتا ہے۔ ابو الحسن کے قتل کے واقعہ سے پندرہ سال بعد تک بھی اس کی یاد انوری کے صفحہ دل سے محو نہیں ہوتی۔

ذیل میں ان نظموں سے بعض اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔

(۱) در احسان بگو کہ بکشايد
بو الحسن اچو تختہ بند رکند (ص ۶۳)

(۲) احتباسِ وزی خلق آسمان آغاز کرد
آدمی زاد از بقای کبارگی بایوس شد
خلق را بے وجہ روزی عمر شاید بودنی
دجر روزی از کجا چوں بو الحسن تمس شد
اے جہاں! بودہ بنیاد از طریق محنت
چوں تو متاصل شدی یجبارگی بدو شد (ص ۶۳)

قید خانہ میں اس کی تستی کے لئے یہ نظم بھیجتا ہے۔

(۳) گرچہ در دور تو لے ریاد دل و کان تنگاہ
مدتے گرگاں شبان دند دزدان محتب
داندرانِ دُوراں کہ انصاف تو روی اندر
فتنہ شد در شبے خوں قہد ہائے شغب
سایہ منگن بر حدیثے انقلابے کا و فناد
کان نہ اول حادثہ است از روزے و منتقب
کانِ دریائی منہ در حبسِ دل بر اضطرار
زاں کہ کان پیوستہ مجوس ست دریا مضطر (ص ۵۹)

(۴) بیج میدانی کہ در گیتی زمرگ بو الحسن
چرخ جز خطِ کرم دیگر چہ دارد فائدہ
لے دریغائے کچوں یادش کند گوید جہاں
لے دریغ حاتم طائی و معن زائدہ
روزہ روزی درآمد خواجہ بزد و پیش
یادی کن ربنائے ازل علینا ماکدہ (ص ۶۲)

(۵) بس دور کہ چرخ و خستراں بگز آرند
تا مرد دوشے چو بو الحسن باز آرند

(۶) کو حیدر ہاشمی و کو حاتم طے
تا تمام مردمی و مردی دارند (ص ۶۵)

(۷) تا حادثہ تصدیکِ عمل کر دہ است
کس نیست کہ او حدیث احسان کر دہ است
احسان ز کسان بو الحسن بود مگر
کو ہچوک انش روئے نہاں کر دہ است (ص ۵۶)

ابھی آیام میں خواجہ مودود ابن احمد عسی سے جو خاندان نظام الملک کا ایک رکن ہی، تعلقات ہو جاتے ہیں، متعدد قصائد خواجہ مودود کی مدح میں لکھے گئے ہیں، لیکن خواجہ تھے بے فیض، انوری نے آخر کار جل کر لکھا ہے

مودود احمد عسی مشوہ ہم داد گفتم کہ او سرست و سر آخر زن بہت

راغب شدم بخندم و تاشدم بخیاںک حال سگان بو حسن از مال من بہت (ص ۶۲۳)

اب ہم اس دور میں آجاتے ہیں جو تاریخ میں عاشرہ غز کے نام سے مشہور ہے۔ قبائل غز ترکمانوں سے علاقہ رکھتے تھے اور ختلان علاقہ بلخ میں ان کو مویشیوں کے لیے رسنے بنا دیئے گئے تھے یہ چوبیس ہزار بکریاں بطور خراج سالانہ، سلطانی مطبخ میں دیا کرتے تھے، لیکن خواں سالار سلطانی کی زیادہ ستانی اور سخت گیری سے یہ لوگ تنگ آکر آمادہ جنگ ہو گئے، اور زندرانہ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ امیر قباچ والی بلخ نے آخر یہ معاملہ سلطان سنجر کے گوش گزار کیا، اور ان کی تنبیہ و تادیب کے لیے اجازت حاصل کر لی اور فوج کشی کر دی۔ اس جہم میں قباچ و اس کا فرزند علاء الدین مارے گئے اور فوج نے شکست کھائی۔ اب یہ مشورہ قرار پایا کہ سلطان بذات خود لشکر کشی کرے۔ غز سردار بہت بڑا تاجدار و ان دینے پر آمادہ تھے اور سنجر بھی قبول کرنا چاہتا تھا، لیکن امرائے دربار اس مصفا کے بالکل خلاف تھے، جن میں متوہد کا نام قابل ذکر ہے۔ بہر حال جنگ کی ٹھن گئی۔ ادھر اہل شکر خنگ کے خلاف تھے انھوں نے کوئی تندی ہی نہیں دکھلائی، اس طرف غز جان توڑ کر لڑے اور میدان ابھی کے ہاتھ رہا، شاہی افواج کو شکست فاش ملی اور سلطان گرفتار ہو گیا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ ہم مشرّع سے ہی ایک غلطی تھی، اس ہزیمت اور اس کے خوف ک نتائج کا الزام شرعائے عہد اہل فوج کے سر تھوپتے ہیں، بلکہ ان کو بے جہتیتی، بُزدلی اور جبن کا ملزم قرار دیتے ہیں، ان کی یہ رائے ہمیں باور کر لینا چاہیے۔

حکیم کو شک کی نے، جو اس عصر کا ایک مشہور ہنر والا ہے، امرائے سنجر کی کے خلاف اس بارہ میں کئی نظمیں لکھی ہیں جن میں سے ایک یہاں نقل کی جاتی ہے۔

ایا شمشیر زن ترکان پُر دل بہ نسبت از فی داتا و داکشاں

لے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو رات الصدور ص ۱۷۷ مرتبہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، مطبع یورپ ۱۹۲۱ء

یکایک در حسن اسراں پر دیدہ
بنار و نعمت دولت تن آساں
شمار پادشاہ ہفت کشور
رسانیدہ ہمیری از نحاں
بروز کوہ کی خستہ کہ دمہ
بے درپیش دکانِ رواں
ہر شہرے ز نام غرضنودن
شدہ چوں دیوار آہن ہر اسراں
فلک کفران نعمتہائے سب
طلب کرد از شما نافع شناساں
زہے در ماندگان بے حمیت
زہے خربندگانِ ناپساں
کے خود زاد و بوم و ملک و اقلع
چنین بیرون ہد از دست آساں
مستلم میں کہ چوں بیڑ کشید
بشمیر از... زن تاں خراساں

قاضی حمید الدین صاحب مقامات حمیدی نے ذیل کا قطعہ لکھا ہے

حکیم کو شکی را بخواب دیدم دوش
زبان کشادہ بمدح ہمار زبان سیاہ
ز راہ طعنہ و طعن و تاخرہ می گفت
خبر گزار دہ ہر یک حقوق نعمت
فوسیر کا ب شما کیت و سمند
در بیخ بر برو فرق شما بقا و کلاہ
ز پیش کا فر کفران نعمت آوردہ
گر بختید چو از پیش تو بہ خیل گناہ
نہ دیدہ گرد سیاہ سیاہ پوش ہنوز
کہ گشت صبح سپید شما چو شام سیاہ
ز بس تعجب کفار جملہ می گفتند
زہے جماعت غرلا الہ الا اللہ

فتح کے بعد غزنوں نے مرو کا رخ کیا، یہ شہر ان ایام میں عروس الملوک کا حکم رکھتا تھا، اور داؤد چغری بیگ کے زمانہ سے دار الملک ہاتھا۔ اس کی دولت کی کوئی انتہا نہیں تھی، وہ خزان اور دھان سے معمور تھا، غزنین و زنگ شہر کو غارت کرتے رہے۔ اکثر باشندے گرفتار ہوئے اور طرح طرح کے شکنجوں میں ڈالے گئے تاکہ پوشیدہ خزانوں کا سراغ بتائیں، قتل و غارت اور خونریزی ایک وسیع پیمانہ پر عمل میں آئی، عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ انوری غالباً ان ہی واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوا کہتا ہے

بعلم تست کہ چندین ہزار نفس نفیس
چہ زن چہ مرد چہ پیر و چہ شاہ چہ

باضطرار دریں درطہ اوقاد و زبرست بے اگر چہ کیے را درین بدگناہ
 زخون کشتہ چنان ست و دود و دہنوز کہ در گزار ہاندا ہامیاں بشناہ
 بدستہاں زبس گشتہ بعد چند سال عجب ار کہ از غوں بود نالے گیاہ (ص ۳۶)
 جب مرو کی اینکے اینٹ بجا دی گئی تو غزوں نے نیشا پور کا رخ کیا اب شاہی فوج کے نفر بھی ان کے سر پرک
 ہو گئے تھے، ابتدا میں شہریوں نے مدافعت کے لیے ہاتھ پاؤں مارے، لیکن غزوں کی کثرت سے بہت جلد غلو
 ہو گئے، جامع مسجد منیعی میں، اکثر عورتاں، اطفال، اور ذکر و جو بغرض پناہ جمع ہوئے تھے، قتل کر دیئے گئے، مسجد
 مطرز میں آگ لگا دی گئی اور اس کے شعلوں کی دھنی میں ات بھر شہر لٹا رہا، شیخ محمد اکاٹ اور امام محمد بن یحییٰ جیسے
 پاک نفوس شکنجوں میں ڈالے گئے اور بیدردی سے شہید کر دیئے گئے۔ خاقانی موحن لاند کر کے مرثیہ میں
 کتاب ۵

درد و دلت محمد مرسل زداشت کس فاضل تر از محمد یحییٰ قبائے خاک
 آں کرد روز تملکہ دندان فدائے سنگ دین کرد روز قتل دہاں اندائی خاک
 دیگر

گردوں سر محمد یحییٰ اب بباد داد محنت نصیب سنجہ مالکے قاب شد
 دیگر

چرخ از سر محمد یحییٰ روا بود دہرا ز سر سعادت سنجہ گلہاہ برد
 خراسان کے اور اصصار کے ساتھ بھی غزوں نے یہی سلوک روا رکھا، صرف ہرات نے کامیابی کے
 ساتھ مدافعت کی، اور اس تباہی اور بربادی سے، جس نے خراسان کو ایک ڈونسلوں کے لیے بے چراغ کر دیا
 تھا، ہراتیوں نے اپنی قوت بازو، اور مردانہ جدوجہد سے رنگاری حاصل کی۔ جہاں جہاں غزوں کا قدم گیا، اُن کے
 عقب میں فطو دبا اور عالمگیر تباہی نے اپنا چہرہ دکھایا۔ غزنملک میں چاروں طرف پھیل چکے تھے اور اپنی تباہ کن
 رسالت کے مقاصد انجام کو پہنچا چکے تھے، باشندے ان کے خوف سے جنگلوں پہاڑوں اور کنودوں میں چھپتے پھرتے
 تھے۔ سنجہ کے خربل اور کپتان جنھوں نے اس کے اقبال کے دور میں بیسیوں میدان مارے تھے، اور مشہور

ہمیں سر کی تھیں، ان غیر تمدن و خشوں کے نام سے لرزتے تھے، اور بھاگتے تھے۔ خراسان میں جنگجو طبقہ کی کمی نہیں تھی، لڑنے والے اور ملک کی حفاظت کرنے والے کافی تعداد میں میسر آ سکتے تھے، لیکن ان کو ترتیب دینے اور ضبط نظام میں لانے والا کوئی نہ تھا، مخلوق کی آنکھیں سب کو ڈھونڈ رہی تھیں اور سب خان میں موجود نہ تھا۔ اس صورت حالات میں بعض وطن پرستوں نے خان سمرقند کے نام ایک سفارت بھیجا چاہی جس کے ذریعہ سے وہ ملک کی حالت زار بیان کر کے خاقان سے امداد و استعانت اور مددِ اعلیٰ کے مستعدی ہوئے۔ خراسانی اس سفارت کے لیے یوں اور بھی آمادہ ہوئے کہ سالِ گزشتہ خاقان نے غزو کی خلاف ایک مہم بھی سر کی تھی۔ یہ سفارت غالباً ۵۴۵ھ اور ۵۴۶ھ کے درمیان بھیجی جاتی ہے۔ خواجہ کمال الدین جو فضلاء عصر میں بے مثل عالم اور سب کے دربار میں بہت بڑا رتبہ رکھتے تھے، اس سفارت کے قائد اعظم تھے۔

یہ انوری تھا، جس نے سفارت نامہ کا مضمون نظم میں تیار کر کے دیا۔ خراسانیوں کا یہ فریاد نامہ ایک ایسی دستاویز ہے جو بلحاظ پاکیزگی جذبات، علوِ تخیل، اور صفائی زبان، فارسی نظموں میں ایک بے مثل چیز ہے۔ اس میں عبرت، حسرت، اور مظلومیت کے نقشے کو نہایت صحیح الفاظ میں کھینچا گیا ہے، واقعات کے بیان کرنے میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا ہے، حقیقت و واقعیت کی لہر شروع سے آخر تک موج زن ہے۔ اگر انوری کا اور کلام ہم تک نہیں پہنچتا، اور صرف یہی نظم اس کی یادگار رہتی تو تنہا اس نظم کے اعتبار پر اس کا شمار ایران کے بہترین شعرا میں کیا جاسکتا تھا۔ نظم کیا ہے، ایک سیلابِ اشک ہے، جو خراسان نے اپنے ایام، شہدا، عصمتِ زیدہ عورت، خستہ سمارت، غارت شدہ اماکن، بے چراغ بلاد، پامال شدہ حرمت، اور تلف شدہ دولت کے ماتم میں بہایا ہے۔ انوری کی پیغمبری کے ثبوت میں یہی معجزہ اکتفا کرتا ہے۔ وہ اپنے ملک کو سراسر برباد ہوتا دیکھتا ہے، حبِ وطن اور عبرت کے جذبات اس کے قلب میں موجیں مارتے ہیں، درد اور حسرت اس پر استیلا پاتے ہیں، اور وہ ان جذبات کو کامیابی کے ساتھ شعر کے پیکر میں تبدیل کر دیتا ہے۔

اس نظم میں شاعرانہ صنائع و بدائع کا منت کش ہے، اور نہ لفظی دل فریبی، اور ظاہری آرائش و عینت کا منون احسان ہے، نہ استعارات کے ایچ پیچ ہیں، اور نہ تشبیہات کی دھوم دھام ہے۔ سید سے سادے جملوں میں ان خنیں واقعات کے بعض خط و قال بیان کر رہا ہے لیکن ہر جملہ درد میں دھلا ہوا ہے، اور ہر

فقہ تاثیر کے رنگ میں ڈوبا ہوا۔ تمہید کے اشعار میں ۵

برسم قند اگر گزری اے باؤ سحر نامہ اہل خراساں بہرِ خاقاں بر
نامہ مطلع آں رنج تن و آفتِ جاں نامہ مقطع آں رد دل و سوزِ جگر
نامہ برزِ شکر آہِ عزیزاں پیدا نامہ در شکستِ خونِ شہیدانِ مضر
نقشِ تحریرِ شکر از سینہٗ مظلومانِ خشک سطرِ عنوانِش از دیدہٗ محرومانِ تر
ریش گرد و مرقعِ صوت از دگاہِ سماعِ خوں شود مردِ مکِ دیدہ از وقتِ نظر
تا کنون طالعِ خراسانِ رعایا بودہ است برخداوندِ جہاںِ خاقاں پوشیدہ مگر
نئے بنودہ است کہ پوشیدہ نہ باشد بر دہ ذرہٗ نیک بد نہ فلک و ہفتِ اختر
کار ہا بستہ بود بے شک و وقتِ کنون وقتِ آن ست کہ اند سوخی ایلِ لشکر
خسرِ عادلِ حنا قانِ معظمِ کز جد پادشاہست جہاندارِ ہفتادِ پیر
دائشِ فخرِ بدینِ ست کہ در پیشِ ملوک پسرِ شمعِ اندے سلطانِ سلاطینِ شجر
باز خواہد ز غراں کینہ کہ واجبِ باشد خواستن کینِ پیر بر پیرِ خوب سیر (ص ۱۶)

انوری کی شاعری کا ساغرِ مدح و قبح کی صاف دور سے ہی لہری نہیں ہے بلکہ اس کی سطح کے نیچے
الم و درد و یاس کا عنصر بھی اپنا نشیمن بنائے ہوئے ہے، جو ضرورت کے وقت بجلی کی سی سرعت کے ساتھ سطح
سے ابھر کر فضا کے بسیط میں طوفانِ یاس و عبرت بپا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اس کے کمال کے اس پہلو
کو، افسوس ہے، ہمارے ہاں بالکل ہی فراموش کر دیا گیا ہے۔

اب شاعر خاقان کو خطاب کر کے یوں عرضِ مطلب شروع کرتا ہے

اے کیومرث بقا، بادشہٗ کسریٰ عدل سے منوچہرِ لقاحِ خضر و افریدوں فر
قصہٗ اہلِ خراساں بشنوا زہِ لطف چوں شنیدنی ز سرِ رحمِ درایاں بنگر
این لنگارِ جگر سوختگاں می گویند کاسے دلِ دولت و دین از تو شادی و طر
خبرِ ہست کزینِ یزدِ بر شوم غراں نیست یک تنِ خراساں کہ نشد یزدِ بر

پر بزرگانِ زمانہ شدہ خرداں سالار
 بر کریمانِ جہاں گشتہ لئیماں ہتر
 بڑی دونوں احرارِ خیرِ حیراں
 در کفِ زنداں برابر اسیر و مضطر
 شاد آلا بدِ مرگ نہ بسینی مردم
 بکر جزوِ رشکِ مامِ سنیابی دختر
 مسجد جامع ہر شہر ستور اں شاں
 پائیکا ہیست کہ نہ سقفش پیدست نہ
 خطبہ کنند ہر خطہ بنام غزا انک
 در خراسان خطیب ست کنوں نے منبر
 گشتہ فرزندِ گرامی اگر ناگا ہاں
 مید از بیمِ خروشد نیار د مادر
 آں کرا صد فرزند باز فروخت
 دار د آں جنس کہ گوئیش خریدست بزر
 بر مسلمان اں شکل کنند استخفاف
 کہ مسلمان نہ کند صد کیل از با کافر
 ہست در دم و خطا امن مسلمان
 نیست یک ذرہ سلامت مسلمان در
 خلق رازیں غم فریادیں یو شاہ نژاد
 ملک ازیں ستم آزاد کن ای پاک گھر (ص ۱۶۰)

اگر یہی مقصد ہم عبارت میں ادا کرنا چاہیں تو غالباً اس کے لئے ہمیں زیادہ الفاظ کی ضرورت ہوگی، اور اگر اسی قدر الفاظ سے کام لینا چاہیں تو شاید خوبی اور صفائی سے نہ ادا کیسکیں یہ اس قدر الکلام کا کمال ہے کہ نہ زیادہ الفاظ کو کام میں لایا، نہ حشو یا ت کو داخل کیا اور اپنا مقصد خوش سلوبی کے ساتھ ادا کر دیا، اور تاثیر بھی پیدا کر دی، جو دلوں کے گداز کرنے میں جادو کی خاصیت رکھتی ہے۔

شاعر عرض حال کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے۔

بخندائے کہ بیاراست بنامت دینار
 بخندائے کہ بغیراخت بغرت افسر
 کہ کنی فارغ و آسودہ دلِ خلقِ خدا
 زیں فرومایہ غرضوم پے غارت گر
 وقت آنست کہ یابند ز رحمت پادش
 گاہ آنست کہ گیرند ز تیغ کیفر
 زنِ فرزند و زرجلہ بیک حملہ جوار
 بڑی امسال دواں شاں بدگر حملہ بر
 آخر ایراں کہ از دہے فردوسِ شبنم
 وقت خواہد بتا حشر بریں شوم حشر
 سوئے آں حضرت کہ عدل تو گشتست چو
 خوشین زین چا کہ ظلم غراں شد چو ستر

ہر کہ پائے و خربے داشت بجلت بگند
 رحم کن رحم برآں قوم کہ بنود شب روز
 رحم کن رحم برآں قوم کہ جویند جوئے
 رحم کن رحم برآں کہ نیامند مند
 رحم کن رحم برآں قوم کہ رسوا گشتند
 گرد آفاق چو اسکندر بر گرد از انک
 از تور زم لے شد از بخت موافق نصرت
 ہم پوشند کفن چو تپوشی خفتاں
 لے سرافراز جہاں بانی کرغایت فیصل
 برہ باید از عدل تو نیز ایراں را
 تو چو خورشیدی دہست خراساں طلا
 ہست ایراں مثل شورش و تو ابرئی بر
 بر ضعیف قوی امروز توئی دلور حق
 خواجہ کمال الدین کے ذکر میں گویا ہوسے

پیش سلطان جہاں سخر کو پروردت
 دیدہ خواجہ آفاق کمال الدین را
 نیک انی کہ چہ دما بہ کجا داشت برد
 ہست ظاہر کہ برد ہرگز پوشیدہ نبود
 روشن ستاں کہ برآں جملہ کہ خور گردوں
 و اندراں مملکت و سلطنت و آل و دلت
 با کمال الدین انبائے خراساں گفتند
 لے چو پادشہ داد گر حق پرورد
 کہ نباشد بہ جہاں خواجہ از و کمال تر
 اعتماداں شد دیں پرورین کو محضر
 ہیج اسرار ممالک چہ زخیر و چہ ز شمر
 بود ایران ارالیش ہمہ عمر اندر خور
 چہ اثر بود از وہم بسفر ہم بھنہ
 تھنہ ما بخداوند جہاں خاقاں بر

چہ کنداں کہ نہ پاست مراد را و نہ خر
 در نصیبت شان خنوخہ گری کار دگر
 از پس آں کہ بخوردندے از ناز شکر
 از پس آں کہ از اطلش پودے بستر
 از پس آں کہ بنریابی بودند سمر
 توئی امروز جہاں ابدل اسکندر
 از تو غم لے ملک از ملک لغزش ظفر
 ہمہ خواہند اماں چو تپو بخراہی مغفر
 حق سپردہ است بعدل تو جہاں ای کھر
 گر چہ دیراں شدیوں نہ جہاںش مشمر
 نہ بر اطلال بتابد چو بر باداں خور
 ہم ہفتاںد بر شورہ چو بر باغ عطسہ
 ہست احب غم حق ضغابہ وادور

چوں کند پیش خد اوند جہاں از سر سوز
عضدہ این قصہ رنج و غم داند و فکر
از کمال کرم و لطف تو زید شاہ
کز کمال الدین داری سخن مابا دور

زوشنو حال خراسان عراق و شہ شمرق
کہ مراد راست ہمہ حال چو احمد از بر (ص ۱۷۱)

میں نے اس نظم کے ذکر میں کسی قدر طوالت سے کام لیا ہے، صرف اس خیال کی بنا پر کہ ہمارے ہاں اب تک اسے قرار واقعی اہمیت حاصل نہیں ہوئی ہے، اگرچہ مولانا شبلی نے اسے فراموش نہیں کیا ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اس سے بہتر توجہ کی مستحق ہے۔ یورپ میں اس کی وقعت ایک عرصہ دراز سے معلوم ہے اور ایک سے زیادہ مستشرق نے اس کے ترجمہ پر ظلم اٹھایا ہے۔

۴۹ھ میں قاضی حمید الدین کی مشہور کتاب مقامات حمیدی تصنیف ہوتی ہے، انوری قطعہ ذیل اس کی تقریظ میں لکھا ہے

سر سخن کاں نیست در آن یا حدیث مصطفیٰ
از مقامات حمید الدین شد انکوت ہات

ژسک اعمی در آن مقامات حریری و بدیع
پیش آن ریائے مالا مال از آب حیات

شاد باش اے عنصر محمودیاں از روح نو
ز آن کہ تو محمود عصری مابا ان منات

از مقامات تو گر فصلے بخوانم بر غدو
حالے از نا منطقی جذرا صم باید نجات

عقل کل خطے ناقل کرد از و گفت ای عجب
علم اکسیر سخن اند مگر اقصی القضاات

دیر ماں لے قدر درایت عالم تائید
آفتابے بے زوال آسمانے ذہبات (ص ۱۷۱)

اس کے دوسرے سال قاضی صاحب انوری کے نام ایک قطعہ بھیجتے ہیں، شاعر جواب میں قطعہ لکھا ہے

میں پہلے شعر پر قناعت کرتا ہوں

قطعہ صدر اجل قاضی قضاات مشرق و غرب

(ص ۱۷۱)

آں کہ بر عالم نفاذ او قضاے دیگر است

انہی آیام میں غزوں کے سردار ملک طوطی سے شاعر تعلق قائم کر لیتا ہے، لیکن یہ تعلق نہ اصلی ہے

اور نہ دیر پا۔

خراسان کا سیاسی مطلع فتنہ آشوب اور انقلاب کے گہرے بادلوں سے گھرا ہوا تھا وہاں کسی چیز کو قیام نہیں تھا، جیسا کہ مشرقی ممالک کا دستور ہے۔ غریب بھی جانے کے لیے ہی آئے تھے، وہ ایک طوفان بے تیزی کی طرح اُٹھے، خراسان، عراق، کرمان اور غزنہ پر چھا گئے اور کچھ عرصہ بعد ہندیا کے اُبال کی طرح بٹھ گئے۔ لیکن اس سے قبل وہ عام بربادی، اور عالم گیر تباہی کے کام کو خاطر خواہ تکمیل تک پہنچا چکے تھے۔ اب سبغ غزوں کی قید سے آزاد ہو کر وفات بھی پا چکا ہے، اور انوری شہر بلخ میں مستقل سکونت اختیار کر چکا ہے۔ ان ایام میں طفل نگین بلخ کا حکمران ہے اور آزاد پادشاہ معلوم ہوتا ہے۔

انوری کے کلیات میں دین قصیدے اور چند قطعات اس کی طرح میں ملتے ہیں، لیکن کوئی قابلِ ذکر تعین نہیں معلوم ہوتا۔ طفل نگین کے دور میں انوری کی زندگی کا وہ ناگوار واقعہ پیش آتا ہے جسے سبغ بلخ کے نام سے پکارا جاتا ہے، اور جو کسی قدر تفصیل کے ساتھ دوسرے مقام پر بیان ہو چکا ہے۔

میں یہاں چند الفاظ انوری کے سوگند نامہ کی بابت کہنا مناسب سمجھتا ہوں۔ یوں تو اس کی اکثر نظمیں حیدر، منتخب اور لطیف ہیں لیکن یہ نظم اُس کی چوٹی کی نظموں میں شمار کیے جانے کے قابل ہے۔ سوگند نامہ انوری کی اعجاز نگاری کی مثال میں بلا خوف تردید پیش کیا جاسکتا ہے۔

اس نظم میں اس کی شاعری اپنے بہترین معیار اور اُتھائے کمال کو پہنچ گئی ہے۔ موقع نہایت نازک تھا دشمن اپنا کام کر چکے تھے اور سب کا الزام اُس کے سر منڈھ دیا گیا تھا، اور غضب یہ ہوا تھا کہ بلیوں کے جذبات اس کے برخلاف مشتعل ہو چکے تھے۔ غوغائی اس کے گھر پر چڑھ آئے تھے۔ اس کی بے حرمتی کی جاتی تھی۔ جوش ابھی فرو نہیں ہوا تھا، بالکل ممکن تھا کہ اور دست اندازی کی جاتی اور غرت کے ساتھ جان پر بھی حملہ ہوتا۔ انوری خود بے جا ہمت پریش، بے حرمتی کے رنج، اور جان کے خوف جیسے مختلف جذبات کے اثرات سے مغلوب ہو چکا تھا۔ آخر اس نظم کی شکل میں وہ اپنی بے گناہی کی آواز بلند کرتا ہے۔ اس کے طاقتور قلم کی گونج دور دور سنائی دیتی ہے۔ اور عوام کا جوش مخالفت ایک برف کے توڑے کی طرح، جو تابش آفتاب کے سلسنے پگھل کر اور پانی ہو کر بہہ جاتا ہے، فرو ہو جاتا ہے۔

اس نظر سے دیکھتے ہوئے سوگند نامہ انوری کا اعجاز ہے، ذرا اس کی تہید ملاحظہ ہو۔

وزلفاق تیر و قصدہ و کید مشتری
 شغل خاک ساکن اندر سکنہ من صرصری
 گاہ شادی باد بانی، وقت اندہ لنگری
 در بگریم، کال ہر روزیت گوید "خوگئی"
 بگزر در طلیسمین ز دور محبہری
 چون سخن تا چند سالے دادہ سالے نری!!
 و انقم زیرا کہ با من ہم بدیں گنبد دری
 دادہ اندے فتنہ را فطبی بلار محوری
 یک دم از مہرت نہ گوید کہ کد میں کشوری
 بخت شورم جگری کردہ است و درش خجری
 تا ہی گویند کافر لغت آمد اتوری
 حاش شد باشد ار گوید جہود خیبری
 مکہ اند کہ معمور جہاں را مادری

فارغ آید جہنم از چہ از بے زیوری
 خود تو ان گفتن کہ ز نگارست زر جعفری
 جنس این بد سیرتی یا مثل این بد گوہری
 افرا کردن بردہ در گیر داز دیو و پری
 فرق کن نقش الہی را از نقش آذری
 معہ ہاے بد مزاجاں اتے افتد از پری
 چر بکد و ہچان چوں جان شیریں میخوری

اے مسلماناں! فغان میں در جہنم خیزی!!
 کار آب نافع اندر مشرب من آتش ست
 آسمان ر کشتی عمرم کند ایم دو کار
 گر بخندم، و اں بہر عمریت، گوید "زہر خند"
 بر سر من مغفری کر دے کلہ اں برگزشت
 روز گارا! اگر غرقای نیا موزی ثبات!!
 از ستمائے فلک چنداں کہ کوئی گنج نیست
 گوئی تا آسمان ارسم و راں آمد است
 گر بگرد اند بہ پہلو ہفت کشور مر ترا
 بعد ما کاند کہ کوپ حوادث چند سال
 خیرہ خیرم کہ در صاحب ہمت اندر ہجو بلخ
 قبة الاسلام را ہجو اے مسلماناں کہ گفت؟
 آسمان ا طفل بودے بلخ کر دے دا گیش

ہجو کی افرا کے خلاف گویا ہے

با چنین سکاں کہ گراز قدر شاں عقدی کشد
 ہجو گویم بلخ را ہیہات یا رب زینہار
 باشد ار با من تو ان بستن بمہار قصا
 خاتم حجت در انگشت سلیمان سخن
 باز دواں آخر کلام من ز سخیل حسود
 مرد را چوں متلی شد از حد کار افراست
 عیش من زین فراق لعلی گرفت و تو ہنوز

آں منی گویم کہ دے طے زباں کوردہ ام
 آں ہجا گزند من یابی بود از کا فری
 گر بخاطر گنہ را سیدستم اندر عمر خویش
 یا نیم چو ناکہ گرگ یوسف از تہمت بری
 جادواں بے زارم از داتے کہ بنیرائی
 ہست در بازار دیں صراف جان از زری
 آں توانائے و دانا ئے کہ در اطوار غیب
 دام بخیتی نہاد و دانہ نیک اختر (ص ۱۴۱)
 اس طاقتور تردید کے سامنے دشمنوں کا انفرکٹ تک سرسبز رہتا آخر ”نقش آملی“ ”نقش آذری“ پر ظفر بیاہ
 ہوا۔ اس کے ترکش کے آخری تیر (جن میں چپندہ دشمنوں کے اوپر بھی برسا ئے گئے ہیں) ذیل میں پیش کیے
 جاتے ہیں ۵

چوں مرد رنج ہم از اصطناع اہل پنج
 دق مصری چادری کردست در می لبتری
 بر سر ملک چناں فارغ نہ باشد کس چو من
 جہذا ملکہ کہ باشد افسر شس بے افسری
 دے ز خاک خادراں چوں تہ مہول آمدہ
 گشتہ امروز اندوچوں آفتاب خادری
 با چنہیا آں چنا ہا زاید از خاطر مرا
 اے عجب کز آب خشکی زاید از آتش تری
 ایں ہمہ بگزار آخر قالم در نفس خویش
 کاہی را ہست عقل از مکنات اکبری
 پس چگونہ ہجو گویم خطہ را کز درش
 گرد آید دیو بہند از برون مشکبری
 تا تو فرصت جوے گردی و زکیں گاہ حد
 غصہ وہ سالہ را با من لصحہ آوری
 ہیج قائل ایں کند جزاں کہ یک سو افگند
 اصل نیکو اعتقاد ی، رسم نیکو محضی
 دشمنان را مایہ دادن نزد من انی کہیت
 جمع کردن موش دشتی با پلنگ بربری
 مستقیم احوال شو تا ختم سرگرداں شود
 بس کہ پرکاری کند او چون گردی مسطری
 ایں قائل من چنان رزم کہ از بے فرصتی
 سکتہ گیر دین آں بر بوفراس و بجزری
 از عقاب پوششش گر نہ گوید بہ بود
 گرچہ در دریا تواند کرد خر بلط گازی
 چند رنجی کہ قبو لم تازہ شلخے می دم
 ہر کجا پنداری لے مسکیں کہ نیچے می بری
 رد کہ از یا جوج بہتاں رخنہ ہرگز نہ فند
 خاصہ در سدے کہ تا نیش کند اسکنڈی (ص ۱۴۲)

بسوے خانہ گراید زباں بشکر و ثنا
بیاد ملک خداوند کردہ دایم تر (ص ۱۸۶)
بعد اچھوڑنے کے بعد معلوم نہیں ہوتا کہ شاعر کہاں کہاں گیا اور کیا کرتا رہا، مگر کچھ مدت بعد واپس بلخ
آجاتا ہے۔

عماد الدین پیر شاہ احمد

اب عماد الدین پیر شاہ خراسان کے آق پر ایک نئی سائے کی طرح طلوع کرتا ہی، اور بلخ کے دروازے
پر بحیثیت فاتح نمودار ہوتا ہی۔ وہ شہر کی غارت کا حکم دے چکا ہی، ابھی اس کی تمیل میں کچھ وقفہ ہی کہ بلخیوں کے مجمع
سے جوئے فاتح کے استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے ہوئے ہیں، اُمد الدین آگے بڑھتا ہی اور بلخیوں کی
حمایت میں قطعہ ذیل سناتا ہی۔

لے تراگشتہ میسر حتم دیو و پری	کوش تا آب سلیمان پیمر نبری
زناں کہ در نسبت ملک تو کہ اتی بادی	ہست امروز ہماں نوبت عدل عمری
توئی آں سایہ یزداں کہ شب چتر تو کرد	ایں کہ در سایہ او روز ستم شد سپری
نامہ مستح تو سیارہ بہ آفاق برد	کہ بشارت گرفتہ تو شاید بشری
تو کہ صد سجد سکندر کنی از گردن پیا	خوشتن اسزدار صد چو سکندر شمری
رائے اعلائے ترا کشف شو حالت بلخ	کہ بر حمت سوئے آباد و خرابش نگری
در زوایا شش ہمہ طائفہ منقطع اند	ہمہ از خانہ بردن وہمہ از دانہ بری
تو سلیمانی دایں طائفہ موران ضعیف	بون خواہان تو عمرے بمحالی سحری
ظاہر و باطن ایشان ہمہ پائی ملح نست	چہ شود کز سر پائے ملخے در گزری (ص ۳۹)

وہی انوری جس کی تذیل میں چند سال پیشتر بلخیوں نے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا تھا، آج اُن کے حق میں
فرشتہ رحمت بن کرئے فاتح کے سامنے رحم و معافی کی درخواست کر رہا ہے، واقعہ اس کی حبس شرافت اور
اخلاقی جرات کی ایک روشن مثال ہی۔ کیا ہم ایسے عالی ظرف اور بلند حوصلہ انسان کو، دنی البطع و تنک ظرف

اور کم حوصلہ کہنے میں حق بجانب ہو سکتے ہیں۔

بعض سیاسی وجوہ کی بناء پر پیرز شاہ بلخ کا قبضہ ترک کر کے یکایک روانہ ہو جاتا ہے، انوری اس کی دلی پر اپنا دلی تأسف ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ

تومی روی وزین و زمان ہی گویند
زہے ز عدل تو خلق خدائے آسودہ

(ص ۳۶۴)

لیکن کچھ عرصہ بعد وہ دوبارہ قابض ہو جاتا ہے اور شاعر اس کے غیر مقدم میں ذیل کا قطعہ لکھتا ہے۔

احمد مرسل ز خاک مکہ چون ہجرت گزید
ماتے آں خط بود انگشت نو میدی گزید

باز چون باز آمد از اقبال میوں مرکبش
تازہ شد چون در سحر گاہاں گل از بادِ جزا

بلخ را پیرز شاہ احمد ہاں ہجرت نمود
تا فرو بارید از ہم ہجرت برگ اندر خزاں

باز چون در طلل عالی را پیش آرام یافت
زندہ شد بار دیگر چون از صبا شاخ زرا

شکر زداں اکہ شد آ باد و خرم تا بخر
قبیلہ اسلام ازین نعلبہ اسلام ازدا

پیرز شاہ کا زمانہ ۱۰۳۵ھ سے تصور کرنا چاہیے۔ یہی پادشاہ انوری کا حقیقی ممدوح ہے، اور اس میں شک نہیں کہ سب کے مقابلہ میں اس کا دعویٰ نہایت زبردست ہے۔ شاعر نے بعض زبردست قصائد اسی پیرز شاہ کی تعریف میں لکھے ہیں۔ قصائد کی تعداد بھی کافی ہے، اور ان کی زبان سے پایا جاتا ہے کہ شاعر کو اپنے ممدوح سوزی اُس ہے۔ انوری کی اصلی قدر دانی بھی اسی دربار میں ہوئی ہے۔ اس کے وزیر جلال الموزرا کی طرح میں بھی متعدد قصائد ملتے ہیں۔

مجد الدین ابوطالب نعمہ، انوری کا (قیام بلخ کے زمانہ میں) ایک اور ممدوح ہے۔ اس کے تعریفی قصائد بھی کافی تعداد میں ملتے ہیں۔ اور شاعر اس کا ممنون بھی ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ کلیات غوریوں کے ساتھ انوری کے مراسم پر کوئی روشنی نہیں ڈالتا نہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مراسم کس زمانہ میں قائم ہوئے، مگر نہ تو وہ دیر پا ہیں اور نہ گہرے۔

قرن ششم کے ساتویں عشر میں لوگ غور غزوں کی طاقت کو برباد کر کے خراسان کے بعض حصوں پر قابض

ہو جاتے ہیں، بعض بایعوں میں ان کی طرف اشارے ملتے ہیں، امیر اجمال کے نام ایک قطعہ بھی ہے۔ ایک پورا قصیدہ شہاب الدین اور حسن مودود کی تعریف میں ملتا ہے۔ یہ شہاب الدین اگرچہ مشہور شہاب الدین غوری فسطح ہندوستان نہیں ہے۔ اس قصیدے کا مطلع ہے

عرصہ مملکت غور چہ نامحدود دست
کہ در اں عرصہ چنان کشکد نامحدود دست (مرصعہ ۵۹)

اس قصیدہ میں غوریوں کے نسب کے سلسلہ میں ایک عجیب بیان ملتا ہے، جو تاریخی روایات کے بالکل منافی ہے۔ سلطان غور کا سلسلہ نسب بڑے تاریخ خنک تازی سے ملتا ہے، اور طبقات ناصری میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ لیکن انوری ان کا سلسلہ نسب حضرت داؤد پیغمبر علیہ السلام سے ملاتا ہے۔ غور کے ذکر میں وہ کہتا ہے

رونی ملک سلیمان پیمر دارد
عرق سلطان چہ کجے نسب داؤد دست (مرصعہ ۵۹)

کلیات میں ایسے قصائد جو مختلف سلاطین و صدور و امرا و علماء و غیر ہم کے نام ایک ایک دو دو مرتبہ لکھے گئے ہیں بے شمار ہیں، ذیل میں صرف ان لوگوں کے اسما کی فہرست دیدی جاتی ہے۔

- (۱) ستر علی جلال الدین والد دنیا (۲) صفوۃ الدین مریم (۳) کریمۃ النساء رضیۃ الدین
- (۴) عصمت الدین (۵) تاج الملوک بادشاہ (۶) ملک یوسف (۷) عز الدین
- (۸) عضد الدین و ناصر الملک (۹) ملک مغنم بن طغانشا (۱۰) زین الدین عبداللہ
- (۱۱) عماد الملک جلال الدین ابوالفضل (۱۲) علاء الدین محمد (۱۳) صاحب عادل عمر صدر دنیا
- (۱۴) علاء الدولہ علاء الدین ابوسعلى حسن (خانوادہ نظام) (۱۵) کمال الدین خال محمود صدری
- (۱۶) کمال الدین ابی سعد مسعود (۱۷) عزیز الدین طغرانی (۱۸) ضیاء الدین منصور
- (۱۹) شرف الامراء و عد الدین اسحق (۲۰) پیردشہاہ بن طغان گین (۲۱) وزیر محمود
- (۲۲) بہار الاسلام فخر الدین محمد (۲۳) تاج الدین ابراہیم (۲۴) محمد بن ابراہیم سری

- (۲۵) فخر الدین ابوالمفاخر (۲۶) صدر جہاں علاء الدین محمود (۲۷) شمس الدین اعلیک ؟ پہلوان لشکر
 (۲۸) علاء الدین امیر شہنشاہ (۲۹) فرزندان میسر داد (۳۰) مود و دشاہ ناصر الدین مود
 (۳۱) کمال الدین محمد (وزیر) (۳۲) بہار الدین علی (۳۳) شمس الدین بہروز (۳۴) حسام الدین حسین
 (۳۵) قوام الدین (۳۶) فخر الزماں اسحاق (۳۷) جمال اشرف (۳۸) خواجہ منصور عامر
 (۳۹) خواجہ فخری (شاعر) (۴۰) خواجہ اسفندیار (۴۱) کمال الدین سعود (۴۲) اجل جمال الدین
 (۴۳) تاج عمراد (۴۴) صفی مونی سبعی (۴۵) آغ جاندار یک ایتانج سنقر
 (۴۶) مجد الدین عالی ابوالمعانی ابن احمد (۴۷) صدر الوزرا مود الملک (۴۸) نصیر الملک محمد بن عمر
 (۴۹) مجد الدین علی ابن عمر (۵۰) بدر الدین سنقر (۵۱) مود الملک نظام الدین محمد (۵۲) نصیر الدین محمود وزیر
 (۵۳) ابوالمنائب طہیر الدین ناصر (۵۴) رضی الدین ابورضا (۵۵) فخر الدین ایتانج خاصیک
 (۵۶) ناصر الدین قتلغ شاہ (۵۷) عماد الدین ملک شاہ مظہر (۵۸) ابوالحسن نصر بن نصر
 (۵۹) سراجی (ترمذی) شاعر (۶۰) ارشد الدین (شاعر) (۶۱) خواجہ کمال الدین (شاعر) (۶۲) شجاعی (شاعر)
 (۶۳) تیج الافضل فخر الدین خالد بن رسیع المالکی (شاعر) (۶۴) ملک طوطی
 (۶۵) کمال الزماں، معنی سلطان سنجر (۶۶) فرید الدین کاتب

کلیات اس کے واقعات زندگی پر کچھ روشنی نہیں ڈالتا، اتفاقاً جن چند باتوں کا ذکر آگیا ہے وہ یہ ہیں کہ ایک مرتبہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا، ایک تھیدہ میں جو کسی وزیر کے نام ہی، کہتا ہے۔

در بستن ناگزیر تنگ بست
 کیں دست شکستہ نیک تنگ بست (صفحہ ۳۶)

تادست شکستہ پائے جدم
 دریاب مراد زود دریاب

ایک مرتبہ بیماری رشتہ میں مبتلا ہوا تھا۔

کہ ہجو حادثہ گھسے نہان گہند است
 کہ پشت طاقم از باراد ہمیشہ دہمت

بدست حادثہ بندے نہاد برہم
 بک بصورت خباں گرا بقوت طبع

نظر بحیلہ از اعضا جہانی کندش کراست بند بر اعضا کہ آنم از اعضا
عصا ست یایم در وضع آفرین خلق شیندہ کہ کسے راجائے پائے عصا (ص ۳۹)
در دِ نقرس کی تکلیف بھی اُس کو ہو جایا کرتی تھی ۵

بزرگوار ادانی کز آفتِ نقرس زہر چہ ترشی من بندہ می پرہیزم (ص ۶۹)
سفر میں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ انوری اور اُس کے ہمراہیوں کو، جو تعداد میں تیرہ تھے، جن میں
تین شاعر، چھ خطاط، اور چار منشی تھے، دو سو اربوں نے آکر گھیر لیا، اور بہت پریشان کیا قطعہ بد قسمتی ہو
ناتمام ہے ۵

من دسہ شاعر و شُرزی پھار پیر اسیرِ خوار باندیم در کفِ دوسوار
دیر در زری و شاعر گو نہ جنگ کنند اگر چہ چارہ باشند چہ چار ہزار (ص ۶۸)
بہر حال ہمیں اس قدر سمجھ لینا چاہیے کہ وہ فراق تھے، اور جب تک کہ انھوں نے اس جماعت کو اچھی
طرح نہ لوٹ لیا ہوگا، پھوڑا ہوگا۔

وہ ایک بڑے کنبہ والا آدمی تھا، جس کے افراد کی تعداد پچاس کے قریب تھی ۵

پنڈیرش کہ بندہ تو سرزد
او دپیو ستگان او سچاہ (ص ۳۵۶)

مصارف زیادہ تھے اور خود بھی اسراف کی حد تک فیاض تھا، اس لیے قرضہ کی مصیبت یگیں تھا
رہتا تھا۔

وہ طبیعت کا شریف، حوصلہ کا بلند اور خوش اخلاق تھا، لیکن بلند نظری، بے پروائی اس کے خصل
کا امتیازی جوہر ہی صاف گوئی اس کی ایک اور خصوصیت ہی۔

خطرے اور مصیبت کے وقت وہ زیادہ دلیر اور جری تھا، خطرہ جس قدر زیادہ ہوتا اس کی ہمت اتنی ہی زیادہ
بلند اور حوصلہ زیادہ مضبوط ہو جاتا تھا، دوسروں کی آفت میں سینہ سپر ہونے سے دریغ نہیں کرتا تھا اور عام طور
پر بے خوف اور نڈر تھا۔

وہ قدرتا خوش طبع بذلہ سنج اور لطیف تھا، ایسا شخص ہمیشہ کثیرالاجاب اور ہر دل عزیز ہوتا ہی، اسی لئے اس کے دوستوں کا دائرہ بہت وسیع تھا، اس کی صاف گوئی کی عادت نے ہتوں کو اس کا دشمن بھی بنا دیا تھا لیکن دشمنی کے اظہار میں وہ پہل نہیں کیا کرتا تھا، اسی طرح ہجو میں بھی ابتدا نہیں کرتا تھا، بلکہ پہلے حریف کو جتا دیتا تھا کہ اپنا رویہ درست کرے ورنہ ہجو سے تواضع کی جائیگی، اس کے ساتھ ہی وہ رحم دل اور بردبار تھا، اور دشمنوں تک کو معاف کر دیتا تھا۔

غور جو تلامیذ الرحمان کا طغرائے امتیاز ہی، انوری میں بہت کم پایا جاتا ہی، تفاخر اس کا شیوہ نہیں۔ اگرچہ اس کی عمر دباروں میں اور قصیدہ خوانی میں گزری، جہاں خوش آمد کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا، تاہم خوش آمد سے اُس کو دلی نفرت ہی۔ انسان، انسان، سب اس کی نظر میں مساوی ہیں، اور اپنے جیسے انسان کی منت پذیری اس کے نزدیک بدترین فعل ہی۔

شراب پیتا تھا، اُسے خود اقرار ہی۔ کلیات میں بیسیوں قطعات موجود ہیں جو صرف دوستوں سے تشراب منگوانے کی خاطر لکھے گئے ہیں۔

شعر میں وہ ابوالفتح کا زیادہ مداح ہی اور اسی کی تقلید بھی کرتا ہی، معاصرین میں عمیق ادیب صابر اور معری کا ذکر احترام سے کرتا ہی۔ باوجودیکہ خود مسلم الثبوت اُستاد فن بلکہ پیغمبر فن ہی، لیکن شعر گوئی اس کے نزدیک ایک ذلیل اور قابلِ نفرت پیشہ ہی۔ شاعر اور حلال خور اس کی رائے میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں، نہیں بلکہ شاعر حلال خور سے بھی زیادہ کثیف ہی۔

علوم کا دل سے شیدائی ہی، اور محنت پر تو جان قربان کرتا ہی۔ قیمت کی بولمبھی دیکھئے کہ بومعلیٰ سینا کا معلم معلیٰ کا جانشین بنا دیا جاتا ہی۔ لیکن قلبی رجحان کا کیا کرتا، وہ قدم قدم پر نمایاں ہی، زرق برق دباروں اور گرم نشاء مغللوں میں یکایک وہ ایک آہ نرد کھینچتا ہی۔ ارسطو اور بومعلیٰ اُس کو یاد آتے ہیں، اور دل پکڑ کر رہ جاتا ہی۔

انوری اگرچہ کشت میں دیر نشینوں کا سراج بنا لیا گیا ہی، لیکن کعبہ کی محبت اُس کے دل سے نہیں گئی۔ شاعر میں اس عزت کے باوجود وہ فردوسی سے مرتد ہی۔ اور بومعلیٰ کا کلمہ پڑھتا ہی، وہ شاہ نامہ کو رد کرتا ہی اور شفا کو لگے سرخم کرتا ہی، کہتا ہی۔

در کمالِ بوعلی نقصانِ فردوسی گیر
ہر کجا آمد شفا شہستامہ گوہر گزینا

بوعلی کے لئے یہ احترام اُس کو سنائی کے خلاف اعتراض کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ حکیم سنائی نے ایک مقام پر لکھا تھا ہے

کہ یارب تر سنائی را سادہ تو دجکت
چناں کرے بر شک آید وان بوعلی سینا

انوری نے جواب میں کہا ہے

سنائی گرچہ از وجہ مناجاتے ہی گوید بشعر اندرز حرصِ آں کہ یابد دیدہ بنا
ولیکن از طریقِ آرزو بختِ خستہ داند کہ با بختِ زمرد بس نیاید کوششِ مینا
بر جانے کن تن در شیتِ دہ کہ دیر افتد زیاجج متاخر خستہ در سد و لوشینا (ص ۵۵)
اہلِ تصوف کو وہ پسند بھی نہیں کرتا، اس دلیل کی بنا پر میں خیال کرتا ہوں کہ مصحح مشہور

چوں سنائی ہستم آخر گرچہ چوں صابر م
میں انوری نے اپنے آپ کو حکیم سنائی کا شیل نہیں کہا ہے بلکہ حکیم سنائی کا۔ ایک قلمی نسخہ نوشتہ ۸۴۳ھ میں ہی
مصحح یوں درج ہوئے

از سنائی ہستم آخر گرچہ کم از صابر م

بقول محمد عوفی، سنائی کا پورا نام ”الحکیم محمود ابن علی السمائی المروزی ہے“ اور طلحہ مروزی نے اس کا مرثیہ
لکھا ہے۔

اس کی شاعری پر مخالف معاصرین نے کفر نگاری کا الزام لگایا ہے، فتوحی مروزی کہتا ہے

گدیہ و کفر در اشعارِ شاعرِ ست ترا کفر در مدحی و در گدیہ ہمہ کفرانی
صنعتِ کفر بشعر از تو در افزود خیالک بق بن از فاضلی و طنطنہ از غافقانی (ص ۴۱)

قاضی نور اللہ شستری شیعہ شعر کی نفرت میں اس کا شمار کرتے ہیں، لیکن کلیات میں کافی سے زیادہ

شہادت موجود ہے کہ وہ مذہب سنت و اجماعت کا ایک رکن تھا، اور غالباً شافعی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ مسئلہ جرد
تدریس و اشاعہ کا ہم زبان ہے، رویت باری کا وہ قائل ہے، ”عدل عمر“ قدم قدم پر اس کے قصائد میں پایا
جاتا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں ۵

نہ در خلافت بوبکر دم ز غم بہ خلافت نہ در امامت فاروق در مجال و لطف
نہ در شجاعت حیدر چو خارجی الحق نہ در شستن عثمان چو راضی بدگو
سرخو ابرج خواہم شگافہ چو انار دل و افص خواہم لغیدہ چو ناز (ص ۲۳)
ان اشعار پر بھی کما حقہ کیا جائے ۵

بسرِ مصطفیٰ شریف قریش کہ ز جمع رسل عزیز ترست
وفاد صفاۓ صدق عتیق کہ دل و جاں فروش و شریع خست
بدیرے دہیبتِ عمری کہ ظہورِ شریعت از عمرست
بجیا و حیاتِ ذوالنورین کہ حقیقتِ مؤلفِ سورت
بکفِ ذوالافتار مرتضوی کہ بحرب اندردن چو شیرِ نرست (ص ۲۴)
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے کہتا ہے ۵

دین بمرشد قوی گریہ پس از عہد او باقی ناموس کفر خنجر حیدر شکست
معرکہ کردیوِ وطنِ عمر بشکند ۵ چرخ کے نظارہ بود دید کہ منکر نکست (ص ۲۵)

ناظرین کو وہ قصہ یاد ہو گا جس میں عنصری، عسجدی، فرخی، اور فردوسی ایک ایک مصرع ہم پہنچا کر رباعی
تیار کرتے ہیں، اسی قسم کا ایک قصہ انوری، رشید الدین طواط، ادیب صابر، اور خود سلطان سنجر کی بابت
ایک غیر مطبوعہ تاریخ خلاصۃ التواریخ میں میری نظر سے گزرا ہے۔ موقع یہ ہے کہ عید کا چاند، جس کا بیتابی سے
انتظار کیا جا رہا تھا، نظر آچکا ہے، ہلال کو دیکھ انوری کہتا ہے ۵

اس نیم قہق کہ در لبسِ این طاس ست

گوئی بدست پارہ الماس ست

رشید کہتا ہے ۵

نخل میرہ نور است چو کج کار دبود
نے نے غلط گشت بقا را داس

ادیب صابر کہتا ہی ع
سلطان سنج کہتا ہی ع

انوری کی وفات پر اس کے کسی دوست نے ذیل کا قطعہ لکھا ہی ع

- (۱) انوری رفت و آرمید و گزید بر سر اے پلید عالم پاک
(۲) دوستان دغش بھی گویند باسخ زر و دودید ہ منک
(۳) کاے درینا کہ چرخ سفلہ عالم علم را بشت خاک

انوری کی شاعری

انوری اگرچہ طبعاً علم دوست واقع ہوا تھا، لیکن زمانہ کے میلان عام اور اپنے عہد کی عیش پرستی اور ہرزہ پسندی علوم کی بے قدری، معاش کی مجھریاں اور زندگی کی تلخیاں محسوس کر کے علمی مشاغل کو خیر باد کہتا ہی اور شاعری اختیار کرتا ہی، تاہم وہ غالب کا ہم زبان ہو کر بلاخوف تردید کہہ سکتا ہی ع

ما بنودیم بدیں مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہش آں کرد کہ گردن

اگرچہ شعر نے اس کی روحانی اولوالعزمیوں اور طبعی رجحان کو کوئی تسکین نہیں بخشتی کیونکہ وہ اس سے ہمیشہ طول اور اور دل گیر نظر آتا ہی۔ اُس کے شریف جذبات، اس پیش کے خلاف ہمیشہ سرگرم بیکار ہیں، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ انوری نے اپنے سرسبز دماغ، عالمانہ روش تحریر، اور نکتہ آفرینی سے شعر کے درجہ کو کوئی پایہ بلند اور رفیع کر دیا ہی۔

انوری کا اعجاز اس کے قصائد مانے گئے ہیں۔ متقدمین کے نزدیک محاسن قصیدہ گوئی زیادہ تر شان و شکوہ الفاظ، نادر تشبیہات اور صنائع و بدائع پر ختم تھیں۔ لیکن انوری کی جدت پسند طبیعت نے اس میں مغفول داخل کیا۔ خیال بندی کا شوخ رنگ چڑھایا اور صنائع کا زور توڑ کر اس کو عسلیت کے رنگ میں رنگ دیا۔ فارسی زبان اس کے ہاں ایک نئی کرٹ لیتی ہی، جدید خیالات اور نئے اسلوب و افرقہ دار میں پائے جاتے

ہیں، وہ سینکڑوں بندشوں کا مبتدع ہے۔ اور اس کے جھوٹے نواوں کو متاخرین فرے لے لے کر چھاتے ہیں۔ قریب قریب ہر شاعر نے اس کے اثرات میں اپنے قندیل سخن کو روشن کیا ہے، جن میں ظہیر، ابن سین، عربی اور قاتنی قابل ذکر ہیں۔ ہمارے لغات کا ایک بڑا جزو اس کی جدت طرازی کا مہو ہون منت ہے۔

صنائع میں وہ لغت و نشر اور تجنیس کی طرف زیادہ مائل ہے، اور کلام خشو یا جملہ معترضہ کے استعمال میں یدِ طولی رکھتا ہے، وہ ادائے خیال کے لئے نازک اور خوبصورت لباس کی بجائے سنجیدہ اور متین پیرایہ تلاش کرتا ہے۔ انوری ایران میں ثالث ثلاثہ رسل شعر مانا گیا ہے، اور یہ فیصلہ ابھی تک مسلم ہے۔ متاخرین ہند میں اس کے خلاف بغاوت پھیلانے والوں میں سب سے پہلے ابو الفضل علای کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ابو الفضل کے بعد میرزا عبد القادر بیدل غظیم آبادی قابل ذکر ہیں، ان کے تقلد آزاد بلگرامی ہیں اور مولانا شبلی کی رائے حقیقت میں آزاد سو ماخوذ ہے۔ مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان بزرگوں کے دور میں قصیدہ گوئی کی حقیقی عظمت مردہ ہو چکی تھی، اور نغزل نے عالمگیر قبولیت حاصل کر لی تھی۔ اس لئے مذاق میں عام انقلاب جاگزیں ہو چکا تھا۔ عربی جیسا مسیح نفس بھی مردہ قصیدہ کے جسم میں روح پھونک کر اس کا دور احیاء لاسکا۔

انوری کے درمیں عنصر نے کوئی حقیقی اہمیت حاصل نہیں کی تھی، منجملہ شعرا کے سامنے جو میدان تھا وہ قصیدہ کا تھا، اور اسی سرزمین میں وہ اپنے جوش طبعیت کی جولانیاں دکھاتے تھے۔ یہ عہد قصیدہ کی تاریخ کا زریں دور مانا جانا چاہیے۔ شعر اکثریت سے موجود تھے، جن میں اکثر مشہور و معروف ہیں، مثلاً امیر معزی، ادیب بزرگ عبد الواسع حبلی، حکیم سوحانی، حکیم سوزنی، فتوحی، سنجر، حکیم سمائی اور رشید الدین و طوطا وغیرہ وغیرہ لیکن سب نے اپنے نقش طبع کے لئے قصیدہ نگاری ہی کو اختیار کیا تھا۔

ان میں جو انوری کے ہم چشم مانے گئے تھے وہ فتوحی اور سنجر ہی تھے۔

ایں کہ پرسد بہرِ ناں ایں ... نجرانِ دریش
(ص ۴۰) کا انوری بہ فتوحی یا سنجر

گویا معاصرین کی نظر انتخاب میں انوری، فتوحی اور سنجر پر رقمہ فال ڈال گیا تھا۔ کوئی انوری کو ترجیح دیتا تھا، کوئی فتوحی کا معتقد تھا، اور کوئی سنجر کی افضلیت کا قائل تھا۔ گویا سعدی، امامی، اور مجد ہر گز کی تصحیح کی بحث پر تبدیل ہوا،

ایک صدی پیشہ چھڑ دی گئی تھی۔ لیکن غور کرو کج فتوحی اور سنجری کو کون جانتا ہے؟ زمانہ نے اُن کے کلام کی طرح اُن کے ناموں کو بھی صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے۔ درجہ توڑ اہمیت ان کے متعلق ہم جانتے ہیں، انوری کے طفیل میں جانتے ہیں۔ وہاں دنیا نے سعدی کے حق میں فیصلہ دیا، یہاں انوری کے حق میں۔

متاخرین میں بعض نے ظہیر فاریابی کو انوری پر ترجیح دینا چاہی لیکن اُن کی کوشش بار آور نہیں ہوئی۔ خود مولانا شبلی ظہیر کی افضلیت کے قائل ہیں، لیکن انوری اور ظہیر میں کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ ظہیر کی شاعری اتنی شروع ہوتی ہے، جب انوری کا زمانہ ختم ہوتا ہے۔ ظہیر کے قصائد دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہیر انوری کا مقلد ہی ہے اور انوری کے جواب میں جو چند قصائد اُس نے لکھے ہیں اُن میں کوئی ترقی نہیں دکھائی ہے۔ میں بخوفِ طولت صرف چند مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

انوری کا ایک قصیدہ ہے۔

صبا بہ سبزہ بیار است باغِ دینی را
منو گشت زہیں مر عنبرِ اعتبی را (ص ۱۴)

ظہیر نے اسی زمین میں یہ مطلع ہم پہنچایا ہے۔
سفر گزیدم و بشکتِ عہدِ قربی را
مگر بہ حیلہ بہ بنیم جمالِ سلمی را
ص ۳۷ قصائدِ ظہیر طبع نو کشور
۱۲۹۷ھ

- ۱۔ معطوف و معطوف علیہ کی حالت میں یہ تفاوت جو ”سفر گزیدم و بشکت“ کی ترکیب میں بجائے ”سفر گزیدم و بشکت“ دیکھا جاتا ہے ایک ایسا اسلوب ہے جو سب سے پہلے قرن ششم میں دیکھا جاتا ہے۔ انوری کے کلام میں یہ تغیر سب سے پہلی مرتبہ مشاہدہ کیا جاتا ہے چنانچہ مثالیں
- | | | | |
|-----|------------------------------------|---------------------------------------|-------|
| (۱) | جسم زجا پیش دید و سلام کرد | و آرد دُش چونگِ شکر تنگِ در کرد | ص ۱۹۶ |
| (۲) | العصہ باز گشتم و آمد بخانہ زود | در باز کرد و باز بہ بست از بس استوار | ص ۱۹۳ |
| (۳) | ہمچنان کردم و این شعرا کردم و رفت | جاں از اں رجعت فی القوم پر از و اشوقا | ص ۳۵۹ |
| (۴) | رفتی و با تو جالے کہ جہاں داشت بیز | گر جہاں را پس ازین ناقص خوانیم سزا | ص ۵۶ |
| (۵) | آورد دُش بجایے و نشاند و نشست پیش | بزرست بوسہ ادم و بر رویے او گلاب | ص ۲۸ |

میں اُن میں انوری کے مطلع کو ہر اعتبار سے بہتر مانتا ہوں۔ لیکن اس قسم کا مقابلہ شاید بعض ناظرین کی رائے میں نامناسب ٹہرے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دونوں اشعاروں نے جہاں ایک ہی قافیہ باندھا ہو، ان اشعار کا مقابلہ کر لیا جائے، اس نقطہ نظر سے ذیل کے اشعار پر ناظرین ایک نظر ڈال لیں ۷

انوری

روائع کرمت با ستیزہ رٹے طبع
خواص نیشکر آرد مزاج کسے را

بہر چہ مفتیِ رایت قلم بدست گرفت
قضا براتِ نوید جو اپ فتویٰ را

نسیم باد در اعجاز زندہ کردن خاک
بہر د آب ہمہ معجزاتِ عیسیٰ را

ز کلمہ رتبہ تو قاصرست قوتِ عقل
بلے ز روزِ جزا نیست چشمِ اعلیٰ را

دجود جود تو رائجِ فقاد اگر نہ وجود
بہ نسیم ناں ز قضایِ فروختِ اجریٰ را

طہیر

مزاج کود کی از رٹے خاصیتِ مذاق
ہنوز طعمِ شکر می ہند کسے را

بدستِ خویش قلم در کشیدہ مفتیِ عقل
بیک اشارتِ رایت ہزار فتویٰ را

سخن چہ عرض کنم بر جماعتے کہ زہل
زبانگِ خرنہ شناسند نطقِ عیسیٰ را

وجودِ او کہ جہاں را ز ابتداءِ خلوق
بجائے نورِ بصیر بود چشمِ اعلیٰ را

ہزار بار بدیوانِ رزق رد کردن
جہاں ز بہر نشانتِ براتِ اجریٰ را

شکوہ مصطفویتِ آخر از طریقِ نفاذ
ز طاقتِ ما شس برا فکند لات و غری را

ظہیر
اگر صلابتِ ادب با ناکِ برفِ ناکِ بزند
بخالتی دمِ اقرار لات و غری را

خدائے عزوجل گوئی از طریقِ نفاذ
بہ اعتدال ہو دادادہ جانِ معنی را

برائے تخیلِ نطقِ ارگاںِ بسیار ایم
بہ حلیہ ہائے عبارتِ عروسِ معنی را

خیزید کہ ہنگامِ صبحِ دگر آمد
شب رفت و ز مشرقِ علمِ صبحِ بزم آمد

صبحِ دگر از مشرقِ اقبالِ برآمد
در گلشنِ ایامِ نسیمِ سحر آمد

خورشیدِ مندر افاقِ جامِ نکتہ تر
چوں شکرِ خورشیدِ بہ آفاقِ برآمد

آں وعدہ کہ تقدیرِ ہی داد و فاشد
واں کار کہ ایامِ ہی خواستِ برآمد

نامِ تو بے تربیتِ نامِ عمر کرد
زاں رُئے کہ عدلِ تو چو عدلِ عمر آمد

شاہنشہ ابی بکر محمد کہ جہاں را
از حضرتِ امیرِ عدلِ عمر آمد

نزدیکِ خروس از پئے بیداریِ مشا
دیرسیت کہ پچنمِ نسیمِ سحر آمد

شمسیرِ تو در طُغلتِ شہائے حوادث
چوں پر تو خورشیدِ طلوعِ سحر آمد

در امر تو امکانِ تغیر نہ نہفتند
گوئی کہ مشائے ز قضاوتِ در آمد

سر بر خطِ حکم تو نہد ہر کہ یکے روز
در دائرہ حکمِ قضاوتِ در آمد

انوری

اوصاف تو در نسبت آوازہ ایشاں
وصف نفس عسی و آواز حسر آمد

ظہیر

خصمت کہ پرستندہ سیم جز عیسی است
اندا از لطف عقل چو دہ سال خرا آمد

بر بوک و مکر عمر گرامی گزاردید
خود محنت ماجملہ ز بوک و مکر آمد

آں مایہ نداشت کہ بر هیچ نیاید
ہر کار کہ در معرض بوک و مکر آمد

ظہیر، انوری کی متانت اور دقت نظر کو نہیں پہنچ سکتا۔ زبان کی صفائی جو ظہیر کا امتیازی جوہر ہے، انوری سے مقابلہ کے وقت اس کا صریح تفوق ثابت نہیں کرتی۔ لیکن جب ہم ان گوناگوں اور مختلف الموضوع مضامین کا خیال کرتے ہیں جو انوری نے اپنے اشعار اور نظموں میں روشناس کیے ہیں تو ظہیر کی شکست ایک بدیہی واقعہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

ذیل کے اشعار پر بھی غور کیا جائے جو بلحاظ اتحاد ترکیب بندش و نون استادوں کے ہاں مستحسن مانے جاسکتے ہیں صرف اس فرق کے ساتھ کہ ایک صبح کا ذکر کرتا ہے اور ایک شام کا۔ اور نگاہ انتخاب فیصلہ پھر انوری کے حق میں ہے۔

انوری

چوں وقت صبح خیم جاں سیر شد ز خواب
بگستہ شد ز خیمہ مشکین شب طناب
بنمود رئے صورت صبح از کنار شب
چوں جوئے سیم بر طرف نیکوں سراب

ظہیر

چوں بر زمیں طلوع شب گشت آشکار
آفاق ساخت کسوت عباسیان شعار
بیداشت از کرانہ میدان آسمان
شکل ہلال چوں سر چوگان شہر یار

انوری کی شاعری میں گوناگوں واقعات اور معاملات پر بحث کی گئی ہے، اس کی تشبیب میں مختلف النوع

موضوع پر مستحکم اٹھایا گیا ہے، بہار و باغ، گل و ریاحین کے علاوہ جو ہر ایرانی شاعر کا ایک مقبولہ مضامین
 ہے انوری کے ہاں کہیں ذکر معشوق ہے، اُس کے فراق کا بیان ہے یا آمد کا ذکر اور کمالہ ہے، کہیں صبح کا نقشہ کھینچا
 گیا ہے، کہیں شام کا منظر دکھایا گیا ہے۔ کبھی سرگرم سفر ہے، دشت و بیابان کوہ و صحرا کے مناظر پیش کرتا ہے، کہیں
 شب عید کے نطائے ہیں اور عید گاہ پہنچنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں، کہیں فلیکات کی ذکر میں مصروف ہے، ہرج
 اور سب سے تیارہ پر قلم اٹھاتا ہے، اور ہر ستارہ کا جدا جدا حلیہ لکھ رہا ہے۔ یہ موضوع اُس کے ہاں بہت پسندیدہ ہے۔
 کہیں نہ مانہ کی ناقدری، علم و ہنر کی کساد بازاری کا دکھ اُسیان ہوتا ہے، تقدیر اور آسمان کی بوجھبیاں دکھائی
 گئی ہیں، صحن بستان و وزیر، قصر و ایوان اُن کی نقاشی اور مختلف منظروں کا شکار گاہوں، اور رزم گاہوں
 کا خاکہ اُتارتا ہے۔

صبح کا وقت ہے، صبح کی تلاش ہے، اور شراب کو لگ رہی ہے، نخاس میں ایک ہندی کینزدیکی جاتی ہے،
 شاعر اس پر عاشق ہو جاتا ہے، بات چیت کا موقع بھی مل جاتا ہے، عشق جتایا جاتا ہے، وہ مسکراتی ہے اور کہتی ہے، تمہارے
 کیسے میں روپیہ بھی ہے، روپیہ سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ آسمان تک کے ستارے توڑے جاسکتے ہیں۔ یہ جواب
 دیتے ہیں ع
 چیل کے گھونسلے میں مانس کہاں

وہ کہتی ہے تو میرا کہا مانو اور میرے خیال سے درگزر، یہ سن کر آپ بیتاب ہو جاتے ہیں اور گریہ و بکا
 شروع کر دیتے ہیں، وہ رحم کھاتی ہے اور جلال الوزرا کے پاس جانے، قصیدہ سنانے اور روپیہ حاصل کرنے کا
 مشورہ دیتی ہے۔ یہ اس رائے کو پسند تو کرتے ہیں لیکن نکتہ ہیں، میں جلال الوزرا کے سامنے جانے کی
 جرات نہیں کر سکتا، کینزیہ نزدیکی دیکھ کر ناراض ہوتی ہے اور لاجول پڑھتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

حضرت اپنی بے زری پر تاسف کرتے ہوئے گھر آتے ہیں، اندر کی طرف سے دروازہ کی دو زون
 زنجیریں چپٹے چلی جاتی ہیں۔ مکہ میں اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں، دروازہ کی طرف پیٹھ کر لی جاتی ہے، او
 دیوار کی طرف منہ، اور نکتہ ہیں کہ آج تمام رات مجھے اپنی بے زری پر رونا چاہیئے۔ آنسوؤں کا
 ایسا دریا بہا یا جائے جس میں سفینہ نوح تک غرق ہو جائے، مالے ایسے شرر بار ہوں کہ فلک پر جا کر
 انجم رخشاں کی طرح چکیں۔

تھہ مختصر حضرت سرگرمی کرتا تھا اس معرکہ خیز کام میں مصروف ہو جاتے ہیں، اتنے میں سپیدہ سحری چمکتا ہوا
 سیمرغ سحر جوئے شیر میں اپنی چیخ ڈال دیتا ہے، آپ کی آنکھ لگ جاتی ہے، خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ خود بدو
 جلال الوزر کے دربار میں کھڑے ہیں، وہ مسند زربار پر بیٹھا ہے اور اُن سے دریافت کرتا ہے کہ حضرت خیر ہے
 آپ آج کس فکر میں ہوتا ہے، طرح خاموش ہیں، حضرت جبرائیل کے پیش قدمی کرتے ہیں اور کنیز کے
 ساتھ اپنے عشق اور بیانی کا سارا ماجرا سناتے ہیں، جلال الوزر اسی وقت اپنی آدمی کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ کنیز
 کو حشر دلاؤ، اور لا کر ان کے حوالہ کر دو، آدمی جاتا ہے، کنیز کو خرید لاتا ہے، اور ان کے حوالہ کر دیتا ہے۔
 صین اس موقع پر ان کی آنکھ کھل جاتی ہے، کیا دیکھتے ہیں کہ نہ جلال الوزر کا دربار ہے، اور نہ وہ کنیز ہے
 آپ تنہا پڑے ہیں۔ خواب کی تعبیر کے لئے مبعث کے پاس جاتے ہیں، وہ تعبیر بیان کرتا ہے، اور اجرت میں ان کی
 پگڑی پر قبضہ کر لیتا ہے۔

اس تشبیب میں انوری نے ظریفانہ پیرایہ اختیار کیا ہے، اور شروع سے آخر تک اُس کو خوب نباھا
 ہے۔ یہی کیفیت ذیل کی تشبیب میں مشاہدہ کی جاتی ہے۔

عید کی صبح ہے، آپ چند دوستوں کے ساتھ عید دیکھنے کی غرض سے صحرا کا رخ کرتے ہیں، چونکہ سواری
 کا شوق ہے اس لئے زیر ران ایک گھوڑا بھی ہے، لیکن کمزور دُلا اور مرل۔ قدم قدم پر گرتا ہے، اس کے ساتھ
 یہ بھی گرتے ہیں، اور اٹھ کر اُسے اٹھاتے ہیں اور پھر سوار ہوتے ہیں، مختصر یہ کہ کبھی یہ اُسے اٹھاتے ہیں
 اور کبھی وہ انہیں اٹھاتا ہے۔ اور اس طرح راستہ طے ہو رہا ہے، یا ر لوگ چھیڑنا شروع کرتے ہیں، ایک کہتا ہے میان
 ذرا رکابیں ڈھیلی کر لو تمہاری ٹانگیں لمبی ہیں، دوسرا کہتا ہے ذرا ایڑ تو لگاؤ، دیکھیں تمہارے گھوڑے کی رفتار
 کیسی ہے، یہ چپ ہیں، شرمندہ بھی ہیں اور پریشان بھی، کبھی ادھر دیکھتے ہیں، کبھی اُدھر جھانکتے ہیں کہ دیکھیں یہ کیا
 پھبتی سناتا ہے، اوردہ کیا آوازہ کہتا ہے۔

اتنے میں ملازم دوڑا ہوا آتا ہے، یہ پوچھتے ہیں، بھی گھر میں خیریت تو ہے، وہ کہتا ہے، کیسی خیریت، تم تو
 گھوڑا اڑائے عید گاہ جا رہے ہو اور اس طرف اصلی عید (ممشوق) گھر پر آئی ہے۔ یہ سنتے ہی ان پر ایک گھٹ
 سی طاری ہو جاتی ہے، اُس سے کہتے ہیں، لا، گھر کی کنجیاں تو مجھے دے میں جاتا ہوں، اور تو اس مردار پر سوا

ہو جا اور آہستہ آہستہ گھر لے آ۔

قصائد میں بالخصوص اوصاف نگاری میں اس کی طرز زیادہ تر دقیق اور مشکل ہی میں چند اشعار جو نہ زبان مشکل ہیں اور نہ آسان، اس کی ایک تشبیہ نقل کرتا ہوں ۛ

لے شرک بے نیاز کہ عیدست وہمن ست	ہنگام بادہ خوردن و شادی بزن ست
ایام خرد و خرگہ گرم ست ازیں سبب	خرگاہ آسمان ہمہ درخت ترا دکن ست
خالی مدار حسن آتش زدود و عود	تا در حین زہینہ کا فور خرمن ست
آں عمدت ایں کہ نہ الوان گل چین	گوئی کہ کارگاہ حسری ملون ست
سلطان نے بہ لشکر صرصر جہاں بکند	بینی کہ جو رصر صر دے چون جہاں کن ست
در خیمہ گردن غم خرچ ست باغ را	چوں آب گیر ہا ہمہ پر تیغ و جوشن ست
نفس نباتی اربہ غب حسانہ باز شد	عیبش مکن کہ مادر بستاں متردن ست
باد صبا کہ فعل نبات نبات بود	مردم گیارہ شد کہ نہ مردست و نہ زن ست
از جوش نشو، دیگر نافرودشت	از دود تیرہ برسہ گیتی بہنن ست

انوری اس دوش خاص کے لیے مشہور ہے، ان حالتوں میں وہ اکثر سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے اور اسی علم

میں اس کی جدت طرازی کا اہلی جو ہر نمایاں ہوتا ہے۔ میں ایک تشبیہ اور مثال دیتا ہوں ۛ

جرم خورشید چو از حوت در آید محفل	اشہب روز کند ادم شب را ارجل
کوہ را از مدد سایہ ابرو دم شب	پر طرائف شود اطراف چہ لامون چہ تل
ساعدا و ساق عروسان چین را بسینی	ہمہ بر بستہ علی دہمہ پوشیدہ خل
پیش پیکان گل و خجربق از پیے اکن	تازہ سازند بکین و لنگا لند جدل
بر محیط فلک از ہالہ سپر سازد ماہ	بر بسط کرہ از غید زرہ پوشد ظل
وز پیے آن کہ فرا جوش نہ کند فاسد خل	سرخ بید از ہمہ اعضا بختاید اکل
باد با آب شمر آں کند اندر بستاں	کہ کند بارخ آئینہ بسوہاں صقل

برکہ راضی دے از شغل مانع دے داد
 مرغزارے شود اکنون فلک ابر درو
 شمع نفس نباتش در آرد معبوس
 راست چونانکہ تو گوئی ہمہ ناداست وجل
 میل اطفال نبات ازجت قوت و قوت
 کرن یک رے بہ اعلیٰ و دیگر در اسفل

لیکن جوش و ہجان، صدمہ اور ارتعاش کی کیفیت میں اس کی روش ملام، سیرج، اور سہل ہو جاتی ہے۔
 کسی زیر کی وفات کے موقع پر دکھایا جاتا ہے کہ شاعر فطرح میں تکلف اور تصنع کے پردوں کو ایک قلم اٹھا دیتا ہے اور
 ایک سادہ گرشیریں طرز اختیار کرتا ہے۔ خیالات وہی ہیں جو قدرتی طور پر انسان کے دل میں موجیں مارتے
 ہیں، جذبات کا ارتعاش اور کیفیت قلب کا اضطراب جو بالکل حقیقی ہے، ہر شعر سے ظاہر ہے۔ تہید کے چند شعرا
 پر قناعت کی جاتی ہے۔

شہر پر فتنہ و پر مغوغاست
 دیر شد دیر کہ خورشید فلک رے نمود
 سید صمد جہاں بار نہ داد دست کجاست
 چیت امروز کہ خورشید جہاں ناپید است
 او نہ بر عادت خود رے نہاں کہ چہ است
 بار ندادنش امروز بر آں قول گواست
 تا چگونہ است ہش ہست کہ دلمہا در ہست
 مرد می کن کن ایں کاڑ کہ ایں کار نہاست
 تا در آئیم و سلایم بکنیم آرتہا نہاست
 خود گو برگ نوشیدن آیں حال کراست
 کہ جہاں آں کہ جہاں صدیک از ان و جد است
 دامن عیب بفضیلت و بیک رہہ بر عاست
 کا فرینش ہمہ در سلسلہ بند قضا است
 گر تو گوئی کہ زمین در گزراں سود است
 اہل از بار خداے اہل اندر نہ گزشت
 آفریدہ چہ کند گز نہ کشد بار قضا
 اہل از بار خداے اہل اندر نہ گزشت

اسی طرح جب بحث و استدلال کی کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے، وہ اسی سادہ روش سے کام لیتا ہے۔

ذیل میں تقدیر انزیدی کی ہمہ گیری اور انسانی مجبوری کے مسئلہ پر گرم سخن ہے۔

اگر محو حالِ جہانیاں نہ قصاست
چرا مجا رہے احوالِ برخلافِ قصاست
بلے قصاست بہر نیک بد عنانِ کش خلق
بداں دلیل کہ بدسیر ہائے جملہ خطاست
منزل نقش بر آرد زمانہ و نہ بود
یکے چناں کہ در آئینہ تصور راست
کے زچون و چرا دم نمی تواند زد
کہ نقشند حوادثِ در لے چون چراست
بدستِ ماچوازیں حل و عقد چیزے نیست
بعیش ناغوش و خوش گریضا دہیم سزاست
آئندہ ابیات میں آفتاب غروب ہونے، رات آنے اور سائے نکلنے کا ذکر ہے، اور خلاف معمول تشبیہات

سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔

نماز شام ز صحنِ فلک نمود مرا
عروسِ سپرخ کہ بہ ہفت رے در جاؤ
بداں صفت کہ شود غرق کشتی زریں
بطرفِ دریا چو بگستہ شد از دلسنگر
بگردِ گنبدِ خضر اچناں نمود شفق
کہ گردِ خمیہ مینا کشیدہ شمع ز زر
ستارگاں ہمہ چون لعلبانِ سیم اندام
بسوگِ مہر بر آئندہ نیلگوںِ محبہ
بناتِ نقشِ ہی گشت گردِ قطب چناں
کہ گردِ حقہ سپر زہ گوہریں زیور
بداں مثال ہی تافت راہِ گاہ کشاں
کہ برنقشہ ستاں بر کشیدہ صفِ عبہ
ز تیغِ کوہِ تاباں بدینم شبِ پرویں
چناں کہ در فتحِ لاجورد ہفت درر
سپہر گشتی نقشِ نقشِ مانی گشت
کہ ہر زباں بنگار دھزار گونہ صور
ز برجِ جدی بت باید پیکر کیواں
بشکلِ شمع فروزندہ در میانِ شمر
ہی نمود درخشند مشتری در حوت
چناں کہ دیدہ خواہاں ز عنبریں مہر
ز طوفِ میزاں می تافت صورتِ مرتخ
چناں کہ عاشق و معشوق در نقابِ گمان
بہر صفت کہ مے لعلِ رنگ در ساغر
برسمِ لعبتِ بازاں سپہر آئینہ رنگ
بتافت تیر و زخانِ زہرہ از ہر
زماں زماں بہنودے عجائب دیگر ص ۱۸۱

سفر کے محاسن ۷

سفر مری مردست و آستانہ جاہ
سفر خزانہ مالست و اوستاد ہنر
دراں زمیں کہ تو در چشم خلق خوار شوی
سبک سفر کن ازاں جابر و بجائے دگر
درخت اگر تھرک شدے ز بجائے بجائے
نہ جو راہ کشیدے وئے بجائے تیر
بشہر خویش دروں بے خطر بود مردم
بکان خویش دروں بے بہا بود گوہر
بحرم خاک و فلک برنگاہ باید کرد
کہ این کجاست ز آرام دآں کجاست سفر ص ۲۱۴

دوستوں کی جدائی ۷

بد امن مژہ رفتن ز طرف خارے خس
بہ پلک چشم ستر دن ز روئے رخا رخا
ہزار لقمہ بدن داں بودن از دم شیر
ہزار عقدہ بدن داں کشودن از سر مار
بقعر چاہ فادان ز آسمان بلند
بفرق بردن از دشت جانب کسار
ازیں مخاطرہ گر صد ہزار آید پیش
بہ از جدائی یاراں ہزار بار ہزار ص ۲۱۴

غزل

انوری کے ہاں تغزل کا ذخیرہ سنائی سے بہتر حالت میں پایا جاتا ہے اگرچہ موخر الذکر کے ہاں تصوف کی چاشنی نے بعض حالات میں غزل کو زیادہ بافرہ بنا دیا ہے، انوری کے ہاں عشق محض ہی جس میں سوز و گداز کی تاثیر غالب ہے، اور ہم یہ جانتے ہیں کہ ایرانی ذہنیات کے نزدیک عشق کا اصلی سرمایہ سوز و گداز ہی، خمریت اور رندی کے مضامین صرف چند غزلوں میں نمودار ہیں۔ وہ تصوف کے کوچہ سے قطعاً نااہل ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ غزل کے نہال کو سعدی پر ان چڑھاتے ہیں لیکن ان سے پیشتر سنائی، انوری، خاقانی، عطار اور مولانا روم کی کوششوں نے اس کی آبیاری میں بڑا کام کیا ہے۔

میں انوری کی غزلوں کے بعض نمونہ صرف تاریخی دلچسپی کی خاطر دیتا ہوں، کیونکہ عرصہ ہوا ہم اس پایہ کے مذاق کو خیر باد کہہ چکے ہیں ۷

گر جان و دل بدست غم تو نہ دادے
پائے نشاط بر سر کیاں نہ دادے
گر بیم زلف پر حنم تو نیستی مرا
من کار ہائے بستہ خود کشادے
در بر سرم نوشتہ نبوے قضا کو تو
شہرے پراز تباں بہو چوں افتادے
گر بے تو خواست بود عمر کا شکے
ہرگز نہ بودے وز مادر نہ زادے

ص ۵۳۸

✱

بداں غم کم کہ دیگر رہ بہ بت خانہ کمر بندم
دل اندر وصل و ہجران بتے بیدا و گر بندم
برندی سر بر فرازم بہ بادہ سخن برافروزم
روہ منجانہ بر گیسرم در طامات بر بندم
گرم یارِ خراباتی بکیش خویش بفریبید
بزنا ریش کہ در ساعت چوا و زنا بر بندم

ص ۲۹۶

✱

تارخت دل اندر خم زلف تو نہ دادیم
بر رخ ز غم عشق تو غنا بہ کشادیم
در آرزوئے رویے تو از دست برفتیم
واندر طلبِ وصل تو از پائے فقادیم
تو سر بخداوندی مایںہ فرو دآر
در بندگی رویے تو چوں داد بدادیم
تا بستہ بند اجل خویش نہ گردیم
از بند غم عشق تو آزا دمب دادیم
نے نے بہ اجل ہم نہ ہم از غم عشقت
با عشق تو میریم کہ با عشق تو زادیم

ص ۲۹۲

✱

باز دوش آں صنم عشوہ فروش
شہرے از دلولہ آور د بچوش
صبح دم بود کہ می شد بوثاق
چوں پراندوش نہ بھیش نہ بھوش
دست بر کرن بشوخی از جیب
چادر افکندہ ز شنگی بردوش
لالہ از تابش مے پرویں پاش
زہرہ از بادِ سحر سنبل پوش
دامن از خواب کشاں در نرگس
دام دلہا زوہ از مرزنجوش
پیش کارش قدمے بادہ بدست
اویکے چنگ خوش اندر آن خوش

اے با شربتِ خوں کز عینِ او دوش گشت برآوازش نوش
روستانی بچہ شہرِ لبوخت کس دریں فتنہ نہ باشد خاموش

مست از درم درآمد دوش آں مہ تمام در بر گرفتہ جنگ و بکت برنماہ جام
گوئی کہ لعل ناب و عقیق گداختہ است در جام از عکس رخ او شراب جام
بہ نشست بر کنارِ من و بادہ نوش کرد آں ہاہ سر و قامت و آں سرکش خرام
با جنگ در کنار بد اندر کنت از من مخمور تا بصبح سپید از نماز شام
در گوشت نہ کس نہ بد آگہ ز حال ما زان عشرت بغایت و زان مستی تمام
نہ مطرب نہ سائی نہ یار نہ یار نہ حرفی اد بود، افودہ و منے لعل و اسلام

شعر اغزل کے قطع میں بالعموم اپنا تخلص لایا کرتے ہیں، یہ طریقہ سنائی اور انوری کے دور سے شروع ہوتا ہے۔

بدیہ گوئی اور بذلہ سنجی

انوری کی شہرت کا دار و مدار زیادہ تر اس کی بدیہ گوئی کے راز میں مضمر ہے، اس پر اگر اس کی لطیفہ خوانی اور بذلہ سنجی جن کے لئے اس کی موزوں طبیعت ہر وقت حاضر اور آمادہ تھی، اضافہ کی جائے تو اس کی غیر معمولی شخصیت کا جو علوم کے اضافی جواہر اسے آفتاب نصف النہار کی طرح ضیاء بار تھی کسی قدر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

یورپ میں موجود زمانہ میں *camp books* کا رواج ہے، جنہیں سفینہ یا بیاض کے نام سے پکارا جاسکتا ہے۔ شائقین اپنے احباب اور ملنے والوں سے کوئی نظم یا لطیفہ بطور یادگار اس میں لکھواتے ہیں۔ خواتین میں یہ شوق زیادہ ہوتا ہے، وہ ہر واقعہ ناواقف سے فرمائش کرتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انوری کے عہد میں بھی یہ دستور کسی حد تک جاری تھا۔ ایک دن وہ خواجہ فخری سے ملنے جاتا ہے خواجہ اپنا سفینہ دے کر

اس سے نظم کی فرمائش کرتا ہوں، انوری وہیں بیٹھا بیٹھا میں ابیات کا ایک قطعہ لکھ دیتا ہوں۔ میں یہاں بخون
طوالت قطعہ کے پہلے شعر اور آخری دو بیتوں پر قناعت کرتا ہوں ۷
اے برادر گمراہ از فتنہ بیرون آدے آدمی پس یا ملک یا دیو بودے یا پری

خواجہ فخری اے شامت بوجہ حکمت یافتہ گر حکمی زیر معانی زنگ ہاں تاناوری
آں چہ حالے در خیال آمد ہمیں ابیات بد کا ندریں محض بخل خوش نوشت انوری (ص ۵۸)
یورپ میں کسی سے ملنے جاتے ہیں تو اطلاع کی غرض سے کارڈ بھیج دیا جاتا ہوں۔ انوری ایسے موقعوں پر
اشعار سے کام لیتا تھا۔ میں ایک آدھ مثال یہاں درج کرتا ہوں ۷
اے خداوندے کہ از ایام اگر خواہی بیابی سبز نظیر خویش دیگر ہر چہ از خاطر بر آید
کمترین بند گانت انوری بر در ستادہ چوں حوادث باز گرد دیا چو اقبال اندر آید (ص ۶۷)

اے خاک رت سرمہ شدہ چشم دل را از بس کہ کف پائے تو بر خاک در آید
بر در گہ تو بندہ ستادہ ہست بخدمت دستوری توصیت رو دیا کہ در آید (ص ۶۶)
اس کی لطیفہ خوانی کی بعض مثالیں اس سے قبل دی جا چکی ہیں یہاں چند اور اصناف کی
جاتی ہیں۔

کمال الزماں، منجر کے عہد کا نہایت مشہور مغنی ہے۔ انوری نئے ڈھنگ سے اس کا مثنوی لکھتا ہے
ہر گز لگان مبر کہ کمال الزماں برد کو رنج محض بود جسم فنا پذیر
میدان کہ ساکنان فلک سیر گشتہ اند از مطرب زہرہ بریں چرخ گندہ پیر
خواہش گری بنزد کمال الزماں شنید کو بود در زمانہ دریں علم بے نظیر
گفتند زہرہ از فلک دور کردہ ایم اے رشک جان زہرہ بیا جائے دیگر (ص ۶۸)
ممالک اسلام میں محاسب کا فرض ہوتا ہے کہ علوم میں ظاہری بد اخلاقی اور کھلم کھلا بے حیائی کے جرائم

کا انرا ذکر ہے۔ اس قسم کے قانون شکنوں کو بغرض عبرت کسی چوک یا بازار میں سزا دی جاتی تھی۔ شعرا کے طبقہ میں محتسب ہمیشہ غیر ہر دل سنہرے رہا ہو اور وجہ ظاہر ہی کہ شعر اندہیب آزاد ہوتے ہیں اور محتسب مذہب کا حامی۔

انوری بازار میں ایک حسین عورت کو دیکھتا ہے جس کو محتسب کسی جرم کی پاداش میں سزا دے رہا تھو وہ واقعہ ذیل کے قطعہ میں منظوم ہوتا ہے۔

دست گرفته چوباز زن دے محتسبے براہ دیدم
نظارتہ بروز بام و بزن مہ روز نگے گرفته می زد
کاں چوب چرا زند براں زن پرسیدم از آن میاں یکے را
دیں نختے ست دوسپی زن گفتا زنگے ست دوسپی تن

پنج ارکان اسلام اور مسئلہ ابتہاج ہے
یکے پنج دوسپی در بیت نیے
چوزیں بگزشتہ و مطرب بے
تقاضاے صلہ ہے

و اگر قدرت بود فرسنگے چپند دآں گمہ لبوے صدر بحیری شاقم
گنہ از بندہ و عفو از خداوند لے آفتاب خواجہ چہ گویم چہ یافتم

صلہ نہ ملنے پر گلہ ہے
شعر تو خوب بندہ گوید
انعام نصیب غیر باشد
این رسم نو آمدہ است امسال

حسب طلب ہے
شد تے کہ حمد میں بوس تازہ کرد
در خدمت مبارک میمنت انوری
داکنوں پر آستانہ میمنت روز و شب
کش آستانہ باد پر از ماہ و مشتری

از لطفِ شالِ تو طمع دارد ای قدر
کاخرِ چہ نمی کنی و کجائی، پیرِ می خوری ص ۳۹
شراب یا سرکہ ۵

بزرگوارا دانی کز آفتِ نقرس
ز سرچہ ترشی من بنده می پیرِ ہیزم
شراب خواستم و سرکہ کمن دادی
کہ گر خورم بقیامت موصو بخینم
شراب دار تو آکس نہ کجاست تاقدح
بگوش و بینی آں قتلباں فردریم ص ۶۹
ایک شک جواب ۵

مرا پیام فرستی کہ من بہ پرشش تو
چو حشیم دارم بر من سلام چوں نہ کنی
کشند پائے بدامن دروں بے شعرا
چو دستِ بخشش از آتیں برون نہ کنی

اخلاقیات

اخلاقی تعلیم کا ذخیرہ اس میں شک نہیں، انوری کے ہاں کم ہی، لیکن جو کچھ ہو اس پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اثر میں بھی اس نے زبردست شخصیت کی مہر لگادی ہے، اور نئی روح پھونکنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا درس جو مذہبیت کے اثرات سے معری ہے اور نہ دوسرے شعرا کی طرح قومی یا ملکی رسوم و قیود کی روایات کا پابجولاں ہے، صرف انسانی آزادی، حرمت نفس اور خودداری کا نصب العین پیش کرتا ہے۔ انوری اس دبستان فکر کا موٹس ہے جسے ابن یمن نے اپنی نظموں میں بہت کچھ نشوونما اور ترقی دی ہے، لیکن جس کو ہماری مشرقی آب و ہوائ نے کبھی فروغ اور اشاعت کا موقع نہیں دیا۔ ابن یمن اس میں شک نہیں، اس موضوع کی نشر و اشاعت میں ایک بڑی حد تک انوری کا مہم بن منت ہے۔

انوری کہتا ہے کہ انسان کا اصلی لباس آزادی ہے، لیکن امید و بیم نے خلق کو خلق کا مسخر اور مقید کر دیا ہے۔ اپنے جیسے انسان کے پاس امید لے کر جانا اپنی عزت نفس کو خوار کرنا ہے، یا درگھو احسان اٹھانا کا ہش روح ہے۔ عذاب بڑا شدت کرنا یا جہنم میں پھنک دیا جانا سوال کی ذلت اٹھانے اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے

سے ہزار بار قابلِ تہجیح ہے۔

اپنی آنکھوں کے خون میں دٹی ڈبو کر کھانا دوسرے کے گھر سے سرکہ مانگ کر کھانے سے بہتر ہے۔ آدمی کو چاہیئے، دوسرے کا متوسل اور دستِ نگر نہ ہو، جو شخص کسی کا دستِ نگر نہیں ہے آدمی جو در نہ کس ادخس میں کچھ فرق نہیں۔ تم میں اگر دینے کی طاقت نہیں تو کچھ پروا نہیں لیکن کوشش کرو کہ نہ لینے کی طاقت برقرار رہے دوسرے کا احسان اٹھا کر اگر تم مالدار بھی ہو گئے تو کیا اس سے تمہیں دعائی نقصان نہیں پہنچے گا۔

آئینِ حکومت ہر قوم کا ذہنی و عقلی نصب العین رہا ہے اور ہر قوم نے اپنے اپنے ذہنیات کے مطابق اس کی حرمت اور تائید میں آرا کا اظہار کیا ہے، لیکن انوری نے انسانی آزادی اور استغنا کے اصول کو اس کو انتہائی مدایح تک پہنچاتے ہوئے اس آئین کو گدائی کے اقسام میں شامل کیا ہے۔ وہ گویا یہ کہ ”بادشاہی کیا ہے؟ گدائی ہے، پادشاہ ہر شخص کا محتاج ہے۔ اس کا سامانِ سلطنت، کیا تمہیں معلوم نہیں، کہاں سے آیا ہے؟ سنو! اُس کے گلے کے موتی ہمارے بچوں کے آنسو ہیں اور لعل و یاقوت ہمارے یتیمی کا خون ہے، وہ ہمارا پانی پیتا ہے اور ہماری روٹی کھاتا ہے، عشر اور خراج کیا ہے؟ گدائی ہے! کیا ایک چیز کے دس نام نہیں ہو سکتے؟ مختصر یہ کہ ہر قسم کی ضرورت گدائی ہے اور مانگنے والا عام اس سے کہ حضرت سلیمانؑ ہوں یا قارونؑ فقیر ہے۔

کسی کو دنیا بے شک طریقِ احسان ہے، لیکن نہ لینا اس سے بھی بڑا احسان ہے، اور مشکل بھی ہے۔ دینے میں جس قدر مروت ہے نہ لینے میں ہزار دو وجہ زیادہ مروت ہے خدا پر بھروسہ رکھو اور کسبِ حلال سے روزی پیدا کرو، جاہل صوفیوں کی طرح روزینہ دار نہ بنو۔

آدمی کو بے نیاز اور آزاد بنانے کے لئے انوری کی یہ تلقین ہے، اور اُس کا آخری قول ہے

آزادگی ستِ عِلّہٴ مردان و انوری
آں دستِ گاہ کو کہ من آزاد مردے

اور معاملات میں کہتا ہے کہ صبر و شکر اسی نعمتیں ہیں جو سلاطین کو بھی نصیب نہیں۔ جب ہمیں استغناء مل رہا ہے، جو ہماری ضروریات کو اکتفا کرتا ہے تو اس پر قانع رہنا چاہیئے، قناعت بہترین کمیاء ہے۔ تمہارے

پاس اوصاف اضافی مثلاً دولت و مال نہوں تو کوئی مضائقہ نہیں، کوشش کرو کہ تمہارے طبعی اوصاف یعنی اخلاق درست ہوں۔ تمہارا سلوک بنی فروع کے ساتھ ایسا ہو کہ وقت پر سب تمہارے رنج کو اپنا رنج سمجھیں۔ دو باتوں میں سے ہمیں ایک کام کرنا چاہیئے یا دوسروں کو فائدہ پہنچائیں یا ان سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ میں اس کی اخلاقی شاعری کا نمونہ ناظرین کے سامنے پیش کروں۔

صفائی اخلاق ۷

صفہ رافش می بستند استادان چین	شہنشاہ معنے اکبریں خوشتر حدیث شنیدی
اوستائے نیمہ را کرد ہموچوں آئینہ	اوستائے نیمہ را کرد نقش مانوی
لے براور خوشین اصفہ دان بچناں	ہم بہ سقف نیک عالی ہم بہ بنیاد قوی
بالے ار آن نیمہ پر نقش نہ توانی شدن	جہد آں کن تا مگر آں نیمہ دیگر شوی

شاہی و گدائی ۷

آں شنیدستی کہ رونے زیر کے بالہو	گفت کیں ڈالی شہر ماگد اے بھارت
گفت چوں باشد گدا آں کہ کلاہش تکمہ	صد چہ مارا روز ہا بل سالہا برگ تو است
گفت لے ناداں غلط اینک از بجا کردہ	آں ہمہ برگ نوادانی کہ آہنا از کجاست؟
در و درو وارد طوقش اشک طفلان مست	لعل یا قوت تماش خون ایام شہامت
آں کہ تا آب سہو سوسہ از ما خواستہ است	گر بچوں تا مغز استخوانش نان ماست
خواستن گدہ است خواہی عشر خوانی خجالت	زاں کہ گردہ نام باشد یک حقیقت رواست
چوں گدائی چیز دیگر نیست جز خواہندگی	ہر کہ خواہد گر سلیمان ست و گرقاؤں گداست

رنج و راحت کی تے ثباتی ۷

در حدود رے یکے دیوانہ بود	روز و شب کردے بھوئے دشت گشت
در تموز و در بہار و در حنراں	سوئے بازار آمدے از سوئے دشت
گفتے لے آنا کہ عیش آمادہ اید	ہر زمانے زیر این زرینہ طشت

قاقم و سنجاب در سراچه چار
 گر شمارا بانوائی بد چہ شد
 راحت و هستی در پنج و نیستی
 حسن معاشرت ۵
 در جہاں بامردمانی کہ چون یاد گزشت
 کاستینہا در غم ادر کنند از آپ گرم
 سوال و طمع کی ذلت ۵
 بودن اندر عذاب چوں جبر جس
 بہترست از سوال کردن و طمع
 قناعت سبب بہتر کیمیا ہوس ۵
 کیمیا ئے ترا کنم تعلیم
 رد قناعت گزین کہ در عالم
 منت پذیری کے خلاف یقین ۵
 آلودہ منت کساں کم شو
 لے نفس برستہ قناعت شو
 تا بتوانی حذر کن از منت
 زین سود چہ سود اگر شود اکوئل
 در عالم تن چہ میکشی ہستی
 چنداں کہ مروت ست در دامن
 وقت کی قدر ۵
 روز را را نگاہ زدست مدہ
 تو زی و کتاں بگر ماہفت و ہشت
 در چہ مارا بے نوائی بد چہ گشت
 بر شما بگزشت و بر ما ہم گزشت
 ۶۰۳
 آن قدر عمر کے کیہ بد مردم آزاد مرد
 فی المثل گر بگزرد بد امن او باد سرد
 یاشدن در حجم چوں ابلیس
 دایمادن بہ پیش مرد خیس
 ۶۰۵
 کہ در اکسیر در صنعت نیت
 کیمیا ئے باز قناعت نیت
 تا یکشبہ در وفاق توان ست
 کا سجا ہمہ چہ نیک ازانت
 کیں منت غلق کا ہش جان ست
 در مایہ نفس عین نقصان ست
 چوں مرجع تو بعالم جان ست
 در ناستدن ہزار چندان ست
 ۶۲۲
 نیت امکان آنکہ باز رسد
 ۶۰۳

راحت میں شکر نہ کرنا اور تکلیف میں شکایت کرنا انصاف پسندی نہیں ہے

روزے کہ فلک جبہ درویش گرفتے از فضلہ زنبور برد و دوختے حبیب
 انکوں ہمہ شب منتظرم تا بغر و زند شمع کہ بہر خانہ چراغے ہند از غیب
 آن روز فلک را چو در اس شکر نہ گفتم امروز دریں زشت بود گر کنش عیب ص ۵۸۹
 یعنی پہلے میں اس قدر مال دار تھا کہ جب چاہتا تھا کہ روپ نہ ہوتی اور آفتاب غائب رہتا تو عمومی شمعیں جلا لیتا
 اب اس قدر غریب ہوں کہ گھر میں روشنی کے لیے چاند کا منتظر رہتا ہوں۔

خدا پر بھروسہ ہے

خدا کے کار چو بر بندہ فرد گیرد بہرچہ دست زند سنج دل بہمنزاید
 و گر بطبع شود زود نزد ہیچ خودے ز بہر چیزے خوار و نترند باز آید
 چو اعتقاد کند کر کشنیا بدخیر خدا کے قدرت والا کے خویش بنماید
 بدست بندہ زل و زعقد چیزے نیست خدا کے بندہ کا خدا کے بہکشاید ص ۶۴۴

کوئی واقعہ بیان کر کے اس کی استدلالی قوت کے اعتماد پر اخلاقی نتیجہ ترتیب دینا معلمین اخلاق کا پُرانا دستور رہا ہے۔ اس طریق میں وصف یہ ہے کہ مستمع پر اس قسم کی وضاحت کا، محض سرسری موعظت کے مقابلہ میں زیادہ اثر ہو گا، جس طرح ڈاکٹر کڑوی گولیوں کو شکر میں ملبوس کر کے ہیں آسانی سے کھلا دیتا ہے، اسی طرح معالج اخلاق ان فرضی قصوں کے ذریعہ سے پسند و موعظت کی تلخی کو قند و نبات بنا دیتا ہے، انوری کی تلقین میں یہ وصف زیادہ نمایاں ہے جیسا کہ گزشتہ امثال سے ظاہر ہے۔ یہاں ایک اور مثال دی جاتی ہے جو شاعری کی مذمت سے علاقہ رکھتی ہے۔

انوری کا شمار شعر کے آقا نیم ثلثہ میں کیا جاتا ہے لیکن باوصف اس کے وہ شاعری کا زبردست مخالف ہے۔ اس کی رائے میں شاعر کا پیشہ خاکروب کے پیشے سے بھی زیادہ ذلیل اور کشیف ہے وہ کہتا ہے میں نے ایک حلال خور سے دریافت کیا کہ بھائی ہمارا تمہارا پیشہ جیسا کچھ ہے معلوم ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے پیشہ میں کامیاب ہو اور میں ناکام ہوں خاکروب کہتا ہے کہ اس ناکامی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں تمہارے مقابلہ

میں زیادہ بالکمال ہوں، یا تم میرے مقابلہ میں بے ہنر ہو، اصلی وجہ قدر دانی ہی، میرے آقا کو میرے ہنر کی قدر ہی، اس لئے میرے کام کو رونق ہی، لیکن تمھارے آقا کو تمھارے کام کی کوئی قدر نہیں، وہ یہی سمجھتا ہے کہ تمھارا کام وہی معمولی ہی جو سدا سے ہوتا آیا ہے، پھر وہ یہ بھی خیال کرتا ہے کہ ان عام لوگوں کے کارنامہ بازی جنس کی طرح بالکل عام ہیں، اس لئے وہ کیوں قدر کرنے لگا۔ اس کو تمھاری کاوش جگر کی کیا خبر ہے۔

باکیے مرد کتنا سہمی گفتم دوش
توچہ دانی کہ زغب تو دم چوں خست
صنعت پیشہ ماہر دہمی دانی چیت
آں چہ تیر رو، دین چہ رو آہست
گفت از عیب خود از ہنر ما شناس
زیں کہ مار از چہ آتش از نے جہت
کار فرمائے دہ رونق کار من و تو
داند آں کس کہ دے با من تو بنشست
کار فرمائے مرا پایہ من معلوم ست
لاجرم کار من از بند تعاضہ رستہ است
باز چوں گا دخر اس از تو داز پایہ تو
کہ چنان ظن برد او کا بچہ تو ترتیب کنی
یا چنان داند کایں عمر سہریز علما
اوچہ داند کہ در ان شیوہ چہ خون بخیزد
آوردی ہم ز تو برتست کہ بر شاخ دخت
بوعلی اور فردوسی ۵

انوری ہر قبول خلق تا کنے ننگ شعر
راہ حکمت و قبول عامہ گو ہر گز مباح
رفت ہنگام غزل گفتن دگر سروی کن
را دیاں اگر می ہنگام گو ہر گز مباح
تاج حکمت بالباس عافیت باشد بپوش
جاں چو کال شد طراز جامہ گو ہر گز مباح
در کمال بوعلی نقصان فردوسی گیسر
ہر کجا آمد شفا شننامہ گو ہر گز مباح (مکتبہ قلمی)

شعر اور شرح ۵
کے کہ مدت سی سال شعر باطل گفت
خداے بر ہمہ کامیش داد پیر وزی

کنوں کے رے نہ جملہ درحقیقت شرع
 چہ اعتقاد کنی باز گیر دوش روزی
 برو کہ عاقل ازیں اختیار آں پسند
 کہ گشت تشہ نہ بنید زابر نوروزی
 ز شعر نقش تو آں بارہائے عار کشید
 کہ چوں ہلال بطفلی در آمدش کوزی
 ز شرع جان تو آں شعلہائے نور زند
 کہ تو بہر فلکے آفتابے افروزی
 تو رائے شرع بہ آخر بری ہی مخطا
 چو عین شعر بہ آخر بری سیا موزی ص ۳

جس وقت انوری کا آفتاب شاعری طلوع ہوا ہی خراسان کا سیاسی مطلع انتہائی تاریکی میں تھا اس دور انقلاب میں انسانی قیمت کا ساغر آلام و آزار اور شدید کی شراب لبریز تھا عنان حکومت غیر متدن اور وحشی اقوام کے ہاتھ میں چلی گئی تھی جن کے اوضاع و اطوار سب کے اوضاع و اطوار سے کم نہ تھے۔ پرنے درباروں کے چراغ گل کر دیئے گئے تھے، اُن کے بجائے ایسے دربار قائم ہوئے تھے جن کے راس لرزوا اکثر نوکاسہ اور نوکیسہ تھے۔ اُن کے مشاغل اور مذاق نہایت پستی کی حالت میں تھے۔ مذہبی کا قابل غرت پیشہ اجلات اور اراذل کے ہاتھ میں چلا گیا تھا، جن کے نزدیک ندیم اور مسخرہ ایک ہی معنی رکھتا تھا اہل علم و ادب کمال ہر طرف خوار پھرتے تھے اور کوئی پوچھتا کہ نہیں تھا، ہزرا لرزود اور مطربوں کی گرم باز تھی، انوری ان واقعات اور جذبات عصری کا موقع اپنی مختلف نظموں میں کافی وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ چنانچہ

اہل عصر کی بد تمیزی ہے

ربع مسکوں آدمی را بود دام و دو گوشت
 کس نبی داند کہ در آفاق انسانی کجاست
 دور دور خشک سال و قحط دین و دانشست
 چند گوئی فتح بابے کو دبارا فی کجاست
 من ترا بنام اندر حال صد بوجھل جہل
 گر مسلمانی تو تعین کن مسلمانے کجاست
 آسمان بیخ کمال از خاک عالم بر کشید
 تو زخمی زن کہ در من گنج لقصا کجاست
 خاک اطوفال گر غصے بہ وقت آمدہ است
 لے درغداد اعی چوں نوح طوفان کجاست ص ۶۱

منصبِ ندیمی کی توہیں ہے

نشاہدِ بہرِ آدابِ ندیمی
دگر برجان و دل ز رحمتِ نیاں
زباں کردنِ نظم و نثر جاری
ز خاطرِ کلمتہ ہائے بکر زادان
کہ باز آمد ہمہ کارِ ندیساں
بسیلے خوردن و دشنامِ دادن ص ۱۱
مسخروں اور مطربوں کی قدر اور علوم کی بے قدری ہے

ایموجوابہ مکن تا بتوانی طلبِ علم
تا در طلبِ اتب ہر روزہ منانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز
تا داد خود از ہر کس و ناکس بستانی

کمال کی کساد بازاری ہے

ہر کس کہ جگر خور و دہر دی ہنر آموخت
درد و در تیر گویشِ خونِ جگر خور
نزدیکِ کسانے کہ بصورتِ چو کئے اند
با صورتِ ایشان نفسے بر زن و بر خور
پیغامِ زنے آروہمہ اطلس و خروپوش
یا مسخرہ باش و ہمہ طوائفے شکر خور ص ۶۹
شعر کی بے قدری ہے

خاطرے چو آتشِ ہست و زبانی ہر چو آب
فکرتِ تیز و ذکا رنیک و شعرے بی خلل

اے دریغانیستِ ممدوحے سزاوارِ مدح
وے دریغانیستِ معشوتے سزاوارِ غزل ص ۶۹

مذکورہ بالا اشعار کی روشنی میں ہم اُن ایام کی اخلاقی پستی اور ابتداءل کا کسی قدر اندازہ لگا سکتے ہیں، ساتھ ہی انوری کے دلی جذبات کا حال بھی معلوم کر سکتے ہیں، ایسے خیالات کے مالک کو ہم کسی حالت میں دنیٰ الطبع مغایر مزاج اور تنگ ظرف نہیں کہہ سکتے۔ یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ مولانا شبلی کی نگاہ میں انوری کے اخلاق کا معیار نہایت پست ہے، اس کی مہاجات کی بنا پر مولانا نے اس کی نسبت ایک نہایت مذموم رائے قائم کی ہے لیکن اصل یہ ہے کہ ہجو اس کے ہاں ایک اتفاق ہے، اس کا اخلاقی معیار معاصرین ہی نہایت بلند تھا، بیس سال تک وہ ایک ثقہ، متین، اور سنجیدہ شاعر کی زندگی بسر کرتا ہے، لیکن معاش کی طرف سے ناکام رہتا ہے، اس لئے کہ اس کے اخلاقی تفوق نے اس کے اور اُس کے معاصرین کے درمیان

ایک وسیع خلیج پیدا کر دی تھی تھوڑہ یہ لازم معلوم کر لیتا ہے اور آئندہ کے لیے اپنے نصب العین میں تبدیلی کا عزم ہوتا ہے، چنانچہ کہتا ہے۔

چہ آبرو سے بغیر ایدم ز مع و غزل چرا باتش فکرت ہی بکا هم روح
بیاد بوک و کبریت سال برد ادم مرا خدا کے نہ دادست زندگانی کو مع
عنان طبع از پس کشیدہ خوا هم دشت اگر کشان نہ بنیم در قبول و مستوح
و گر عطا نہ دہندم بر ارم از پس مدح بلفظ جو دمار از سر جنس مسدوح ص ۶۳
یہ قرارداد اس کی اخلاقی بندشوں کی بہت سی گریں کھول دیتی ہے، اور مستقبل اُس میں وہی تغیر دکھاتا ہے جو عبید زاکانی بہ اقتضائے وقت و زمانہ انوری سے دو قرن بعد اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ یہ اخلاقی انقلاب آئندہ زندگی میں اس کو کامیابی کی شاہراہ پر لگا دیتا ہے۔

کلیات انوری طبع نول کشور

یہ ہمارے ملک کی بطنی ہی کہ باوجود فارسی زبان کی قدر اور ولج کے فارسی کتب کی طبع کا نظام ہمارے ہاں نہایت ناقص ہے۔ اس کے لیے ہم یورپ و ایران میں کافی بدنامی اٹھا چکے ہیں اور اٹھاتے ہیں، لیکن اب تک ہمیں فارسی کتابوں کا صحیح چھاپنا نہیں آیا۔ گزشتہ قرن میں کلکتہ، لکھنؤ، کانپور اور دہلی سے بلحاظ طباعت و صحت اعلیٰ معیار کی کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ مگر ہم نے ایک صدی بعد ترقی معکوس کی ہے اور یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہیں کہ موجود صدی میں کتاب ہی قدر زیادہ غلط چھپتی ہے جس قدر قرن ماضی میں صحیح چھپتی تھی۔

کلیات انوری شے پہلی مرتبہ تبریز میں ۱۲۶۶ھ میں چھپا تھا، دوسری مرتبہ لکھنؤ سے ۱۲۹۶ھ میں نو کشور پریس سے شائع ہوا، اسی اشاعت کی دوبارہ تجدید اسی مطبع سے ۱۲۹۶ھ میں ہوئی۔ منشی نو کشور کی پہلی اشاعت تبریزی نسخہ سے منقول ہے، نیز اس میں منشی برج موہن لال خلف

بابو بھاری لال متوطن دہلی کے ایک قلمی نسخہ سے بھی امداد لی گئی ہے۔ اس کلیات میں اہل مطبع ایک عجیب غلطی کے سکار ہو گئے ہیں۔ اس میں بعض ایسے قصائد بھی شامل کر لیے گئے ہیں جو انوری سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے اور نہ انوری کے وطن اور عہد میں لکھے گئے بلکہ ہندوستان میں۔

یہ قصائد جن کی تعداد آٹھ دس سے زیادہ نہیں ہے، سلطان شہنشاہ دین التمش ۶۶۳ھ و ۶۳۳ھ اور اس کے فرزند سلطان کن الدین فیروز کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی قدیم ہندی شاعر کی یادگار ہیں جو بجا نظر زمانہ امیر خسرو دہلوی سے مقدم ہے۔ اس عہد کے ہندی نثر ادب کا سراغ، اگرچہ کافی تعداد میں موجود تھے، بہت کم ملتا ہے، اس لیے میں اس غلطی کا جس نے ہمیں ہمارے وطن کے ایک نامعلوم الاسم مگر قدیم شاعر کا پتہ دیا، بڑی خوشی کے ساتھ خیر مقدم کرتا ہوں۔

اس قسم کی غلطی متاخرین کے ہاتھوں نہیں ہو سکتی، بلکہ قدیم زمانہ میں اس کی ہونے کی فہرست (کتب قلمی فارسی) برٹش میوزیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی انوری کے ایک کلیات میں یہی غلطی موجود ہے۔

ذیل میں ان قصائد کی ایک فہرست دے دی جاتی ہے، جو اس قدیم شاعر کی یادگار ہیں۔

(۱) فرخ عالم راز عالم آفرین آردہ اند زانکہ شہ را از خلیفہ آفرین آردہ اند

ناصر الاسلام مستنصر کہ طوق عرش ز آسمان رگدن اہل زمین آردہ اند ۱۳۳

قصیدہ ہذا شاعر نے اُس وقت لکھا ہے، جب سلطان شہنشاہ دین التمش کے پاس خلیفہ المستنصر

۶۲۳ھ و ۶۲۳ھ کا سفیر دہلی آتا ہے، اور اس کی آمد کی خوشی میں، تمام شہر میں آئیں بندی کی جاتی ہے۔

طبقات ناصری سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیر دوم ربیع الاول ۶۲۶ھ کو دہلی پہنچا ہے۔

قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تحائف میں پادشاہ کے لیے خلعت اور ایک تازی گھوڑا بھی تھا، طبقات

میں گھوڑے کا ذکر نہیں ہے۔

شادی عام ست فرہار میں کہ بہر شہر یار خلعت خاص امیر المومنین آردہ اند

خلعتے یارب چگونہ چوں عروس آراستہ راست بر بالائے شاہ راست آردہ اند

مرکبے کا نذر دوانی آبِ اماند رواں تا مگر بادِ صبار از زیریں آورده اند
 مرکبے زیریں مبارک، قطعے سیموینِ جنین از برائے نخلِ یزدان شمسِ دیا آورده اند
 حامیِ آفاق التمش کہ غم و حزنم آد گرد بر گرد جہاں حصنِ حصین آورده اند
 آئیں تبدی کا ذکر ذیل کے اشعار میں آتا ہے۔
 (۱) خسرو از رشک صورتِ ہما کہ بر ایوانِ شست چیں درابر دے نکورویانِ جہاں آورده اند
 صحنِ درگاہتِ بنزمتِ گلستانے شد کزو خار خاے درد دلِ خلد بریں آورده اند
 شہر را از شش جہت در زویر زور بستند قہا سر بر سپہر منتہیں آورده اند

(۲) ساقی بیا کہ وقتِ مہلِ روشن ست میدانِ خاک تیرہ کنوں سبز گلشن ست
 یہ قصیدہ غیاث الدین محمد شاہ کی تعریف میں ہے، چنانچہ
 عادل غیاث دیں کہ بیک تن گمہ وفا از ہر قصہ جانِ عدو صدمتیں ست
 فرماندہ زمانہ محمد شاہ آل کہ ملک از رائے او چور دے عروسانِ مین ست
 انوری کے عہد میں غیاث الدین گزے ہیں پہلا غیاث الدین محمد سلجوقی المتوفی ۵۵۴ھ دور
 غیاث الدین محمد غوری برادرِ معظم شہاب الدین غنی سیلیکن میں ان دونوں سے اعراض کر کے التمش کے
 فرزند غیاث الدین کے نام یہ قصیدہ مانتا ہوں۔ ذیل کے شعر میں سیرادر من ہندی الفاظ ہیں
 اور انہی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ
 خیز از مئے قدیم مرا سیر کن برطل بگزر ازین حدیث کہ یک سیر و یک مین ست
 انوری کا ان الفاظ سے واقف ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ صحیح لفظ التمش ہے جیسا کہ شعرِ ابن کور ہی نہ التمش جیسا عام طور پر مشہور ہے۔ ۲۔ مکانات پر نقاشی کا رواج ایران میں غزنوی
 اور سلجوقی دور میں عام تھا، اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ یہ رسم ہندوستان میں بھی آگئی تھی۔

(۳) باقی بیاربان کہ نور دز عالم ست
روزِ نختہ چوں رخِ شاہِ معظم ست

ص ۸۳

قصیدہ ہزارِ کن الدین فیروز بن سلطان شمس الدین التمش کی تعریف میں ہے چنانچہ شعر
فیروز شاہ کعبہ اقبالِ رکنِ دین
کز خاک پائے او اثر آبِ زمزم ست

ص ۸۴

(۴) افزود باز رونقِ ہر عمرِ سنار گل
چوں زیرِ یافتِ نالہ ہر عمرِ سنار گل

ص ۲۶۲

یہ قصیدہ بھی التمش کے فرزند غیاث الدین محمد کی مدح میں ہے اور اس کا نام موجود ہے۔

(۵) اے راستی کہ در دلِ لیلِ نہار یافت
مانا کہ ز اعتدالِ مزاجِ بہار یافت

ص ۸۱

یہ بھی رکن الدین فیروز مذکور الصدر کی ستائش میں ہے اور اس کا نام مذکور ہے۔

(۶) ایں منم کردیدہ یا قوتِ دالِ وزہام
بیدلاں را از سخنِ قوتِ دالِ وزہام

ص ۳۰۷

یہ بھی رکن الدین فیروز کے نام ہے۔

(۷) بیدلاں ار دئے تو آئینہ جاںِ مدہ است
وز لبِ دندانِ تیج لولو دم جاںِ مدہ است

ص ۸۷

یہ قصیدہ نظام الملک قوام الدین محمد ضیدی کی تعریف میں ہے جو شمس الدین التمش اور رکن الدین

فیروز شاہ کا وزیر رہا ہے۔ اس کا نام ان ابیات میں آتا ہے۔
 آصف ثانی نظام الملک دستور جہاں کز کمالِ کمکاری چون سیماں آمدہ است
 صاحبِ دل قوام الدین محمد کز شرف چون محمد زبۂ ترکیب ارکاں آمدہ است
 اس کا بنیادی ہونا اس شعر سے ظاہر ہے۔
 گوہرِ آلِ بنیدی دز کراستہائے تو مالکِ دنیا رشتہ ہر کو سخنِ دان آمدہ است
 شاعر اپنی ہندی نژادی کا ذکر یوں کرتا ہے۔
 مولد و منشا میں در خاک ہندوستان نظم و شرم میں کہ بر آفتاب اسان آمدہ است

(۸) صبحِ خیزاں کہ وصفِ آن خط و خد کردہ اند
 در رہِ فکرِ نوشتنِ جدید بید کردہ اند

یہ قصیدہ بھی نظام الملک بنیدی کی تعریف میں ہے، اور قصیدہ کے ذیل میں اس کا نام بھی موجود ہے۔

(۹) بغدادِ آدم ایں جامعِ بر یاد
 مگر شاہِ جہاں دادم دہداد

یہ قصیدہ کسی شخص کی شکایت میں لکھا گیا ہے، جس سے شاعر کا جھگڑا ہوتا ہے اور مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ شاعر نہایت غیظ کی حالت میں ہے، اور کہتا ہے کہ اگر بادشاہ نے میری فریاد نہیں سنی تو میں بغداد جاکر امیر المومنین کے دربار میں شکایت کی ہوؤں گا، اور اپنے آنسوؤں سے بغداد میں ایک نیا درجہ جاری کروں گا وہاں بھی سماعت نہیں ہوئی تو خانہ کعبہ جاکر اور پردہ کعبہ کیڑ کر خدا کے جناب میں فریاد دواؤں گی کروں گا۔ بعد میں گویا ہے کہ غالباً مجھے اس نہائی کارروائی پر عمل درآمد کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ ہمارا شاہ خود عادل و منصف ہے، اور وہ رکن الدین والدین ہے، یعنی رکن الدین فیروز۔

(۱۰) اے فخرِ ہمہ نژادِ آدم و سیدہ زنانِ عالم

قصیدہ ہذا کسی شہزادی کی تعریف میں ہے جس کا خطاب کرمیۃ النساء اور نام رضیۃ الدین ہے چنانچہ

سلطانت کرمیۃ النساء خواند شد ذات شریف تو مکرم
 راضی ز تو اے رضیۃ الدین حق درود و اجلال اکرم ص ۲۸۱
 بادشاہ سے اس کے تعلقات یوں بیان کیے گئے ہیں۔ ابیات

اقبال تو بر فروخت ہر روز از دولت خسرو معظم
 آں پادشہ کہ خسرواں را از ہیبت او فرو شود دم
 از ورود دعائے تو سحر گاہ (کذا) بنیاد بقائے اوست محکم ص ۲۸۲

رضیۃ الدین کی سرکار میں شعر کی آمد و رفت بھی تھی

در مح و ثنات شاعران را تشریف مصلات و خرم معلم ص ۲۸۲

میں ایک مدت تک اس قصیدہ کو سلطان رضیۃ الدین بنت سلطان شہل لدین التمش کی مح میں مانا
 رہا، لیکن افوری کے ایک قلمی کلیات میں جس سے گزشتہ بالا اسحاقی قصائد ترک کر دیے گئے ہیں، یہ قصیدہ
 داخل ہے اس شہادت کی بنا پر میں اپنے نظریہ سے دست کش ہو گیا ہوں اگرچہ مطمئن نہیں ہوں۔

شاعری

(از جناب محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی لے)

۳۔ اُردو عروض

موسوژور دین - تو سوائے نظم اور نثر کے کوئی تیسری صورت ہی نہیں؟
 پروفیسر - جی ہاں جو چیز نظم نہیں وہ نثر ہی جو نثر نہیں وہ نظم ہے۔
 م - ٹر — اچھا آدمی جو بولتا ہے وہ کیا چیز ہے؟

پرو — نثر -
 م - ٹر — ہائیں میں جب اپنے آدمی سے کہتا ہوں - انکول ! ذرا سپر لانا اور میرا کنوٹ دینا
 تو کیا یہ نثر ہوئی؟

پرو — جی ہاں -
 م - ٹر — ارے میاں سچ کہو یہ جو میں کچھ اوپر چالیں برس سے بولتا آیا ہوں یہ سب نثر تھی اور مجھے
 کانوں کاں خبر نہیں

Moliere : Le Bourgeois gentil homme
 Act - II. Sc. 4.

اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا یہ بات ہی اچھی کی لیکن اس سے زیادہ اچھی کی ایک اور بات ہی جسے سن کر لوگ موسوڑ و ردین سے کچھ کم حیران نہ ہونگے۔ وہ بات صرف اتنی ہی کہ جب۔ سے انسان کا گلہ اپنے سانچے میں اس طرح کی آوازیں ڈھالنے لگتا ہے جس کو زبان کہتے ہیں انسان نظم بولنے لگتا ہے اور جب تک سانس کے لسنگری ٹپ ٹپ کا تانا بندھا رہتا ہے آدمی نظم ہی بولتا رہتا ہے۔ لفظ وہ آواز ہے جو جی تلی ہو جس کا آواز چڑھاؤ ہمارے گلے کے سانچے نے سماج کی پسندیدگی کے بعد مقرر کر دیا ہو۔ اس قسم کی گلے کی ڈھالی کان کی تولی اور سماج کی کان پڑی آوازوں کے شیرازے کا نام زبان ہے۔ لیکن زبان محض الفاظ کا مجموعہ ہی نہیں ہے۔ اس میں ترتیب تنظیم اور عضونہدی ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ زبان ایک صوتی جسد ہے۔ آواز الفاظ کی صورت جموں کے پیکر میں ڈھلتی ہے۔ یہ ڈھلے ڈھلائے زندہ پُرزے ایک دوسرے سے جوڑ کھاتے ہیں اور ان کے آپس میں گتے جانے کے بعد طرح طرح کی ترکیبیں پیدا ہوتی ہیں اور اعضا کا کام دیتی ہیں۔ اس طرح زبان ایک جسم بن جاتی ہے۔ خیال کا بہاؤ اس جسد میں بجلی کی طرح دوڑ جاتا ہے۔ اُس میں جان ڈالتا اور مجموعی یکاگلت اور یک جہتی پیدا کر دیتا ہے۔

خیال ایک پانی کا سا بہاؤ ہے۔ اس بہاؤ کو زبان من و عن و ادانہیں کر سکتی۔ اس کی بہاؤ تصور نہیں بن سکتی آواز کے گلے میں انسانی گلے کا پھندا پڑا ہوا ہے اور یہ پھندا ایسا اٹل ہے کہ اس سے گلو خلاصی بظاہر ممکن نہیں۔ اس کا لاری کرشمہ یہ ہے کہ خیال کا بہاؤ جب زبان کی صورت اختیار کرتا ہے تو وہ بڑے سمندروں کا ناپید اکنار آسمانوں سے باتیں کرتا لہراؤ نہیں رہتا بلکہ ندیوں کی طرح کنارے ٹیلے اور چٹانیں اسے گھیر گھارتے ہیں اُس کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں اور خیال کی ندی کی سیج کا نشیب و فراز کج مچ پن ، روڑوں اور کوڑے کرکٹ میں اس کو متلا کر دیتا ہے ادبیات اور موسیقی کا یہ کام ہے کہ جہاں تک ہو سکے زبان کی صورت میں خیال کے بہاؤ کو کھس کھسی اور ادنیٰ عضونہدی ۔۔۔ کم منتظم اور بن منجھی ترکیبوں ۔۔۔ سے نجات دے اور جوں جوں کچھ (مستطیل) کی ارتقا ہوتی جائے زبان بھی اسی مناسبت سے انگریز پھلتی۔ اور پھولتی پھلتی۔ خیال کے اصلی بہاؤ کی سچی تصویر منبتی جائے۔

ماوے کے ذرات میں روح کی بجلی دوڑی ہوئی ہے اور اس وقت تک اُس کی کرنیں مادے میں سے پھوٹ کر نکل نہیں سکتیں جب تک مادے کو ابجھا اور صاف نہ کیا جائے۔ مادے کو قوانین کے علی شکنجے میں پھانسا اور طبع خدا داد کی مٹی میں ڈالا نہ جائے۔ خیال کی شعاعیں بھی اسی وقت آواز کے شعبوں میں سے پھوٹ نکلتی

ہیں کہ آواز پر جاننے والی قیود عائد کی جائیں۔ آرٹ (Art) کی ایسی خزانہ تیار کر دی جائے کہ صاف ستھرے اور
چلنے چلنے والے الفاظ اور سنجھی تنجائی شفاف ترکیبیں آسانی کے ساتھ دھل جائیں۔ صرف طبع خدا داد کی آواز کی گھر ہے۔
جہاں تک الفاظ کے ترنم کا تعلق ہے عروض کا یہ فریضہ ہے کہ بہ حیثیت ایک آرٹ کے ترنم کے اصلی نظری گرو دریافت کرے
اور ان کی روشنی میں اور ہدایت کے بہ موجب ترنم کے وہ سانچے تیار کرے اور تیار کرنے کے طریقے بتلا دے جن سے
خیال کے بہاؤ کے اصلی نقشے عین میں نہیں تو لگ بھگ ہی ادا ہو سکیں۔

ہر حرف موزونیت کا کم سے کم جز ہے۔ ترنم کی ایک پکھری ہے۔ الفاظ دو یا دو سے زیادہ حروف کی پکھریوں کے
پھول ہیں اور اسی لئے جسے شکر کہتے ہیں وہ بھی ایک موزوں کلام ہے۔ البتہ شکر کی موزون پر زیادہ قیدیں لگائی نہیں
جائیں۔ تاہم یہ ایک واقعہ ہے کہ خیال کے بہاؤ کو جب شعر والی شربت ہمارے موزونیت کے ساتھ ہی عموماً اور لطافت سے
ادا کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ شریں بھی الفاظ کی زیادہ جانچ پڑتال اور بندک بندا ہوتی ہے تو شعر کا نغمہ بلند ہوتا جاتا ہے
اور بعض خدا داد قلم اس کو نظم کے لگ بھگ کر دیتے ہیں۔ اگر اور بندشیں چست کر دی جائیں۔ زیادہ قیود لگا دی جائیں
تو پھر کلام کا ترنم اور بلند ہو جاتا ہے اور کلام کی وہ قسم نمودار ہوتی ہے جس کو عام اصطلاح میں نظم کہا جاتا ہے۔

خیال کے بہاؤ کو نظم کی صورت میں لانے کے لئے پہلی زبردست حد بندی تو یہ ہے کہ نظریں بے تحاشا یا سچ سمجھکر
جو بلا روک ٹوک الفاظ کا پل بانڈھا جاتا ہے۔ الفاظ کی ریل پل کر دی جاتی ہے اس کو ممنوع قرار دیا جائے۔ دوسری
حد بندی یہ کی جاتی ہے کہ گرامر (قواعد) کی قیود کے علاوہ تلفظ کے لحاظ سے کلام کے پارے پارے کئے جائیں اور کلام
کا ہر ایسا ٹکڑا ایک خاص صوتی قیمت پر چھٹا اترے۔ ہر پارے میں حروف کی تعداد بندی بندھائی ہو۔ ہر ٹکڑے میں
آوازیں یا مہندی عروضی اصطلاح میں ماترائیں گئی گئی ہوں۔ یہ عروض کا اساسی اصول ہے اور اس قید کے لگاتے ہی
نثر نظم ہو جاتی ہے یا یوں کہئے کہ نثر اور نظم میں امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔

نظم کی موزونیت کا پہلا اصول یہ ٹھیکر کہ الفاظ کی ایسی لڑیں تیار کی جائیں جو بطور خود علیحدہ علیحدہ ہوں۔
اور جن میں حروف کی تعداد معین ہو۔ ہر حرف جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے صوت کی ایک پکھری ہے۔ الف بے کا ہر
حرف نفی سے نفی سہری آواز ہے۔ حرف کو اگر آپ چاہیں تو عروضی اکائی کہہ سکتے ہیں۔ عروض میں ہر حرف ایک آواز۔
ایک ماترا مانا جائے گا اور اس ایک ماترا۔ ایک حرف کو مہندی اصطلاح میں لگہ کہا جائے گا۔ لگہ کے معنی عروضی

نقطہ نظر ہمیشہ سب سے چھوٹی آواز یا ایک ماترا کے لئے جائیں گے جب دو حرف دو لگے ل کر آوازیں تو ایسی دو حرفوں کی کہتی ہوئی آواز کو گرو پکاریں گے اور اس کو دو ماترا کے برابر سمجھا جائے گا۔ اور یہ دو حرفوں کی ملی جلی۔ ایک جان اور دو قالب والی آواز عرضی میدان میں سب سے بڑی آواز سمجھی جائے گی اس کی قیمت دو لگھ کے برابر تصور ہوگی۔

اُردو میں چاہے ایک لفظ میں کتنے ہی حرف ہوں اس کے لگھ اور گرو میں ٹکڑے ہو سکتے ہیں اس لگھ اور گرو کی نفیس دھار سے ہر لفظ کا جوڑ جوڑا اور بند بند بلا کسی استثنیٰ کے جدا ہو جاتا ہے۔ اس گرو کو ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے کہ حرف ہجائیں سے جہاں ایک حرف تنہا آواز دے وہ ایک ماترا۔ ایک لگھ ہے اور جہاں دو حرف مل کر آوازیں وہ دو لگھ دو ماترا کے برابر سمجھے جائیں اور ان کی گھلی ملی آواز کا نام گرو ہے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ الف۔ بے کے حرف پر زبر لگا دیا جائے تو ا۔ ب۔ ت سے لے کر ی تک سب حرف بول اٹھیں گے اور چوں کہ ہر حرف تنہا آواز دے گا لہذا ہر ایک لگھ ہے اور ایک ماترا کے مساوی ہے۔ اچھا اب ایک قدم آگے بڑھائیے اور الف (ا) اور بے (ب) کو ملا کر آب کا لفظ بنائیے۔ یہاں دو حرف مل کر آواز دے رہے ہیں لہذا یہ لفظ دو ماترا کے برابر ہے اور اس آواز کو گرو کہیں گے۔ اور آگے چلے اور ایک سہ حرفی لفظ۔ ابر۔ لیجئے۔ اس کا صحیح تلفظ کیجئے تو آب۔ ایک ملی جلی آواز نکلے گی اور۔ ر۔ ایک تنہا علیحدہ آواز ہو جائے گی۔ اس طرح اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے پہلا گرو اور پچھلا لگھ۔ ایک اور سہ حرفی لفظ ہے رباً اس کا تلفظ کرنے کے بعد (ر) اور بآ دو جدا جدا آوازیں پیدا ہوں گی۔ پہلی لگھ ہے اور دوسری گرو۔ اس طرح اُردو کے بڑے سے بڑے لفظ کے ٹکڑے جس میں کتنے ہی حرف ہوں لگھ اور گرو میں ہو جائیں گے۔ سمجھدار۔ س لگھ۔ مجھ گرو۔ وا گرو۔ ر لگھ۔ سمجھوتا۔ سم۔ جھو۔ تاتینوں کے تینوں گرو۔

اس وضاحت کے بعد عروض کا پہلا موزونیت کا اصول اب یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ کلام کے ہر ٹکڑے یا بہ اصطلاح عروض مصرع میں حروف گنے ہوئے۔ پنے تھے ہونے چاہئیں۔ مگر یہ موزونیت کا ایسا عام اصول ہے کہ اس کے ڈانڈے نثر سے ملے ہوئے ہیں۔ اور لطف اس اصول میں یہ ہے کہ اس سے نثر اور نظم کے ترنم میں فطری تصدیق ثابت ہوتا ہے اور نثر اور نظم میں بہت کم فرق رہ جاتا ہے۔ ایک واقعی سرسلاشت اسی محض اس اصول کے تحت مصرعوں

کو نشر ہونے سے بچا سکتا ہے۔ لہذا ضرورت تھی کہ کچھ اور قیدیں ایسی لگائی جائیں جن کی وجہ سے نظم اور نشر میں زیادہ امتیاز ہو جائے اور شاہ کو نظم والا ترنم پیدا کرنے میں مدد ملے۔ اس میں ایک تو بشرام یعنی ٹھیراؤ کی سنسٹرا اضافہ کی گئی دوسرے قافیہ کو بھی نظم کی ایک علامت گردانا گیا۔ بشرام اور قافیہ دونوں ترنم کو زیادہ کرتے ہیں اور اس مائیکرک موزونیت کے طریقے سے نظم میں جو ترنم پیدا ہوتا ہے اس کو محض نشر کے سرے پر سے کہیں زیادہ بالاتر اور دل فریب تر بنا دیتے ہیں۔ اب اس مائیکرک عروضی طریقے کے متعلق ایک دو مثالیں اوپر کے بیان کو واضح کر دیں گی۔

ذیل کی مثال کبیر کے ایک دوہے کا مصرع ہے۔

جا کے سر پر تو دھنی لاکھوں مول کرائے
اس کو لکھ اور گرد کے لحاظ سے یوں لکھ سکے ہیں۔



ہر گرو اور لکھ کے نیچے مائیکرک تعداد دکھانے کے لئے دو یا ایک کا ہندسہ لگا دیا گیا ہے 'نی' کے بعد دو لکیریں دی گئی ہیں یہ بشرام۔ ٹھیراؤ کی علامت ہے۔ جہاں جہاں نیچے دو کا ہندسہ ہے وہ آواز گرو ہے۔ جہاں ایک کا ہندسہ ہے وہ لکھ ہے۔ اب اس مصرع کے پہلے حصے کی مائیکرک بشرام تک گئے۔ ان کی تعداد (۱۳) ہے۔ بشرام کے بعد کے ہندسے جوڑیے تو (۱۱) ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ مصرع (۲۴) مائیکرک ہے اور اس میں تیرہویں مائیکرک پر بشرام ہے۔ اسی کے ساتھ کا مصرع ہے۔

سائیں تجھ سے باہر || کوڑی بھی نہ بجائے

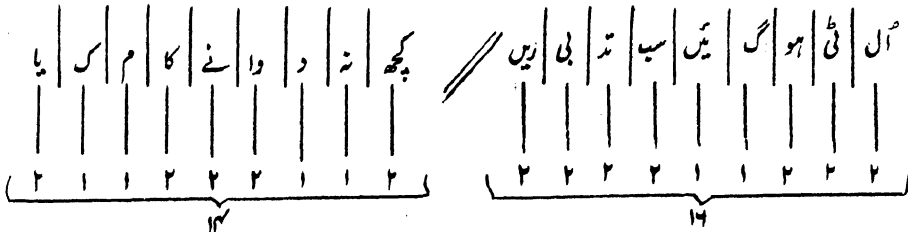
جا کے سر پر تو دھنی || لاکھوں مول کرائے

اگر اس شعر کو ایک سطر میں لکھ دیا جائے تو بھی بشرام اور قافیوں سے جن کے نیچے دو دو لکیریں کر دی گئی

ہیں، فوراً معلوم ہو جائے گا کہ یہ نظم ہی اس شعر کے سرے پرین کا تعلق پڑھنے سے ہے اور پڑھا بھی جائے تو اس طرح کہ اپنی روح کا نغمہ اس میں ڈال دیا جائے۔

ایک اور مثال سیر کی ایک مشہور غزل سے لیجئے جو مارتک چھند (بحر) میں ہے۔ اس مصرع کی مارتک تقطیع بھی یہی ہے ساتھ کر دی گئی ہے۔

اُلٹی ہو گئیں سب تیریں // کچھ نہ دوانے کام کیا



رین کے بعد بشرام ہے۔ پہلے حصے کے ہندسے جوڑے ۱۶۔ اور دوسرے حصے کے ۱۴۔ جملہ ۳۰ مائرا میں ہوئیں یہ مصرع ۳۰ مارتک کا ہے اور سولہویں مارتک پر بشرام ہے۔

یہ عروض کا مارتک طریقہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک شاعر مارتک بحر میں نظم لکھنی چاہتا ہے تو اس کو یہ کہاں سے اور کس طرح معلوم ہو کہ مارتک طریقے کی کتنی بحریں ہیں؟ اور پھر ان بحروں میں بشرام کہاں کہاں ہونا چاہیے؟ اول تو شاعر کو اس قسم کی فکر لاحق نہ ہوگی کیوں کہ اس کو کامل اختیار ہوگا کہ وہ ایک مائرا والی بحر سے لے کر قطعی چاہے اتنی مائراؤں کی بحر اپنے لئے قرار دے لے اور ساتھ ہی اسے اس کا بھی پورا حق ہوگا کہ اپنے کان کی ترنم والی ترازو کے لحاظ سے جس مائرا پر چلے بشرام رکھے۔ صرف اتنا یاد رہے کہ اگر شاعر کے کان نے اس کی پسند کی ہوئی مائراؤں والی بحر میں فطری صحیح بشرام کی ترازو دادیں مددیں دی تو اس کی نظم کا ترنم دل کش نہیں ہوگا اور اس کی محنت برباد کا رٹ جائے گی۔ ایسے کان والے شاعر کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ مسئلہ اور آزمودہ مارتک چھندوں (بحروں) کی کوئی فہرست دیکھ لے۔ تاکہ اس کو ان بحروں کی مائراؤں کی تعداد و بشرام کا مقام اور ان بحروں کے نام و ضابطہ سے آرویں قدر بگڑاویں جو ہم کی تو اعداد عروض کے پنگل والے حصے میں اور ہندی کی متعدد کتابوں میں ان مارتک چھندوں کی تفصیل مل جائے گی جو اب تک مسئلہ اور آزمودہ چلے آئے ہیں۔

معلوم ہو جائیں۔ ان نہرستوں میں وہی چند ملیں گے جواب تک ہندی شعرا کے ہاں سریلے ثابت ہوئے ہیں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ایک ہی ماترک بحر بشرام کے بدل دینے سے جدا گانہ شے ہو جاتی ہے اور بادی النظر میں بغیر ماترک گئے یہ کمنا مشکل ہو جاتا ہے کہ دونوں بحریں ماتراؤں کی تعداد کے لحاظ سے ایک ہی ہیں۔

میر کا مصرع ہے :-

اک ہو ک سی دل میں اُٹھتی ہے // اک در در جگر میں ہو تما ہے
۱۶ ۱۶

یہ ایک مصرع لیجئے۔

دھن تاک دھنا دھن // تاک دھنا دھن // تاک دھنا دھن // تاک دھنا دھن
۶ ۸ ۸ ۱۰

دونوں ۳۲ ماتراؤں کی بحریں ہیں۔ پہلے میں سولہویں پر بشرام ہے دوسرے میں دسویں اٹھارہویں اور چھبیسویں ماتراؤں پر بشرام ہے اور بشرام کی اس تبدیلی سے یہ دوسری قسم ایک لطیف ماترک بحر بن گئی ہے اور ترجمگی چھند کے نام سے مشہور ہے۔

ماترک طریقے پر جو کچھ اوپر گزرا ہے اس سے یہ چند باتیں واضح ہوتی ہیں :-

- (۱) عروضی موزونیت کا پہلا اصول یہ ہے کہ نظم کے ہر مصرع میں ماتراؤں کی ایک مقررہ تعداد ہو۔
- (۲) محض ماتراؤں کی تعداد سے نظم اور نثر میں امتیاز کم ہوتا ہے لہذا بشرام اور قافیہ کی قیدیں نہ صرف ضروری بلکہ فطری ہیں۔

(۳) الف بے کا ہر حرف تنہا ایک ماترک سمجھا جائے گا اور اس کا نام لکھ ہوگا۔ اور دو حروف جہاں مل کر آواز

دیں گے وہ دو ماترائیں سمجھ جائیں گے اور اس طرح کی جڑواں آواز کو گرو پکارا جائے گا۔

(۴) اردو میں خواہ کتنے ہی حروف والے الفاظ ہوں ان کے نگہ اور گرو میں آسانی سے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور یہ ٹکڑے تلفظ کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔

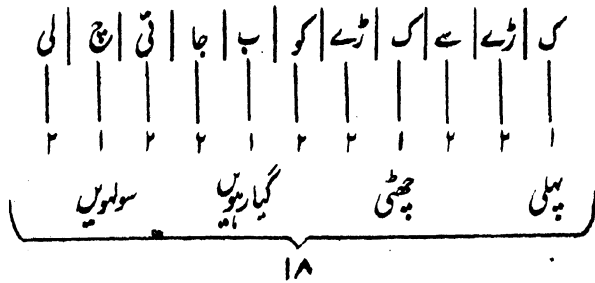
ان امور کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد ماترک طریقے میں کوئی دقت باقی نہیں رہتی اور قارئین کرام عروض کے دوسرے طریقے کی جانب متوجہ ہو سکتے ہیں۔

ماترک طریقے میں ہر مصرع کے لئے حروف یا ماتراؤں کی تعداد بندھی بندھاٹی ہوتی ہے۔ اور بشرام اور قافیہ سے کام لیا جاتا ہے۔ ماترک طریقے کی ان بندشوں پر اگر ایک اور قید زیادہ کر دی جائے تو عروض کا ایک دوسرا طریقہ ہاتھ آتا ہے اور ترنم کا ایک اور غیر محدود میدان کھل جاتا ہے۔

فرض کیجئے ایک اٹھارہ ماترا کا مصرع ہو اس میں ہم نے یہ قید لگا دی کہ ہم نرمی ماتراؤں کو ہی نہیں گنیں گے بلکہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ پہلی چھٹی، گیارہویں اور سولہویں ماترا لگھ ہو۔ یہ مصرع لیجئے۔

کڑے سے کڑے کو جب اتنی چلی

اس کی ماترک تقطیع یہ ہے:-



کل اٹھارہ ماترائیں ہیں اور پہلی چھٹی گیارہویں اور سولہویں ماترائیں لگھ ہیں۔ اس طریقے سے نظم کی قیود اور بندشوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ترنم بھی نیا رنگ و صنگ اختیار کر لیتا ہے اور نثر اور نظم میں اور بین الینا ز پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طریقے کو ہندی کی عروضی اصطلاح میں ورنک کہا جائے گا۔

عروضی موزونیت کے جانچنے کے دو طریقے ہیں مائرک اور وزنک اور یہ دونوں موزونیت کے عام اصول کے تحت ہیں صرف فرق اتنا ہی کہ وزنک طریقے میں ایک مزید قید عاید کی جاتی ہے اور اس محض ایک شرط کے زیادہ کر دینے کے بعد وزنک تقیض اگر مائرک طریقے ہی سے کی جائے تو بہت جھیلادہ رہتا اور ہر سحر کے لئے یہ بتانا پڑتا کہ فلاں فلاں مائرک لکھ چاہیے اس لئے وزنک طریقے کی تقیض کی اور سہل صورت نکالی گئی۔

قبل اس کے کہ وزنک تقیض سمجھائی جائے چند ابتدائی امور کا واضح کر دینا ضروری ہے لکھ اور گرو کی تفصیلی قارئین کے گوش گزار کر دی گئی ہے۔ اب صرف اتنا بتا دینا ہے کہ سہولت کی غرض سے لکھ اور گرو کی ہندی اور انگریزی میں ذیل کی علامتیں مقرر کر لی گئی ہیں۔ انگریزی میں لکھ کو (unaccented) اور گرو کو (Accented)

کہتے ہیں۔
(۱) لکھ (unaccented) ہندی انگریزی

(۲) گرو & Accented -

اس مضمون میں انگریزی علامتیں کام میں لائی جائیں گی اس لئے کہ یہ بہت ہی مختصر ہیں۔ دوسری بات یہ یاد رکھنی ہے کہ لکھ اور گرو کو الفاظ کے اجزایا محض اجزا کہا جائے گا اور جن کے معنی وہی ہونگے جو انگریزی میں syllable کے ہیں۔

ہر زبان میں لفظ مختلف اجزائے ہوتے ہیں اور یہی حال اردو کے الفاظ کا بھی بعض الفاظ اکھرے ہوتے ہیں ان میں ایک ہی جز ہوتا ہے عموماً گرو شا ذونا و در لکھ۔ بعض الفاظ دہرے بدن کے ہوتے ہیں ان میں بیشتر ایک لکھ اور ایک گرو یا دو گرو ہوتے ہیں۔ اسی طرح تین چار اور بعض بھاری بھر کم الفاظ پانچ اور چھ اجزائے ہوتے ہیں۔ اچھا اب دو اجزا والے الفاظ لیجئے اور یہ دیکھئے کہ ان میں لکھ اور گرو کی کتنی ترکیبیں ہوسکتی ہیں۔ اس کا آسان اور سائنسی فنک طریقہ یہ ہے۔

دو اجزا والے الفاظ میں پہلی قسم یہ فرض کر لیجئے (—) — دونوں جز گرو۔ اب دوسری قسم معلوم کرنے کے لئے ان دونوں گروں میں کے پہلے گرو کے نیچے لکھ لکھئے (—) اور دوسرے گرو کو جہنہ نقل کر دیجئے (— =) یہ دوسری قسم ہاتھ لگ گئی۔ تیسری قسم دریافت کرنے کے لئے دوسری قسم میں جو گرو ہے اس کے نیچے

لگے لکھے (۷ - ۶) اب سیدھے ہاتھ کی جانب جو اوپر والے لگھ کے نیچے جگہ پر وہاں گرو کی علامت بنا دیجئے۔
 (۷ - ۶) تیسری قسم مل گئی۔ اب چوتھی قسم معلوم کرنی ہے۔ تیسری قسم میں جو گرو ہے اس کے نیچے لگھ لکھا (۷ - ۶) اور اوپر والے لگھ کو جوں کا توں نقل کیا تو چوتھی قسم (۷ - ۶) ہاتھ آئی۔ اب چونکہ دونوں جز لگھ آگئے ہیں یہ عمل ختم ہو گیا اور ان چار قسموں کے سوا اب کسی قسم کی اور ترکیب دو اجزاء والے الفاظ میں ہو ہی نہیں سکتی۔ اس عمل میں یہ بات یاد رکھنی ہے کہ سیدھے ہاتھ کی جانب جو جگہ خالی ہے اس میں ہمیشہ گرو لکھا جائے گا اور اٹے ہاتھ پر سدا اوپر والا لگھ یا گرو نقل کیا جائے گا۔

حافظ کو بغیر کسی قسم کی زحمت دیے شخص آسانی کے ساتھ جب چاہے دو اجزاء والے الفاظ کی لگھ اور گرو کی ترکیبیں معلوم کر سکتا ہے۔ دو اجزاء والے الفاظ کی لگھ اور گرو کی یہ آمیزشیں حسب ذیل ہیں:-

Spondu

(۱) - - ... ف ن

Iamb

(۲) - ۷ ... ف ع

Trochee

(۳) - ۷ ... فاع

Dryhic

(۴) ۷ ... ف ع

ہندی میں ان دو اجزاء والی ترکیبوں کے لئے نہ تو کوئی انگریزی کی طرح نام ہیں اور نہ عربی کی طرح حروفِ علامت پہلی قسم کو ہندی عروض میں دو گرو اور دوسری قسم کو لگھ گرو، تیسری کو گرو لگھ اور چوتھی کو دو لگھ کہیں گے۔

دو اجزاء والی الفاظ کی ترکیبوں کے ذہن نشین ہونے کے بعد۔ اور یہ کوئی دشوار امر نہیں۔ اب تین اجزاء والے الفاظ کی لگھ گرو والی ترکیبیں معلوم کرنے کے لئے یہی عمل کیجئے۔

پہلے ایسے تین اجزاء والے الفاظ سے شروع کیجئے جن میں تینوں اجزاء گرو ہوں (- - -)۔ اب پہلے گرو کے نیچے لگھ لکھئے (- -) اور باقی کے دونوں گرو بجائے نقل کر دیجئے (- - -) اس دوسری قسم میں جو پہلا گرو ہے اس کے نیچے گرو لکھا (- - -) اور بقیہ گرو کو جوں کا توں اتار لیا (- - -)۔ سیدھی جانب جو ایک جز کی جگہ خالی ہے وہاں گرو لکھ دیا کیوں کہ جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے سیدھے ہاتھ کی طرف جو ایک یا زیادہ جگہیں خالی رہ جائیں وہاں ہمیشہ گرو لکھے جائیں گے تو اس طرح تیسری قسم یہ بنی (- - -) اب چوتھی قسم

معلوم کرنے کے لئے تیسری قسم کے پہلے گرو (Accent) کے نیچے لکھ آئے گا (v -) اور باقی کے اوپر والے اجزا کی نقل کی جائے گی (v -) تو چوتھی قسم مل جائے گی۔ اتنی وضاحت کے بعد قارئین کرام ایک آدھ منٹ میں اس عمل کو خود پورا کر سکتے ہیں۔ یہ عمل اس وقت ختم ہو جائے گا جب تینوں اجزا لگے (vvv) حاصل ہو جائیں۔ اس طرح تین اجزا والے الفاظ کی لگہ اور گرو کی آٹھ ترکیبیں ہو جاتی ہیں۔

ہندی

Maolossus	ماگانا	(۱) - - - مفعولن
Anti. Bacchie	بگنا	(۲) - - v - فعلن
Cretic	راگنا	(۳) - v - فاعلن
Anapaest	سنگنا	(۴) - v v - فاعلن
Bacchie	تاگانا	(۵) - - v - مفعول
Amphibrach	جگانا	(۶) - v - v - مفاع
Dactyl	بہاگنا	(۷) - v v - فاعل
Iambic	انگنا	(۸) - v v v - فاعل

اس سارے جھمیلے کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ ایک جزو والے الفاظ کی دو قسمیں ہونگی محض ایک لگہ والی یا ایک گرو والی۔ دو جزو والے الفاظ میں چار اور تین جزو والوں میں آٹھ۔ جملہ آٹھ چار اور دو چودہ۔ تین دو اور ایک جزو والے الفاظ کی ترکیبیں۔ لگہ اور گرو کے میل جول سے ہوتی ہیں۔

ان چودہ قسموں کو عروضی اصطلاح میں ارکان کہیں گے اور انھیں سے وزنک طریقے کی تقطیع میں کام لیا جائے گا۔ چار اور پانچ اور ان سے بھی زیادہ ارکان والے الفاظ بھی انھیں چودہ ارکان سے مرکب ہوئے ہیں۔ کثیر الاجزا ارکان بے ضرورت ہیں اس لئے کہ ان کی ساخت انھیں چودہ ارکان سے ہوتی ہے۔ مثلاً :

(۱) مفاعیلن (۲) مستفعلن

ان کی ساخت ان دو اجزا والے ارکان سے ہوئی ہے۔

(۱) ف عل	فغ لن	(۲) فغ لن	ف عل
۷ -	- -	- -	۷ -

چار یا پانچ یا ان سے زیادہ اجزا والے ارکان کی تعداد اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ عروض ایک بھول بھلیاں بن جاتی ہے۔ چونکہ کثیر الاجزا ارکان لعینہ تین سے زیادہ اجزا والے ارکان سب کے سب ان چودہ ارکان سے ہی بنتے ہیں اور ان کی زیادتی خواہ مخواہ سمجھنے اور پیچیدگی میں ڈال دیتی ہے لہذا رنگ تقطیع کا ہندی عروض کے مطابق یہ پہلا اصول ہو گا کہ تقطیع کے وقت کوئی رکن تین اجزائے زیادہ کا نہیں لیا جائے گا۔ چار اور پانچ یا اور زیادہ اجزا والے الفاظ میں سے صرف تین اجزا کو لے کر ایک رکن سمجھا جائے گا اور باقی کے جزا اجزا کو دوسرے رکن کا جز قرار دیا جائے گا۔ دوسرا اصول یہ ہو گا کہ تقطیع میں رکن محض ایک یا دو اجزا کا بھی قابل قبول ہو گا۔ تیسرا اصول یہ ہو گا کہ ایک ہی مصرع کی تقطیع میں ایک یا دو یا تین اجزا والے ارکان بے تکلف لے جائیں گے۔ چوتھا اصول یہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ ان چودہ ارکان کی روشنی میں تقطیع جن جن صورتوں میں ہو سکے وہ سب صورتیں درست ہوں گی۔

مثالوں کے بغیر یہ اصول سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ مبدس عالی کا مصرع ہے۔

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا

پہلے اصول کے مطابق اس کی سہ اجزائی تقطیع کرنی چاہئے۔

ک سی نے	یہ بق را	ط سے جا	کے پوچھا
۷ -	۷ -	۷ -	۷ -
ف عو لن	ف عو لن	ف عو لن	ف عو لن

اس کی دو اجزائی تقطیع یہ ہے۔

ک سی	نے	بق را	ط سے	جا کے	پوچھا
۷ -	۷ -	۷ -	۷ -	۷ -	۷ -
ف عو لن	ف عو لن	ف عو لن	ف عو لن	ف عو لن	ف عو لن

اسی کی ایک جزوالی تقطیع یہ ہوگی

گھ | گرد | گرد | گھ | گرد | گرد | گھ | گرد | گرد | گھ | گرد | گرد
ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن ن

یہ تقطیع تینوں طرح سے درست ہے جس کا جس ڈھنگ سے جی چاہے تقطیع کرے البتہ عام طور پر وہی طریقہ مستحسن ہوگا جس میں زیادہ سہولت ہو اور یہ طریقہ عموماً سہ اجزائی ہے۔ اس لئے پہلے تقطیع اصولاً سہ اجزائی ہونی چاہیے۔ بعض صورتوں میں دو جزوالی میں سہولت زیادہ ہوگی ایسی صورتوں میں دو اجزائی تقطیع مناسب ہوگی ذیل کی دو مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔
غالب کا مصرع ہے :-

دل سے تری نگاہ بگڑ گئی

سہ اجزائی تقطیع :-

دل سے ت | ری ن گا | ہ ج گر | تک ا تر | گ ی
مفعول | فاعل | فاعل | فاعل | فاعل
ن | ن | ن | ن | ن

دو اجزائی تقطیع :-

ن | ن | ن | ن | ن | ن | ن | ن | ن | ن | ن | ن
ن | ن | ن | ن | ن | ن | ن | ن | ن | ن | ن | ن

دونوں تقطیعوں کا نتیجہ ایک ہی ہے اس لئے دونوں صحیح۔ عملی سہولت اور تقطیع کو ایک عام اور بیشتر کارآمد اصول کے تحت لانے کے خیال سے سہ اجزائی کو ترجیح دی جانی مناسب ہے۔
جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے بعض بحر میں ایسی موجود ہیں یا ان چودہ ارکان سے آئندہ وضع ہوں گی جن کی تقطیع دو اجزائی زیادہ سہل ہوگی۔

نسیم غلامی وزد مگر ز جو سار ما

سہ اجزائی تقطیع

ن	سی	م	غل	د می	و زد	م	گر	ز جو	اے	بار	ہا
-	-	۷	-	۷	-	۷	-	۷	-	۷	-
مفاع	مفاع	فاطین	مفاع	مفاع	فاطین	مفاع	فاطین	مفاع	مفاع	مفاع	فغ

یا سہ اجزائی تقطیع دوسرے اصول کے مطابق یہ بھی ہو سکتی ہے:-

-	۷	-	۷	-	۷	-	۷	-	۷	-	۷
مفاع	فاطین	ن غل	مفاع	فاطین	ن غل	مفاع	فاطین	ن غل	مفاع	فاطین	ن غل

دو اجزائی تقطیع :-

ن	سی	م	غل	د می	و زد	م	گر	ز جو	اے	بار	ہا
-	-	۷	-	۷	-	۷	-	۷	-	۷	-
ن غل	ن غل	ن غل	ن غل	ن غل	ن غل	ن غل	ن غل	ن غل	ن غل	ن غل	ن غل

یہاں دوسری قسم کی سہ اجزائی اور دو اجزائی تقطیع مناسب ہے اس لئے کہ اس مصرع میں چوتھے رکن پر بشارم ہے اور ان دونوں تقطیعوں میں اس کا لحاظ رہتا ہے

نیم غل می و زد || مگر ز جو بار ہا

بشارم آواز کا ایک قدرتی پھیلاؤ سا ہوتا ہے اور اس سے بڑی بحر میں خواہ مائرک ہوں خواہ وزنک نہایت سُر پائین پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ ٹھیکر و مائرک اور وزنک دونوں عروضی طریقوں میں ایک دل فریب شے ہے اور اس پر آئندہ تفصیلی بحث کی جائے گی اس وقت اتنا بتا دیتا کافی ہے کہ موزوں کان بشرام کو فوراً معلوم کر لیتے ہیں اور یہ کہ وزنک بحر میں بشرام ہمیشہ اس طرح آتا ہے کہ عموماً مصرعوں کے دو یا دو سے زیادہ برابر کے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ لیکن مائرک بحر میں مصرع کو مساوی یا غیر مساوی۔ چھوٹے بڑے ٹکڑوں میں بھی جدا کر دیتا ہے مائرک بحر کی جو مثالیں گزر چکی ہیں وہ اس کی شاہد ہیں۔ اب وزنک طریقے میں بشرام کی کارستانی ملاحظہ ہو۔

دینہیں حرم نہیں ورنہیں استہان نہیں

اس کی تقطیع سے اجزائی جس میں دو یا ایک جزو اے ارکان دوسرے اور تیسرے اصول کے تحت بے تکلف لے جاسکتے ہیں یہ ہوگی۔

دے ر ن | یں ح م | ن یں | در ن یں | آ س تا | ن یں |
 فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل |
 فعل | فعل | فعل | فعل | فعل | فعل |

۶۳

بشرام کی توارنے دو برابر کے ٹکڑے کر دیئے ہیں
 دو اجزائی تقطیع بھی ملاحظہ ہو۔

فاع | فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل |
 فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل |

آئندہ مثالوں میں دو دو طرح کی تقطیع نہیں کی جائے گی۔ صرف وہی تقطیع پیش کی جائے گی جو راقم کے نزدیک زیادہ سہولت رکھتی ہے۔ لیکن اس اساسی اصول کو فراموش نہ کیا جائے کہ تقطیع ایک جزو والی ہو یا دو یا سہ اجزائی تینوں طرح صحیح ہے۔ عروضی یا شاعر سہولت اور بشرام کی مناسبت سے جو نسبی جی چاہے اختیار کرے غالب کی ایک مقبول غزل کا مصرع ہے :-

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا

تقطیع :-
 نہ تھی | چ یار | قسمت | کہ وصال | یار | ہو تا |
 فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل |

یہ سہ اجزائی تقطیع ہے اور بشرام کے لحاظ سے یہ کیا گیا ہے کہ دو ارکان سہ اجزائی اور ایک رکن دو اجزا والا رکھا ہے۔ بشرام نے یہاں بھی تسمہ تک لگانا نہیں رکھا۔ برابر کے جچے تے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں۔

مرگ مجنوں سے عقل گم ہو میسر

مرگ | مج | نوں سے عقل | ال گم | ہو | میر |
 فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل | فاع ل |

یہ سہ اجزائی تقطیع ہے اور آخر کار کن صرف ایک جز والا ہے اور چوں کہ مصرع چھوٹا ہی بشرام کی فطرتاً ضرورت نہیں۔

اقبال کے جدید بی رکن 'نغمہ ساربان حجاز' کا ترجیبی مصرع ہے۔

تیز ترک گام زن منزلِ مالدور نیست

تی ز ت	رک	م زن	من ز ل	ما دو	ر نیست
فَاعِلْ	فَعْلَنْ	فَعْلْ	فَاعِلْ	فَعْلَنْ	فَعْلْ

اس مصرع کے نصف اول میں پہلا رکن سہ اجزائی اور باقی کے دو دو اجزائی ہیں اور بشرام کے بعد کا

ٹکڑا بعینہ اس پہلے ٹکڑے کا جواب ہے۔

مومن کی مشہور غزل کا مصرع ہے۔

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو ہم	میں تم	میں ق را	ر تھا	ت میں یا	د ہو	کہ نہ یا	د ہو
فَاعِلْ	فَعْلْ	فَاعِلْ	فَعْلْ	فَاعِلْ	فَعْلْ	فَاعِلْ	فَعْلْ

اس مصرع کو بشرام نے چورنگ کر دیا ہے۔

اسی مثالیں کافی ہیں اور اب قارئین کرام خود آسانی سے تقطیع کر سکتے ہیں۔ مزید احتیاط کی غرض سے اس قدر

(۱) آخری رکن میں ایک لگھ زیادہ ہو جائے تو اس کو ساقط تصور کیا جائے گا۔

(۲) وزن غنہ بھی تقطیع میں حرف غلط تصور کیا جاتا ہے اور شاعر چاہے تو اسے ساقط قرار دے لے

(۳) ہائے ہوز واو اور یا جن الفاظ کے آخر میں ہوتے ہیں ان کے متعلق شاعر مجاز ہے کہ ان کو گھڑے یا گروٹھا کو، گھڑے بھی ہو سکتا ہے اور گرو بھی۔

(۴) اس معنوں میں قارئین کرام کے متعلق اتنا مان لیا گیا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ تقطیع سے واقفیت رکھتے ہیں اس لئے ان امور کا احتیاطاً نوٹ کے طور پر دیدینا کافی سمجھا گیا۔

دہر دینے لے جانے ہوگا کہ تقطیع محض لگے اور گرو کا تجزیہ ہی۔ ایک مصرع کے الفاظ کو خواہ ایک جز یا دو یا تین اجزا والے ارکان میں الگ الگ کیا جائے تقطیع ہر صورت میں درست ہوگی۔ لیکن عام طور پر سہولت اس میں ہوگی کہ تقطیع ہمیشہ سہ اجزائی ارکان میں کی جائے اور اگر ضرورت ہو۔ بشرام اس بات پر مجبور کرے۔ یا سہولت اس بات کی متقاضی ہو تو ایک ہی مصرع کے سہ اجزائی دو اجزائی اور ایک جز والے ارکان میں ٹکڑے ٹکڑے کرنا زیادہ سہل و واضح اور کارآمد ہوگا اور اصولاً یہی تقطیع زیادہ مستحسن تصور کی جائے گی۔ اور جو مثالیں گزری ہیں ان سے یہ بات بھی ظاہر ہو چکی ہے کہ جو بحر میں مروجہ عروض کے مطابق اردو شعر کے ہاں پائی جاتی ہیں ان سب کی تقطیع وزنک طریقے سے سہل اور سائنیقی ملک طور پر ہو جاتی ہے۔ موجودہ عروض کے دائروں کی بھول بھلیاں سے چھٹکارا مل جاتا ہے اور خصوصاً زحافات کی ریوڑی کے پھیر سے مطلق نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ اس بات کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کہ کسی بحر کا کوئی خاص نام رکھا جائے شاعر یا عروضی کو۔ اگر مازک بحر ہو تو مازکوں کا گن لینا اور بشرام کا قائم کر لینا کافی ہے اور اگر وزنک بحر ہو تو چودہ ارکان کی مدد سے اس بحر کی ایک جز والی یا دو یا سہ اجزائی تقطیع کر لینا اور ہر رکن کی لگے اور گرو کی ترکیب کا جانچ لینا کوئی دشوار امر نہیں۔ کیوں کہ ان چودہ ارکان کا حفظ کرنا بھی ضروری نہیں۔ ضرورت کے موقع پر اگر کسی رکن کا دھیان نہ رہے تو دم بھر میں ان ارکان کا نکال لینا اس طریقے سے جس کو تفصیل کے ساتھ ذہن نشین کر دیا گیا ہے ایک معمولی سی بات ہے۔

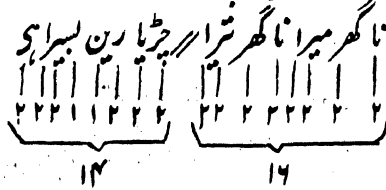
اب رہا یہ مسئلہ کہ نوخیز شاعر یا مبتدی عروضی کو وزنک بحریں کس طرح معلوم ہو سکیں گی۔ اس کا ایک تو اسی قسم کا جواب ہے جو پہلے مازک بحر کے متعلق دیا گیا ہے ان چودہ ارکان کو سامنے رکھ کر ہر شاعر کو اختیار ہوگا کہ جن جن ارکان کو پسند کرے ان میں سے محض ایک رکن کو ایک بار دو بار یا جتنے بار چاہے دہرا کر یا ان میں سے مختلف ارکان کے میل جول سے بے شمار بحریں اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے خود وضع کر لے جو لوگ اس قدر بہت کو نا مناسب سمجھیں ان کو موجودہ عروض اور نیگل کی کتابوں میں مسئلہ مازک اور وزنک بحر کی فہرستیں مل سکتی ہیں۔ ان میں سے شاعر اپنی مرضی کے مطابق بحر چن سکتے ہیں۔ علاوہ اس کے شعر کے کلیات طرح طرح کی بحر و محلی سے بھرے پڑے ہیں ان کے ہاں کی کسی عمدہ بحر کو لے کر طبع آزمائی کر سکتے ہیں۔ بحر میں خود ترنم کا فرق ہوتا ہے بعض بحریں کان کو ٹہکا اور دل کو موہ لیتی ہیں بعض بحریں چند آدمیوں کو سہاؤنی اور چند کو کم دل کش معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ ان چودہ ارکان سے جو بحر پیدا ہو سکتی ہیں وہ سب موزوں اور ترنم والی ہوں گی یہ اور بات ہے کہ سبوں کا ترنم کیساں طور پر ہر شخص

کے لئے دل آویز نہ ہو۔ اس مغالطہ میں بھی نہ پڑنا چاہیے کہ عربی عروض کی بحرین یا ننگ کے ماترک اور ورنک چند ان چودہ ارکان سے نہیں بن سکتے۔ نہیں یہ سب چیزیں انھیں ورنک ارکان اور ماترک اصول کے مطابق ہیں۔ انگریزی نظم کی تقطیع بھی انھیں ارکان سے ہوتی ہے۔ نوع انسان کی کسی زبان کی نظم ان اصول سے باہر نہیں۔

ہماری موجودہ عروض اور ننگ کی بحرین اگلے شعر کی آزمودہ ہیں اور بعد کے شعر نے ان بحروں اور چھندوں کو بزرگوں سے ورثہ میں پایا اور اپنے تجربے سے بھی ان کو سترایا اور کام کا سمجھا لہذا ہر دور میں ان بحروں کا ہی چرچا رہا اور انھیں میں شعر گوئی ہوتی رہی۔ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ عربی اور ہندی عروض کی پیچیدگیوں کے سلجھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ شعرا اور عروضی پرانی لکیر کو ہی پیٹتے رہے۔ خدا بھلا کرے قدامت پسندی کے رجحان کا اس جانب توجہ نہیں ہونے پائی کہ عربی عروض کو غیر فطری زحافات کی خرافات اور ننگ کو لالغی حسابی جھمیلوں اور چکرلوں سے پاک کیا جائے اور عروض کو سادہ اور سائنٹی فنک بنایا جائے۔ اس بات کو پھر جتلا دینا ضروری ہے کہ ہستی بحرین عربی عروض میں اور بے چند ماترک یا ورنک ننگ میں موجود ہیں وہ سب ان چودہ ارکان سے ہی وضع ہوئے ہیں اور بے گنتی بحرین ان سے نکل سکتی ہیں اور توقع ہے کہ عروض کے سلیجھ جانے کے بعد ضرور نکلیں گی۔ ایسی سادہ اور سلیجھی ہوئی عروض کے میدان میں شاعر آزاد ہو گا کہ چاہے مروجہ بحروں اور چھندوں میں سے اپنی نظموں کے لئے بحریں انتخاب کرے چاہے موزونیت کے اساسی اصول اور ان چودہ ارکان کے مطابق نئی نئی بحرین اپنی سرشت کے سر پیلے کی مناسبت سے خود اپنے لئے وضع کر لے۔ اگر شاعر کامیاب ہو اور اس کی وضع کی ہوئی جردوں نے دلوں کو فریفتہ کر لیا تو یہ بحرین بھی اردو عروض میں سہلہ اور مستند قرار دی جائیں گی۔

عروض کی پر لطف چیز بشرام ہے ننگ والوں نے اس کے سر پیلے کو خوب سمجھا اور ماترک اور ورنک دونوں طریقوں میں بشرام کو ترنم کی لازمی شرط گردانا۔ اس میں شک نہیں عربی عروض کی جردوں میں فطریاً بشرام موجود ہو گیوں کہ جہاں بحر نے زیادہ پیر پھیلایے جہاں مصرع طویل ہوا وہاں بشرام بغیر ترنم پیدا ہو ہی نہیں سکتا لیکن ہماری موجودہ عروض میں یہ انجان طور پر غفلت آیا اور موجود رہا۔ عروضیوں نے اس خصوصیت کو محسوس ضرور کیا ہو گا لیکن اس پر کسی قسم کا غور نہیں کیا۔ عروض کے موزونیت والے اصول میں اسے شمار نہیں کیا۔ یہ عرض کیا جا چکا ہے اور مثالوں سے واضح کر دیا گیا ہے کہ ماترک اور ورنک دونوں طریقوں میں بشرام ایک ترنم افزا قید ہے۔ بشرام

بڑی بھروں میں ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس موزونیت کی خصوصیت پر غور کرنے سے اس بات کا یقین پیدا ہوتا ہے کہ ایک مصرع کی ترنم کی لمبائی میں ایک یا ایک سے زیادہ نقطے ایسے ڈھونڈتی ہیں جہاں وہ اونچی ہو اور پھر نیچی ہو اور اس طرح اپنے میں لہراؤ پیدا کرے۔ اس مصرع کو پڑھئے۔



یہ تیس تاڑکی بھر ہی سولہویں پر بشرام ہے اسے اس طرح پڑھئے جس طرح نظم کو پڑھنا چاہیے گئے سے پڑھئے اپنی آواز کو اس طرح کے ترنم کے قالب میں ڈالے تو معلوم ہو گا کہ بشرام پر پہنچ کر آواز بلند ہوتی ہے جوں جوں بلند ہوتی جاتی ہے لطیف ہوتی اور سستی جاتی ہے اور آخر انتہائی نقطہ پر جا کر چڑیا کی آواز میں کھل مل جاتی ہے اور پھر نئے سرے سے آجھرتی اور پھلتی ہے، پھر انتہائی بلندی کو پہنچتی ہے اور اپنے ترنم کی پھٹکار کی کانوں کے پردوں کو لطیف چوٹ دے کر ہوا کے ذروں میں جذب ہو جاتی ہے یا جیسا کہ اب امید ہے کہ اردو میں مسلسل نظمیں لکھی جانے لگیں گی۔ یہ ترنم کی پھٹکار دوسرے مصرع میں جا پڑے گی اور اس کے نغمے کے ساتھ اس طرح ضم ہو جائے گی جس طرح ایک لہر دوسری لہر سے ہم آغوش ہو کر دوسری سے ایک جان ہو جاتی ہے۔

انگریزی عروض میں بشرام کو محسوس کیا گیا اور اس کو عروض کا جز قرار دیا گیا۔ چون کہ بشرام مصرع کے مساوی یا غیر مساوی ٹکڑے کر دیتا ہے۔ لہذا اس کا اصطلاحی نام سے *Caesura* (قاطع رکھا گیا۔ لیکن عام طور پر اسے *Pause*) یا ٹھیراؤ کہتے ہیں۔ ہر اچھے شاعر کے ان اس کی مثالیں ملتی ہیں شے لی (Shelly) نے اپنی نظم 'بادل' میں جہاں بشرام ہے وہاں قافیہ رکھا ہے۔

*I bring light shade // for the
leaves/
when laid/*

اردو میں سیدھے جانب سے لکھنے پر اس کی تقطیع یہ ہے۔

فعل فاعل || فعل فاعل || فعل فاعل
- ۷ | - ۷۷ || - ۷ | - ۷

اُردو داں حضرات کے واسطے واضح کرنے کی غرض سے اس پر یوں الفاظ بٹھا سکے ہیں۔

ضم جلا || مرا دل | جلا

ہمارے شعرا کے ہاں بہترام پر قافیہ لانے کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔ انگریزی کے شعرا میں سون برن Swinburne عروضی حیثیت سے اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس کی طویل بحر و والی نظمیں ہماری مارتک بحر و سے مل جاتی ہیں۔ اس کی نظم (Hesperia) کا مصرع ہے۔

but of the golden remote wild west // where the sea
without shore is

اس وزن پر اُردو میں الفاظ یوں بیٹھ سکے ہیں۔

آؤ جان پہاں کبھی || ہمیں تم سے گلا ہے
۱۳ ۱۰

بہترام ترنم کا ایک اساسی اصول ہے اور اس کو اُردو عروض کا ایک اہم اصول سمجھنا چاہیے۔ قافیہ کے متعلق اس سے قبل کے مضمون میں بہت کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ یہاں اس بات کو بتا دینا ہے کہ قافیہ ترنم کا ایک فطری جز ہے لیکن ایسا بھی جز نہیں کہ جس کے بغیر نظم ہو ہی نہ سکے۔ شاعر کا کام چلی ہی نہ سکے۔ قافیہ شاعر کا آفاتیس بلکہ شاعر کے ہاتھ میں ایک لطیف موسیقی کا آلہ ہے۔ انظم بے قافیہ بھی ہوتی ہے اور اگر شاعر قادر الکلام

ہی تو بشرام اور دیگر عروضی نکات کی مدد سے بے قافیہ نظم کو پھیکا، بزمزہ اور بے ترنم نہیں ہونے دیتا۔ انگریزی میں بے قافیہ نظم کے متعلق یہ ایک قاعدہ سا ہو گیا ہے کہ بے قافیہ نظم عموماً انگریزی عروض کی ایک لطیف اور مقبول عام بحر (iambic pentameter) میں لکھی جاتی ہے۔ اس بحر کو اردو میں فن عل پانچ بار کہا جائے گا۔

بشرام اور مصرعوں کے مختلف ارکان میں بشرام کی مدد و بدل ضروری ہے اور یہ بھی تسخن قرار دیا گیا ہے کہ جہاں مصرع ختم ہو وہاں جملہ کا ختم ہونا ضروری نہیں بلکہ جملہ دوسرے مصرع میں گتھ جائے اور ایک طرح کا شعر کا سلسل پیدا ہو جائے۔ ان قیود کے ساتھ کوئی واقعی شاعر بے قافیہ نظم سے بھی حیرت ناک ترنم پیدا کر سکتا ہے۔ ٹٹن کے یہ پونے دو مصرعے ملاحظہ ہوں۔

Him the / Almighty power
Hurled headlong flaming through the ethereal sky.

ٹیکسیر کی بے قافیہ والی نظم کی یہ مثال عجائبات بشرام غور کے قابل ہے۔

The poet's eye // in a fine / frenzy / rolling //
Doth glance / from Earth / to Heaven // from Heaven / to Earth,
And as / imagination / bodies forth //
The forms / of things / unknown // the poet's pen //
Turns them / to shapes // and gives / to airy nothings //
A local habitation and / a name.

موقع سے بشرا م کے آنے نے ترنم کو دوبالا کر دیا ہے اور یہاں اس جانب بھی توجہ دلا دینی ہے کہ فصل (Anapaest) کی بجائے (Trochee) اور (Fen Len) کے بدل دینے سے ترنم میں گونا گونی پیدا ہو گئی ہے۔ انگریزی عروض کا سب سے بڑا قانون اور ترنم کا لازمی ہے کہ ایک مصرع میں شاعر جہاں چاہے ایک جزو اے رکن کی جگہ دو اجزائی یا سہ اجزائی رکن بدل سکتا ہے اور اسی طرح دو اجزائی یا سہ اجزائی رکن کی جگہ ایک جزو اے سے کام لے سکتا ہے۔ اوپر کی شیکسپیر کے ہاں کی مثال میں ہر مصرع پانچ رکن کا ہے اور ہر رکن (Fen Len) ہونا چاہیے لیکن پہلے مصرع میں تیسرا رکن (Fen Len) اور چوتھا اور پانچواں (Fen Len) ہے۔ اسی طرح پانچویں مصرع میں پانچواں رکن (Fen Len) ہے۔ اردو عروض میں بھی یہ اصول فطرتاً موجود ہے اور اس کے تحت حسیا کہ ایک جگہ بتلایا گیا ہے شاعر چودہ ارکان میں سے چند ارکان کو چن کر جہیں بنا سکے گا اور اس بحر میں نظم کے دوران میں خیال کے بناؤ کی ضرورتوں کے لحاظ سے جس مصرع میں چاہے ارکان میں رد و بدل کرے۔

بے قافیہ نظم کے ضمن میں اتنا عرض کر دینا بے جا نہ ہو گا کہ اس قسم کی نظم سے ڈراما میں کام لیا جاتا ہے۔ جہاں اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے کہ مکالمہ نثر والی موزونیت سے دور نہ جا پڑے اور زیادہ لطیف ترنم آدمیوں کی اصلی بول چال سے اس کو بہت مغایر نہ کر دے۔ انگریزی شاعری میں بے قافیہ نظم سے لے پک میں بھی کام لیا گیا ہے اور ملٹن اور ٹی سٹن جیسے شعرا نے اس پر سریے پن اور کامیابی کی مہر ثبت کر دی ہے اس راقم کا خیال ہے کہ یوں تو ہر شاعر آزاد ہے کہ جہاں اور جس قسم کی چاہے بے قافیہ نظم میں گیت الاپنے لگے لیکن سوائے ڈراما کے اور صورتوں میں بے قافیہ نظم مستحسن نہیں۔ اردو میں اول تو اب ڈراما نثر میں ہونا چاہیے کیوں کہ ڈراما اصلیت کا زبردست چربا ہے اور اب ڈراما کا بڑا کام یہی ہے کہ انسانی سماج کے نہایت اچھے ہوئے مسائل کو سمجھائے۔ اور اس کام کے لئے صرف نثر اور وہ بھی ادبی فصاحت اور ترنم والی نثر ہی موزوں ہے۔ یوں اگر بے قافیہ نظم کی جانب توجہ ہو اور کوئی وجہ نہیں کہ اردو ادب میں بے قافیہ نظم کے نمونے نہ ہوں۔ تو بہتر یہ ہو گا کہ اس کے لئے کوئی خاص بحر مخصوص کر لی جائے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ اردو میں فنون پانچ بار بعینہ وہی کام دے گی جو انگریزی میں فن عل پانچ بار سے لیا جاتا ہے اس خصوص میں بحث زیادہ سودمند نہ ہوگی۔ یہ محض ایک مشورہ ہے اور اس سلسلے کے پہلے مضمون کے عنوان پر شیکسپیر کی اپورٹی مثال کا ترجمہ اسی بحر میں۔ فنون کو پانچ بار سے کہ تجربے کے طور پر بے قافیہ کیا گیا ہے۔ زیادہ سودمند بات یہ ہوگی

کہ موزوں طبیعت والے حضرات اس قبیل کے تجربے کریں اور کیا عجب ہی کہ کسی قابل دماغ کا سر لاپین بے قافیہ نظم کے لئے اس بحر پر مقبولیت کا سکھ ٹھہرے۔

اُردو عروض کے سلسلے میں اصنافِ سخن کا ذکر ناگزیر ہے۔ اُردو شاعری کے مضمون میں شاعری کی موجودہ اصناف کے متعلق کافی طور پر عرض کیا جا چکا ہے اور اس بات کا مشورہ دیا گیا ہے کہ مروجہ اصنافِ سخن کو بدردی کے ساتھ اُردو شاعری سے خارج کرنا مناسب ہے ان اصنافِ سخن کے ساتھ قافیہ کا استبدال پریشان گوئی کی ہلکت ایسی گتھ سی گئی ہے کہ ان سانچوں میں نظم کا لکھنا اور پھر قافیہ کی مطلق العنانی مقررہ پھرے الفاظ اور ترکیبوں کے جبر اور بے سلسلہ گفتار کے خواب پریشان سے شاعری کی لطیف اور حسین دنیا کو پاک و صاف رکھنا ناممکن نہ سہی تو بھی سخت دشوار ضرور ہے۔

اُردو میں لی رک شاعری کی بڑی کمی ہے اور لی رک جانِ شاعری ہے۔ لی رک کی دوز بردست خصوصیتیں ہیں۔ لی رک کا ترنم انتہائی ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ موسیقی سے جا بھڑے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ لی رک نظم کا لفظ لفظ احساس میں ڈوبا ہوا ہو اور جذبات کی بجلی سے تھرا تا تھراتا ہو۔ ترنم میں ڈوبے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ لی رک میں عروضی قیدیں زیادہ لگائی جائیں۔ لی رک کی بحر میں بشرام ضروری ہے اور قافیہ بھی اٹل ہے۔ اس پر ایک قید اور اضافہ کی جاتی ہے وہ یہ کہ لی رک کو بندوں میں تقسیم کیا جائے۔ ہر بند میں قوافی کی خاص ترتیب ہو اور۔ مصرعے یا برابر کے ہوں یا چھوٹے بڑے مگر مستحسن ہی ہے کہ ہوں ترتیب سے اور بشرام ہر مصرع میں اپنے اپنے موقع سے ہو۔ اسے خوب یاد رکھنا چاہیے کہ بند میں ہر مصرع کا مساوی ہونا ضروری نہیں ہے۔ بند کو بہ حیثیت مجموعی ایک ترنمی جذبہ تصور کیجئے۔ مصرعے چھوٹے ہوں یا بڑے قوافی کی ترتیب ہو یا نہ ہو بڑی شرط یہ ہے کہ کل مصرعوں اور قوافی میں ایسی عضو بندی ہو کہ بند کا بند گٹھا ہو اچست و رزشتی سڈول جسم بن جائے جس کے ہر عضو میں تناسب اور نغصے کی امنگ ہو۔ اس طرح ہر بند اپنی اپنی جگہ ایک مکمل جذبہ ہو کر خود اور بندوں سے یوں جوڑ دکھاتا جائے کہ پورائی رک ایک جی جاتی ترنم ریز بجلی بھری ہستی بن جائے جس کے منھ سے پھول جھڑیں اور ہر پھول۔ نہیں۔ ہر پھول کی ایک ایک ٹیکھری جذبات کے فوس و قفح والے رنگوں کی بہار دکھاتی ہو اور صداقت اور اصیلت کی باس میں اس قدر بسی ہوئی ہو کہ لوگ ان پھولوں کا لکھنا اپنی عقل کے لئے بنائیں اور ان کو اپنی روح کے حافظہ والے گلخان میں سجائیں۔

انگریزی شعر کے ہاں طرح طرح کے بندوں کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ اگر اردو کے شعرا خود بند وضع کرنے سے جی چرائیں تو انگریزی شعر کے کلیات میں سے اپنے مذاق کے مطابق بند چن سکتے ہیں۔ انگریزی شاعری میں نفیس نفیس اور آرمودہ بند آسانی سے ملتے ہیں اس لئے کہ انگریزی عروض نے اس بارے میں اپنے شعرا کو صدیوں سے آزادی دے رکھی ہے۔ لیکن بند کا وضع کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ بند دو مصرعوں کا ہو تو ظاہر ہے کہ اس میں کوئی دقت ہی نہیں ہوگی۔ قافیہ کا وجود بوسہ کی طرح دو مصرعوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا سب میں چھوٹا بند بیت ہے اور مثنوی گویا ابیات کی ایک لڑ ہوئی ہے۔ مثنوی بڑے کام کی چیز ہے اور اگر کبھری کبھری لڑیں نہ ہوں مصرعے اور ابیات خیال کے بہاؤ کے ساتھ ایک دوسرے میں ضم ہوتے جائیں تو مثنوی شاعری کی ایک کار آمد صنف بن جاتی ہے اور نظم میں قصے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی سا بچا نہیں۔ مثنوی کی بیتوں میں اگر مصرعے چھوٹے بڑے رکھے جائیں تو ترجمہ تو غالباً زیادہ ہو جائے لیکن قصے کے لئے جس قدر ترجمہ کی ضرورت ہے اس سے زیادہ یا کم ہوتے ہی بیان کے تسلسل کو صدمہ پہنچے گا۔

تین مصرعوں کے بند میں میدان زرا وسیع ہو جاتا ہے اور اس میں قوافی کی ترتیب ایک تو یہ ہو سکتی ہے کہ تینوں مصرعے ہم قافیہ ہوں یا یہ کہ کوئی سے دو ہم قافیہ ہوں پہلا اور دوسرا یا پہلا اور تیسرا یا دوسرا اور تیسرا۔ چار مصرعے والے بند یا اپنی پرانی اصطلاح کے مطابق رباعی میں بھی ترتیب قوافی گونا گوں ہو سکتی ہے ایک تو یہی ترتیب ہے کہ چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں یا یہ کہ پہلا دوسرا اور چوتھا ہم قافیہ ہوں رباعی کی ترتیب قوافی اس طرح سہولت سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)
الف	الف	الف	الف	—
الف	الف	ب	—	الف
الف	—	ب	—	الف
الف	الف	الف	الف	—

نمبر ۲ فارسی اور اردو کی رباعی کی عام ترتیب قوافی ہے۔ نمبر ۳ میں ٹی بی سن (Jennyson) کی

بہترین نظم ان سے موزیم (In memoriam) ہے

اس وقت رباعی کا ذکر آگیا ہے۔ اس لئے اس کے بارے میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آئی کہ رباعی کے لئے خاص بحر معین کی جائیں یا یہ کہ بحر میں مقرر کر لینے کے بعد ان کے سوا کسی بحر میں رباعی نہ لکھی جائے۔ رباعی کی چوبیس بحر میں سے بیشتر نہایت بھونڈی اور قلیل ترغم کی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ شاعریاں بھی آزاد رہے اور جس بحر میں چاہے رباعی لکھے۔ بے قافیہ نظم میں چون کہ قافیہ جو ترغم کے لئے ایک ضروری شے ہے نہیں ہوتا وہاں کسی ایک خوش آئیند بحر کا معین کرنا اس لئے لازم ہو جاتا ہے کہ بے قافیہ نظم پھسکی نہ پڑ جائے لیکن اگر زری عروض پھر بھی شاعر کو آزاد ہی رکھتی ہے جس بحر میں چاہے لکھے جب رباعی میں قافیہ ضروری ہے تو پھر کسی بحر یا بحر کا تعین ضروری نہیں رہتا۔

ہر رباعی کو ہمارے ہاں کے پریشاں گوئی کے رجحان نے جدا گانہ چہر بنا دیا ہے۔ کسی شاعر کی رباعیات کا مجموعہ لیجئے ہر رباعی ایک علیحدہ شے ہوگی ایک رباعی کو دوسری سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ سنون برن نے لاس وی نریس *Laus Venecis* میں دو رباعیوں کو ملا کر آٹھ مصرع والا لطیف بند اس طرح بنایا ہے۔

الف

الف

ب

الف

ج

ج

ب

ج

ہمارے ہاں رباعی میں عام طور پر جو تیسرا مصرع جدا گانہ ہوتا ہے اس کو دوسری رباعی کے تیسرے مصرعے کے ساتھ ہم قافیہ کر کے دو رباعیوں کو گونٹنا دیا ہے۔

شاعر جب جو مصرعی بند سے آگے بڑھے گا تو ترتیب توانی اور مصرعوں کو ترتیب وار یا بلا ترتیب چھوٹا بڑا رکھنے سے عجیب عجیب سرلی چیزیں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ لوگ نڈر ہو کر تجربے کے میدان میں قدم رکھیں

آزمائش کے طور پر نہیں لکھیں۔ یہ باطل ممکن ہے کہ پہلے پہل رطب و یابس بھونڈی بد مزہ نظموں کا ایک طوفان بنے تمیزی برپا ہو جائے لیکن رفتہ رفتہ خدا داد دماغ بعض بندوں کو اپنی شاعری اور ترنم کے جواہرات سے انمول بنادیں گے نئی راہوں کو شاہ راہ عام کر دیں گے۔

جی تو بہت چاہتا ہے کہ بعض قسم کے بندوں کا کچھ ذکر کیا جائے لیکن ان کی اردو مثالیں دنیا قریب قریب ناممکن ہے۔ جو اصول پیش نظر رہنا چاہیے وہ یہی ہے کہ شاعر اپنے خیالات اور اپنی روح کے نغمے کے مطابق بند وضع کرے جس وقت شاعر کے انجان کی گہرائیوں میں سے خیالات اور جذبات کنول کی کلیوں کی طرح لہراتے دماغ کے شعوری بہاؤ کی سطح پر آتے ہیں تخیل کے جان ڈلنے والے سانس سے کھٹکتے گتے ہیں تو شاعر کے دل میں ایک مہموم سا ترنم کسی بھولی ہوئی شے کی طرح پھرنے لگتا ہے اور شاعر اس کھوج میں پڑ جاتا ہے کہ ایک موزوں عروضی سانچے میں اس ترنم کو پوری طرح مقید کر لے جو دور سے اپنے دل فریب سہانے راگ سے روح کو بے چین ضرور کرتا ہے لیکن قابو میں نہیں آتا۔ ایسی صورت میں بہترین چیز یہی ہو سکتی ہے کہ شاعر کے سامنے بنے بنائے اور تجربہ بکے سانچے بھی موجود ہوں اور نئے سانچے بنانے کا ساز و سامان بھی میا ہو تاکہ وہ آسمانی ترنم جو اس کی روح کو مست اور کا پڑنے کے لئے بے تاب کر رہا ہے کسی موزوں سانچے میں بھوٹ پڑے۔ غلط سانچے میں پڑ کر کرخت اور بد مزہ نہ ہونے پائے۔ ادب کی ایک لطیف زندہ شے محض غلط سانچے اور انتخاب کی آزادی کے نہ ہونے سے ایک بھونڈی اور مردہ چیز کی صورت معرض وجود میں نہ آئے۔

یہی اردو عروض جو اس راقم کے خیال میں اردو کی سرشت، بوباس اور کینڈے کے لحاظ سے ہونی چاہیے اس کی بنیاد نیگل ہے اور اس میں عربی عروض کی وہ چیزیں جو اس کی جزو بدن ہو چکی ہیں جوں کی توں باقی رہتی ہیں۔ البتہ وہ چیزیں جو اردو کے معدے سے ہضم نہ ہو سکیں اور جن سے اردو شاعری میں ڈراؤنے اور پریشان خواب نمودار ہوئے ان کا شاعری کی تندرستی اور بھولنے پھلنے کی نیت سے تنقید کر دیا گیا ہے۔ انگریزی عروض کی وہ عام اصولی باتیں جو آزادی کی جان ہیں اور جو ایک آزاد اُگنے اور پھیلنے والی قوم کی تندرست زندگی کا لازمی پھل ہیں اردو عروض کے لئے اساسی امور قرار دی گئی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ 'ایجاد بندہ' بیشتر گندہ بھی ہوتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ زمانہ اس عروضی نظام کو جو

اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے، خشک باگندہ بروزہ، ثابت کرے لیکن راقم کا جی زمانہ کی اتنی عنایت چاہتا ہے کہ یہ عروضی اصول اور طریقے تجربے کی کٹھالی میں ڈالے جائیں اور پھر کھرے یا کھوٹے طے پائیں۔ یہ نہ ہو کہ بے تجربگی کے کھتے میں قدامت پسندی بغیر آزمائش کے پھکودے یا بلا جانچ پڑتال کے نسیان کی عمر عیار والی زمینیں کے حوالہ کر دے۔

محمد عظیمت اللہ خاں

جگت بھاشا

یورپ کی جگت بھاشاؤں پر ایک اجمالی تبصرہ

از جناب سید ولاح الدین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی

رسالہ اردو کے گزشتہ نمبر میں روین رولینڈ کے ایک مختصر مضمون کا ترجمہ درج کیا جا چکا ہے مضمون زیر بحث میں ان مختلف تحریکات پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے جو یورپ میں متاوقتاً وہ جگت بھاشا کی ترویج کے متعلق ہوتی ہیں۔ اسی ضمن میں ان عام اصولوں کا بھی بیان کیا گیا ہے جو جگت بھاشا کی ساخت میں پیش نظر ہونے چاہئیں۔

زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے جن وقتوں کا سامنا ہوتا ہے، اُن سے ہر شخص واقف ہے، اور آج سے نہیں بلکہ آغاز تمدن سے لے کر آج تک یہی وقتیں بدستور محسوس کی جا رہی ہیں۔ ایک تو زبانوں کی کثرت اور پھر ان میں سے ہر ایک کی مخصوص پیچیدگیاں یہ وہ رکاوٹیں ہیں جنہیں زبردست سے زبردست ماہر السنہ بھی دو نہیں کر سکتا۔ اگر عرفان فی کابیشتر حصہ صرف مختلف زبانیں حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیا جائے تو بھی معدوم ہے چند زبانوں پر قدرت ممکن ہے، اور زبانوں کی منت پذیری بدستور باقی رہتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تہذیب تمدن کی ترقی، اور سیاسی حالات کے اتار چڑھاؤ نے مختلف وقتوں میں ان وقتوں کو کسی قدر کم ضرور کر دیا تھا، اور یونانی، لاطینی، عربی اور انگریزی زبانوں میں سے ہر ایک باری باری سے دنیا کے وسیع قبوں پر مسلط رہ چکی ہیں اور شیوع خیالات میں کافی حصہ لے چکی ہیں، لیکن علمی زبانوں کی حد سے گزر کر عالمگیر زبان بننا ان میں سے کسی ایک کو نصیب نہ ہو سکا، اور ہوتا بھی کیسے؟ اگر ایک طرف زبانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا تو دوسری طرف قومیت کی روح بھی اندھ ہی اندر اپنا کام کرتی رہی، اور اس کا نتیجہ آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ بجائے اس کے کہ مختلف زبانیں

مرکز کی طرف رجوع کریں، اُس سے دو رد و پھیل رہی ہیں اور دنیا کی علمی زبانوں کی تعداد جتنی آج ہے اتنی پہلے کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ بجائے اس کے کہ دوسری زبانیں حاصل کر کے ان کے موتیوں کو رد و لا جائے آج وطن خواہی کا تقاضا یہ ہو گیا ہے کہ اپنی زبان کو مستعار سرمایہ سے مالا مال کیا جائے دوسری زبانوں میں اپنی علمی تحقیقات کا اظہار میسب سمجھا جاتا ہے۔ ایک زبان کے خزانے دوسری زبانوں کے لیے اسی طرح بند کے بند ہیں کبھی کبھی ترجمہ کی مدد سے اس خامی کو رفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن جب ترجمہ خود ہی تشنہ ہو تو تشنہ کا مانِ علم کی پیاس کیونکر بجھے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی عام زبان کو قبول کرنے یا بنانے کا مسئلہ روز بروز زیادہ اہم ہوتا جاتا ہے۔

اس مسئلے کے حل کی ایک بدیہی صورت تو یہ ہے کہ السنہ و وجہ میں سے کسی ایک کو جگت بھاشا بنا دیا جائے، اور بین الاقوامی خیالات کی ترجمانی اسی کے سپرد کر دی جائے لیکن وہ زبان کو کنسی ہو بہ کیا مردہ زبانوں میں سے کسی ایک کو قالب بدل کر دوبارہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، یا موجودہ زبانوں ہی میں سے کسی ایک کو جگت بھاشا کے منصب جلیلہ پر فائز کیا جائے۔ یہ دوسری صورت پہلی سے کہیں زیادہ دشوار ہے، سیاسی رقابتیں اور سماجی تعصبات اس بات کی کب اجازت دیں گے کہ کسی ایک زبان کے بولنے والوں کو دوسروں پر ناجائز فوقیت دی جائے۔

ہندوستان کا تو ذکر ہی کیا کہ جہاں ہر زبان، دوسری زبانوں سے بہ لحاظ رسم الخط، جملہ، و غیرہ الفاظ وغیرہ متباہن ہے، خود یورپ میں جہاں مختلف زبانیں آپس میں بہت کچھ مشابہ ہیں، کسی ایک زبان کا انتخاب زبردستی بین الاقوامی خطرہ خیال کیا جاتا ہے، اور اسی سبب سے ایک موقعہ پر یہ تحریک پیش کی گئی تھی کہ نائٹس کی زبان کو عام زبان بنایا جائے کیونکہ اول تو اس کی ساخت سادہ ہے، اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ یہ ایک چھوٹی سی قوم کی زبان ہو اور اس کے قبول کرنے میں سیاسی رقابتوں کا اندیشہ بہت کم رہ جاتا ہے !!

اب اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ خالص علمی خدمت کے جوش میں مختلف اقوام عام اپنی رقابتوں کو مہرِ پشت ڈال کر کسی ایک زبان کو متفقہ طور پر تسلیم کر لیں گی، تو بھی دوسروں کے لیے اس غیر زبان پر حقیقی معنوں میں حادی ہونا قریب قریب ناممکن ہے۔ فطری زبانوں میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جسے صحیح معنوں میں آسان کہا جاسکے۔ بلکہ یہ کہنا کہ سب فطری زبانیں یکساں طور پر مشکل ہیں، حقیقت سے زیادہ نزدیک ہوگا،

اگرچہ ان میں سے بعض اپنے پیچیدہ رسم الخط، اور غیر صوتی ہجاء کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ مشکل ہو گئی ہیں۔

فخری زبانوں کی وقت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان میں اظہار خیال کی پوری پوری صلاحیت نہیں پائی جاتی اور اس کی یہ وجہ ہے کہ ہر زبان کی ساخت اور ترکیبوں میں عقل اور استدلال کا حصہ بہت کم ہوتا ہے۔ زبان کا اہم ترین جزؤ ذخیرہ الفاظ، ہو اگر کتابے، اور ہر زبان میں سرمایہ الفاظ اکثر و بیشتر قیاسی و اعتباری ہوتا ہے، معدومے چند الفاظ کو چھوڑ کر، بہت کم لفظ ایسے ہوتے ہیں جن کے اصوات و معانی میں کوئی نسبت پائی جائے۔ کہنے کو تو قواعد و ضوابط بھی موجود ہیں، لیکن ان نام نہاد قواعد میں صحت انطباق کا بہت کم وجود ہوتا ہے بے ترتیبیاں، مستثنیات، تذکیر و تانیث کے جھگڑے بے قاعدہ، اور باقاعدہ الفاظ کا سوال یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ کسی جملے کو بحیثیت نمونے کے قبول کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ مذکورہ بالا خیالات کی روشنی میں 'جگت بھاشا' کے مسئلہ کا ایک حل یہ ہو سکتا ہے کہ کسی موجودہ زبان کو لے کر اُسے معقول اور باقاعدہ بنایا جائے، یعنی بجائے سماعتی اور قیاسی ترکیبوں کے، خاص اصول پر زبان کو مرتب کیا جائے اور غیر ضروری پیچیدگیوں کو دور کیا جائے، اس کی ایک سہل سی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کچھ الفاظ منتخب کر لیے جائیں، اور ان کا استعمال بحیثیت مادوں کے کیا جائے اور اشتقاق اور ترکیب سے ان مادوں سے نئے الفاظ بنائے جائیں۔ اگر اس طرح بنائے ہوئے الفاظ ضرورت سے زیادہ بڑے ہو جائیں تو اُس صورت میں مادوں کے اختصار پر غور کیا جاسکتا ہے، اور ایسی ترمیمات کی جاسکتی ہیں کہ الفاظ کے انوکھال اور معانی میں کوئی اقتباس نہ ہو، اور لفظ میں غیر ضروری پیچیدگیاں نہ پڑنے پائیں۔

یورپ میں جگت بھاشا کے متعلق جتنی تحریکات ہوئیں ان میں اسی قسم کے اصولوں پر عمل کیا گیا ہے، اب ہم ان تحریکات کی مختصر تاریخ و ریح ذیل کرتے ہیں۔

(Volapük)

(۱) ولاپک

یہ سب سے پہلی مصنوعی زبان ہے جس نے یورپ میں کامیابی حاصل کی۔ سب سے پہلے اس زبان کے متعلق مشہور میں ایک رسالہ شائع ہوا، اس کا مصنف جے۔ ایم شلیپر (Schleyer) جو ہنری کا ایک پادری تھا، اس سے پہلے ہی جگت بھاشا کے متعلق دو مصنفین اظہار خیال کر چکے تھے، ڈالگرنو (Dalgarno) نے ۱۷۹۱ء

میں اور وِکنس (Wilkins) نے ۱۶۶۸ء میں اپنے مختلف رسالے *Arb Syntorum* اور *The Real character* شائع کئے تھے، ان دونوں کی کوششیں معقولی و اصولی زبان مرتب کرنے کے بارے میں ہوئیں، لیکن کچھ تو اس وجہ سے کہ یہ لوگ علمِ اہستہ کے ماہر نہ تھے، اور کچھ اس سبب سے کہ دنیا اس قسم کی تحریکات کے لیے تیار نہ تھی، ان کی کوششیں اوصوری رہیں۔ وِلاپاک اپنے ان پیشرووں کے برخلاف ایک مستعار زبان تھی اور اس کے ذخیرہ الفاظ کا معنی بہ حصہ تو انگریزی سے ماخوذ ہے، اور بقیہ لاطینی، اور رومن زبان سے لے لیا گیا ہے، جو الفاظ مستعار لیے گئے ہیں اُن کو مختصر کر کے ایک ایک جزِ صوتی (*Syllable*) بنائی گئی ہیں، اور بعض اوقات اُن میں قیاس سے کام لے کر رد و بدل بھی کیا گیا ہے، چنانچہ یہ نام (*volapuck*) ہی دو انگریزی الفاظ (*World* = عالم) اور (*speak* بولنا) سے بنایا گیا ہے فاعل ظاہر کرنے کے لیے صرف مادہ لکھا جاتا ہے اور انگریزی قاعدے سے اُس کے آخری بڑھاکر جمع بناتے ہیں اسلئے صفت مادہ کے آخرین لاحقہ بڑھاکر بنائے جاتے ہیں۔ شمار کا اظہار حسب ذیل طریقہ پر ہوتا ہے،

فعل Love = Loff محبت کرنا

جمع	واحد
Loff-obs	Loff-ob متکلم
Loff ols	Loff ol حاضر
Loff oms	Loff om غائب

زمانے اور فعل کی مجمل حالتیں سابقوں سے ظاہر کی جاتی ہیں۔ ان تغیرات کی وجہ سے وِلاپاک کے افعال کی ۲۴۰ ہ مختلف اشکال ہو گئی ہیں، وِلاپاک کی اساس تو زبان انگریزی ہے لیکن اس کی ساخت تمام ترجموں سے صرف جرمن قواعد کی بے ترتیبیوں کو غائب کر دیا گیا ہے، ذیل میں اس زبان کا نمونہ اور اس کا انگریزی ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

Loffob Kernenis valiki vola loliki,
patiko etis pekulivob, Kels Konfidoms volapuke asbala

medas gletikun netasfetana

انگریزی ترجمہ

I love all my fellow creatures of the whole world specially those cultivated (ones) who believe in volapuk as (being) one of the greatest means of nation building.

دو زبردست اصول جو ولایک کی تاریخ کے مطالعہ سے مستنبط ہو سکتے ہیں حسب ذیل ہیں اول تو یہ کہ لوگ مصنوعی زبانیں قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو سکتے ہیں، اور دوسرا یہ کہ مصنوعی زبان فطری زبانوں کے مقابلہ میں زیادہ سہل الحصول ہے۔ علم اسنہ کے اعتبار سے اگرچہ ولایک میں زیادہ خوبیاں نہیں ہیں، پھر بھی اپنی ابتدا کے پہلے پانچ سال میں یہ فرانس میں اچھی طرح پھیل گئی، اور چند ہی سال میں تمام متقدم دنیا میں اس کا چرچا ہو گیا یہاں تک کہ جب اس زبان کی تیسری کانگریس پیرس میں ۱۸۸۹ء میں منعقد ہوئی تو اس وقت کل دنیا میں اس زبان کی (۲۸۳) انجمنیں تھیں اور اس کے طلباء کی تعداد دس لاکھ تک پہنچ گئی تھی جتنی کہ وہ خادم لمبی جو اس کانگریس کے موقع پر موجود تھے اسی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ لیکن بد قسمتی سے اسی سال آپس کے اختلافات کی وجہ سے اس تحریک کا خاتمہ ہو گیا یہاں تک کہ ۱۸۹۰ء میں معتقدین نے اپنا تعلق موجود سے بالکل توڑ ڈالا اور ایک جدید صدر کی نگرانی میں ایک دوسری ہی زبان (*Idiom neutral*) کی ترویج و اشاعت میں مشغول ہو گئے

Esperanto (۲) اسپرانتو

اس دوسری بین الاقوامی زبان کی ترویج کی پہلی کوشش ولایک کے سات سال بعد ۱۸۸۷ء میں کی گئی۔ اس کا موجد ایک روسی طبیب زامن ہون تھا جو بلاسنگ (دوس) میں ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا، باشندگان بوسنیا مختلف قومیت رکھتے ہیں، اور روسیوں، پولوں، جرمنوں اور یہودیوں کی ہمیشہ کی خانہ جنگیوں نے اس شخص کے

ذہن کو ایک عام زبان رائج کرنے کی طرف متوجہ کیا، اور قومی زبانوں کے بدلے میں قومی زبان کا رواج ہی اسے اتفاق و یکجہتی کا ذریعہ نظر آیا، پہلے اُس نے کسی مردہ زبان کو لے کر اُس کی از سر نو اشاعت کا خیال کیا، لیکن بعد کو یہ خیال جاتا رہا، اور جب اُس نے اپنی تحقیق سے یہ معلوم کیا کہ ہر زبان کا سرمایہ الفاظ علیحدہ اور غیر متعلقہ اور پُرمتل نہیں ہو کر تا بلکہ ان مادوں کی ایک مختصر سی تعداد سے بذریعہ اشتقاق و اخذ الفاظ بنائے جاتے ہیں، تو اس نے جدید اصولوں پر ایک علیحدہ اور مستقل زبان بنانے کا ارادہ کر لیا۔

سب سے پہلے اس نے یہ کوشش کی کہ اپنی زبان کے لیے علیحدہ ماقے بنائے، لیکن بالآخر یہ بھی دلائی کہ موجد کی طرح رائج الوقت زبانوں کے مادے متعارف لینے لگا، اور مشہور یورپین زبانوں کے مادے داخل کئے پہلے مختلف زبانوں کے مشترک الفاظ کو بچوں کے رد و بدل کے ساتھ داخل کیا گیا اور جہاں ایسے الفاظ نہ مل سکے وہاں لاطینی و فرانسیسی اور جرمن اور انگریزی زبانوں کے الفاظ لیے گئے۔ ادا میں حتی الوسع اصوات کا خاص خیال رکھا گیا۔ چنانچہ انگریزی لفظ *Right* کا ادا اسپرانٹو میں (*Rajt*) ہے۔ جرمن الفاظ کے انتخاب میں بین قومیت کے اصول کا زیادہ لحاظ نہیں کیا گیا، اور اکثر وہ الفاظ منتخب کئے گئے جو مخصوص طور پر جرمنی میں مستعمل ہیں، لیکن جرمن خاندان السنہ میں عام طور پر مستعمل نہیں ہیں چنانچہ *Drink* کے بدلے *Trink* رکھا گیا حالانکہ *Tr* کو *Ch* میں تبدیل کرنا صرف جرمنی کے لیے مخصوص ہے۔ مادوں کی تعداد کو حتی الامکان کم کیا گیا چنانچہ ایسے الفاظ صرف ۲ ہزار ۶ سو ۲۴ ہیں۔ یہ کمی حال کرنے کے لیے سابقوں کا استعمال آزادانہ کیا گیا ہے چنانچہ ہر لفظ کا عکس ظاہر کرنے کے لیے صرف اُس پر سابقہ *mal* بڑھادیا جاتا ہے چنانچہ *Good = Bona* کا اٹ *Bad = mal bona* ہے، اور *Amiko* = دوست کا اٹ *malamiko* دشمن ہے۔

قواعد کا کچھ حصہ تو دلائی کی طرح مستعار ہے اور کچھ متوجہ ہے، یعنی اصول فرض کر کے قواعد و قواعد نکالے گئے ہیں چنانچہ حروف علت کا، لفظ کے آخر میں استعمال اسی نوخر الذکر قسم کا ہے۔ لاحقہ *a* اسمائے صفت کے اظہار کے لیے اور - اسم ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً *Dear friend = Kar = a amik - o*

نقش ثانی ہونے کی حیثیت سے اس زبان کو اپنے پیش رو پر بہت کچھ تفوق حاصل ہے۔ نیز اس زبان کے حامی والپک کے افسوسناک انجام سے متنبہ ہو گئے ہیں اور تمام امور متنازعہ فیہ میں موجود کے فیصلہ کو ناطق تسلیم کرتے ہیں۔

(۳) ایڈیم نیوٹرل *Idiom neutral*

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ولاپک کانگریس میں اختلافات کی بنا پر، ڈاکٹر وزن برگر کی زیر صدارت ۱۸۹۳ء میں ایک علیحدہ انجمن قائم ہوئی تھی اور اس زبان کا پہلا رسالہ ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا۔ ولاپک اور اسپرانٹو کے برخلاف اس زبان کی ساخت میں زائد ترین بین قومیت قائم رکھنے کا اصول مد نظر رہا ہے۔ سات مشہور ترین زبانوں (یعنی انگریزی، فرانسیسی، اطالوی، روسی اور لاطینی) کے بغور مطالعہ سے یہ امر معلوم ہوا کہ فی الحقیقت بین قومی مادوں کی تعداد اتنی کم نہیں ہے جتنی کہ عام طور پر سمجھی جاتی ہے بہت سے مادے مثلاً *ندرتا* =

Three ایسے ہیں جو مشترک طور پر ساتوں میں پائے جاتے ہیں، اور اس زبان میں کوئی بھی مادہ ایسا نہیں شامل کیا گیا، جو کم از کم چار زبانوں میں مشترک نہ ہو، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسپرانٹو کے برخلاف جو مختلف زبانوں کا ایک مجموعہ مرکب ہے، اس زبان کے الفاظ میں رومانی، لاطینی خاندان السنہ کا سرمایہ زیادہ ہے، یعنی فرانسیسی اطالوی، یونانی اور لاطینی کے الفاظ، مثلاً ایڈیم نیوٹرل کے الفاظ (پرنڈ) *ornit* اور (دن) *Quirn* کسی فرید تشریح کے محتاج نہیں ہیں، حالانکہ اس پرانٹو کا لفظ پرنڈ *bird* صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو انگریزی سے واقف ہوں، علیٰ ہذا القیاس دن = *tag* صرف جرمن بولنے والوں کی سمجھ میں آسکتا ہے۔

اپنے پیشروں کے برخلاف اس زبان کی قواعد تا مگر مستعار ہے اور بعض بعض قواعد تو بجز اس کے کہ رومانی اور فرانسیسی کی گورانہ تقلید ہوں اور کچھ بھی نہیں ہیں، بہر حال یہ ضرور ہے کہ اب تک جتنی زبانیں عام بنائی گئیں ان سب میں یہ سہل ترین ہے اور یورپ کا ہر تعلیم یافتہ شخص اسے کچھ نہ کچھ سمجھ سکتا ہے۔ ذیل میں اس خط کا ایک حصہ درج کیا جاتا ہے جو نارفے کے ایک ڈاکٹر نے ایک روسی طبیب کو اس زبان میں لکھا تھا اور ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں کہ ایک ہندوستانی انگریزی داں کے لیے بھی اس زبان کا کسی قدر سمجھ لینا ممکن ہے۔

Idiom neutral es usable sole pro skribasion ma et pro parlaison', sikause in Kongres sekvant internasional de medisnisti ma av intension usar ist idiom pro mie rapport di maladitet "lupus" e me esper usar Kompreneded per omni medisnisti present"

اس عبارت میں اگر غور کیجیے تو حسب ذیل الفاظ اصلی طور پر یا خفیف اختلاف بجا کے ساتھ انگریزی میں (اور یورپ کی بیشتر زبانوں میں) مستعمل ہیں گے۔

usable = usable (۲) is = es (۱)

Congress = Kongres (۴) For = pro (۳)

medicnists = medisnisti (۵)

Intention = intension (۶)

Comprehended = Kompreneded (۷)

Idiom neutral ایڈیم نیوٹرل کی سب سے بڑی خواہی یہ ہے کہ اس کے قواعد میں دوسری زبانوں کے اصول تسلیم کئے گئے ہیں اور جہاں کہیں رو تبدیل کیا گیا ہے وہاں انہی اصولوں کے ساتھ کیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زبان کے قدیم اور جدید عناصر میں برابر کشش ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں لفظ *Scientific* اور *Siemtik* دوست اور گاڑی دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ لفظ *Scientific* اور *Siemtik* دونوں طریقوں پر لکھا جاتا ہے *filosofia* سے مراد فلسفہ بھی ہے اور فلاسفہ فلسفی کی جمع بھی۔

یہ ہے ان تحریکات کی ایک مختصر سی تالیف جو بھگت بھاشا کے متعلق یورپ میں ہوتی ہیں۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان تینوں کے موضوع اپنی زبانوں کے متعلق ہیں قومی ہونے کا دعویٰ کرتے رہے، چنانچہ

World-Speak 'volapuk' سے بنا، اسپرانٹو کے موجد نے اپنی تصنیف کا نام *Unoversal word = Universal vortora* لکھا، اور ایڈیم نیوٹرل کی انجمن کا نام *Akademie international de lingu universal* بجٹ بھاشا کی بین قومی مجلس، رکھا گیا، لیکن حقیقی معنوں میں بین قومیت کسی ایک میں بھی نہیں پائی جاتی۔ یہ اور بات ہے کہ بین الاقوامی سے مراد بین الاقوام اروپا، لی جاتی ہو۔ عربی، صینی، اور جاپانی بولنے والوں کے لیے یہ زبانیں معما ہیں۔ ایک اور بات یہ ہے کہ یہ زبانیں آزاد زبانیں نہیں ہیں، بلکہ دوسری زبانوں کے حق میں ان کی حیثیت کم و بیش مارا سستیں کی سی ہے۔ ان کا ذخیرہ الفاظ ہمیشہ تغیر پذیر رہتا ہے، اور آئے دن اُس میں اضافہ ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کے الفاظ کے معنی معین نہیں ہیں۔ اور آسانی سے غلط فہمی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

»»»

» بجٹ بھاشا کے لیے پہلی ضروری چیز یہ ہے کہ وہ آزادانہ قواعد پر مبنی ہو بغیر اس کے بین قومیت اور غیر جانبداری ناممکن ہے۔ کوئی قوم اس امر کو کس طرح روار کہہ سکتی ہے کہ اُس کے قواعد کو مسخ کیا جائے۔ ان تین تحریکات سے پہلے جو کوششیں کی گئیں وہ اسی قسم کی تھیں۔ لیکن علم السنہ سے ناواقفیت اُن کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ مصنوعی زبان بناتے وقت سب سے پہلے اس بات کا تصفیہ کرنا چاہیے کہ اُس میں کون کون سی اصوات داخل کی جائیں۔ یوں تو ہر شخص کے لیے سہل ترین اصوات خود اسی کے زبان کی ہیں، لیکن اس مسئلہ کا حل عملی صوتیات (*Practical phonetics*) کے اصولوں پر مبنی ہونا چاہیے۔ اُس کے بعد رسم الخط کا سوال آتا ہے جس کا حل اصوات کے مسئلہ کے حل پر منحصر ہے۔ قواعد میں کسی مروجہ زبان کی کورانہ تقلید نہ کی جائے بلکہ اُس کا انحصار اصول اولیہ پر ہونا چاہیے۔ ان اصولوں کی ترتیب کے وقت ہر زبان کے بہترین اور آسان ترین اجزاء قبول کئے جائیں لیکن ان پر اکتفا کرنا ضروری نہیں ہے۔ ذخیرہ الفاظ کا سوال کبھی پیچیدہ ہے۔ یہ تو مسلم ہے کہ من مانے طریقوں پر حروف کو ملا کر مادے بنانا اور اُن سے مشتقات لینا ناقابل عمل ہے۔ دو طریقے ممکن ہیں، ایک جدولی اور دوسرا علامتی *Dalgarno* ڈیل گر نو اور وِلکنسن *Wilkins* نے جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اپنے ذخیرہ الفاظ کو جدولی طریقہ پر مرتب کیا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے خیالات

کی تقسیم چالیس عنوانوں پر کی۔ یہ عنوانات دو حرفی مرکبات تھے اور ہر عنوان ایک خاص خاندانِ خیال کی نمائندگی کرتا تھا مثلاً لفظ *De* ایک عنوان ”عصر“ کے لیے قائم کیا گیا۔ اُس سے تقسیم اول میں لفظ *Dele* بمعنی آگ بنایا گیا۔ اُس کی مزید تقسیم سے *Deba* بمعنی نو بنایا گیا۔ یہ طریقہ جیسا کچھ پیچیدہ ہے ظاہر ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ کسی لفظ اور اُس کے معنوں میں کوئی ربط ہی نہیں ہے پھر ان الفاظ کو سیکھنے کے لیے نہ صرف عنوانات کا حفظ کرنا ضروری ہے بلکہ ان کی تقسیم، اور تقسیم مزید اور ہر لفظ کا خاندان یہ سب بھی حفظ ہونا چاہیے، اور یہ سب باتیں انسانی قوتِ حافظہ سے باہر ہیں۔ علامتی طریقہ کا مقصد یہ ہے کہ اُس میں لفظ اور اُس خیال کے درمیان جس کا وہ منظر ہے براہِ راست تلازم قائم کیا جاتا ہے، اور یہ طریقہ کسی قدر مروجہ زبانوں میں مستعمل ہے محاکاتی الفاظ جیسے پھینکا (جانور کی بولی کی نقل)، فحاشیہ الفاظ جیسے ”ہیں!“، حرکی الفاظ جیسے ”تو“ ”میں“ ”وہ“ اسی کی مثالیں ہیں۔

علامتی طریقہ کی بڑی وقعت یہ ہے کہ تلازم خیالات کمتر اور مبہم ہوتے ہیں لیکن مواد پھر بھی کافی ہے۔ اس کے فوائد یہ بتلائے گئے ہیں کہ اس میں وہ فیض نہیں ہونے پاتی جو فطری زبانوں میں ہوتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس میں اختصار کی بہت کچھ گنجائش ہے۔

۱۰۰ (۲۶)۔

مختصر یہ کہ اگر کوئی جگت بھاشا موزوں ہو سکتی ہے تو یہ وہی ہوگی جو آزادانہ بنائی گئی ہو۔ بین الاقوامی ہونے کے علاوہ یہ فطری زبانوں کی پیچیدگیوں سے بھی پاک ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ ایسی زبان بہت کچھ غیر مانوس ہوگی، اور اُسے بہت کچھ کوشش کر کے سیکھنا پڑے گا، لیکن اس کی دقتیں سب کے لیے مساوی ہونگی، اور کسی زبان کے بولنے والے کو کوئی ناجائز فوقیت نہ حاصل ہو سکے گی۔

۱۰۰ (۲۶)۔

دام میں یاں نہ آئے دل نہ یہاں لگائے

(از جناب محمد عفت اللہ خاں صاحب بی اے)

(۱)

جہان ملی ہے اس لیے دکھ میں اے گملائیے
عمر بولے کچھ نہیں سانس میں بس اُڑائے
دام میں یاں نہ آئے دل نہ یہاں لگائے

(۲)

حسن بھی ہے تو عارضی چاہ بھی ہے تو دل لگی
لاگ لگاؤ سب ریا جگ کی سرشت مطلبی
دام میں یاں نہ آئے دل نہ یہاں لگائے

(۳)

اک تو شباب اور پھر اس کا نشہ نیا نیا
حسن پرست آکھ تھی من مرا پاک صاف تھا
دام میں یاں نہ آئے دل نہ یہاں لگائے

(۴)

حور کہوں میں یا پری دل کو مرے بھالیا
بیوہ سہی سہاگ کا ایک برس نہیں ملا

دام میں یا نہ آئے دل نہ میاں لگائے

(۵)

پھول کھول میں یا کھلی ایک کھلی ابھی کھلی
رنگ کی دل کشی بڑھی غم کی جھلک کھلی ملی
دام میں یا نہ آئے دل نہ میاں لگائے

(۶)

من کو مرے جگا دیا پہلا سبق پڑھا دیا
جھپ جھپ مری مٹی مرد مجھے بنا دیا
دام میں یا نہ آئے دل نہ میاں لگائے

(۷)

آنکھوں میں جگمگا اٹھے یہ ہی زمین آسماں
حسن بھری تھی دھوپ چھانوں میں بھرا تھا سہاں
دام میں یا نہ آئے دل نہ میاں لگائے

(۸)

سکھ کی رنگ دکھ میں تھی دکھ کی تھی سکھ میں چاشنی
زیت کی کمی یا ملی جان مرے کی موج تھی
دام میں یا نہ آئے دل نہ میاں لگائے

(۹)

میرا شباب زور پر اور میں اس کا ہو چکا
دھن کی آسے کمی نہ تھی عیش میں کچھ ضل نہ تھا
دام میں یا نہ آئے دل نہ میاں لگائے

(۱۰)

اس کا علاج کچھ نہیں دل میں اگر وفا نہو
 پھول میں جیسے رنگ ہو باس کا کچھ پیتا نہو
 دام میں یاں نہ آئے دل نہ یہاں لگائیے

(۱۱)

زور کو نام کی طلب حسن بھی ایک زور ہے
 زور کو نمود کا جنوں زور کو ہوس ضرور ہے
 دام میں یاں نہ آئے دل نہ یہاں لگائیے

(۱۲)

ایک رئیس کبر سن حسن کے دام میں پھنسا
 حسن ملا نمود کو نام ملا نمود کا
 دام میں یاں نہ آئے دل نہ یہاں لگائیے

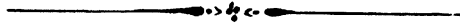
(۱۳)

روح میں ایک زلزلہ دل سے مے اٹھا دھوپ
 دھوپ سیاہ پڑ گئی تیرہ و تار تھا جماں
 دام میں یاں نہ آئے دل نہ یہاں لگائیے

(۱۴)

مجھ سے کہا کہ ”کیا ہوا اب بھی ہوں تم پہ میں خدا
 عیش مرے وہی رہیں وہ ہی ہے معاملہ“
 دام میں یاں نہ آئے دل نہ یہاں لگائیے

سنتے ہی جی میں آئی یہ گھونٹ دوں بیوٹا گلا
 خون کا گھونٹ پی کے میں واں سے چلا یہ کھ چلا
 دام میں یاں نہ آئے دل نہ میاں لگائے



انٹارکٹک کراہم
تاریخ

ترقی علوم و فنون
بہ

سلطنت مسلمانان ہندوستان
نوشتہ

حکیم شمس اللہ صاحب قادری۔ ایم آر اے ایس
باب ششم
سلطان محمود کے جانشین

وفات سلطان محمود سلطان محمد بن محمود ۳۱۰ھ۔ ناصر لغوی۔ قصار امی سلطان مسعود بن محمود ۳۲۰ھ۔
۳۳۰ھ۔ سلطان مسعود کے ماتر محسن۔ امام ناصحی۔ فقہ مسعودی۔ امام شعلی۔ تہذیب النبیۃ۔ ابوریحان البیرونی
قانونی مسعودی، شعر لے دربارہ منوچہری و امنانی پر آشوب زمانہ ۳۳۰ھ تا ۳۴۰ھ سلطان مودود
بن مسعود۔ مسعود بن مودود۔ سلطان علی بن مسعود۔ سلطان عبدالرشید۔ سلطان فرخ زاد۔ ابو الفضل ہاشمی۔

تاریخ مسعودی۔ ابوالکاسم جوہری الصائغ

۲۲۔ بیع الاخر ۲۳ھ کو سلطان محمود نے جہان فانی سے کوچ کیا۔ سلطان کی وصیت کے بموجب محمد بن محمود سربراہ ہوا۔ لیکن اس کے بھائی مسعود بن محمود نے مخالفت کی اور امار کی سازش سے اسے گرفتار کر کے قید کر دیا اور تخت پر خود قبضہ کر لیا۔

سلطان محمد نے کم و بیش ۴۴ ماہ حکومت کی ہے۔

سلطان محمد بنیک سیرت ذی علم موزوں طبع بادشاہ ہوا ہے۔ اس کے اشعار بہت مشہور ہیں اس کی ایک محبوبہ دریا میں غرق ہو گئی تھی تو اس کے فراق میں اس نے یہ رباعی موزوں کی تھی۔

رفتی و دل خستہ مشوش بی تو عیش خوش من شد ناخوش بی تو

تو رفت و آمدہ من بی تو بجاں تو در آبی و من در آتش بی تو

سلطان محمود کی وفات کے وقت جو ارباب کمال موجود تھے وہ سب اس کے عہد میں جمع تھے۔

علاوہ ان کے ناصر بنغوی اور قصار امی کو اس کے دربار سے خاص تعلق تھا۔ قصار امی کے حالات کسی تذکرہ نویس نے نہیں لکھے ہیں۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس لفظ کا ضبط و اطلاق کس طرح ہے اور کس طرف اس کی نسبت ہے۔ حکیم اسدی نے اپنی فرنگ میں لغت کفا کے تحت میں اس کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

میر ابو احمد محمد خضر و ایران میں رنگ پیش آرد در شادی چو پیش آید کفا

سلطان مسعود کی نسبت مورخ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ شجاع اور سخاوت بادشاہ ہوا ہے۔ اس کے اوصاف

و فضائل بے شمار ہیں۔ ارباب کمال کا بڑا قدردان تھا۔ اور ان کے ساتھ ہمیشہ بذل و احسان سے پیش آیا کرتا تھا۔

علماء نے مختلف علوم و فنون کی کثیر تعداد کتابیں اس کے نام پر تصنیف کی ہیں۔ خیر خیرات سے اس کو خاص

رغبت تھی۔ رمضان میں ایک دن ایک لاکھ درہم مستحقین اور اہل حاجت میں تقسیم کیا کرتا تھا۔ شعراء کو صلہ ہائے

عظیم عطا کیا کرتا تھا۔ ایک شاعر نے ایک قصیدہ پیش کیا تو اس کے صلہ میں فی شعر ایک ہزار درہم عطا کیا تھا۔

۱۔ ابن اثیر ص ۹۷ ۲۔ طبقات ناصری ص ۱۸۵ ۳۔ مجمع النعمان ص ۷۷

۴۔ حنفی ج ۲ ص ۶۷ لغات اسدی ص ۷۔

اور اس رقم کی مجموعی تعداد ایک ہزار دینار ہو گئی تھی۔ اس نے ممالک محروسہ کے تمام شہروں میں اس قدر داریں
و مساجد تعمیر کرائے تھے کہ اون کے تعداد بیان کرنے سے زبان عاجز و قاصر ہے۔

سلطان محمود کی وفات کے بعد غزنیں میں بحقدار باب فضل و کمال بقید حیات تھے وہ سب مسعود کے
دربار میں موجود تھے۔ مسعود جب برسر حکومت ہوا تو ابو نصر مشکان اور امام ابو عبد اللہ ناسخی کو کتابت اور قضائیت کے
عمدوں پر حسب دستور بحال رکھا۔ خواجہ احمد بن حسن ہمدانی کو قید سے رہا کر کے وزارت سے سرفراز کیا۔ خواجہ نے
قریباً تین سال اس خدمت کو انجام دیا۔ ۳۳۳ھ میں اس کا انتقال ہو گیا تو یہ خدمت ابو نصر احمد بن محمد بن عبد
کے تفویض کی۔

امام ابو محمد عبد اللہ بن حسن الناسخی نے جو قاضی القضاات تھے فقہ مسعودی کے نام سے ایک کتاب سلطان
مسعود کے نام پر تالیف کی ہے۔ اس میں مذہب امام ابو یوسف کے فروعات مذکور ہیں ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ یہ
کتاب چھوٹی سے ہے۔ لیکن نہایت مفید و مستند ہے۔ مصنف نے مختصر الفاظ میں مسائل کثیرہ بیان کیے ہیں۔
امام ابو المنصور ثعلبی نے یتیمۃ الدہری فی مجالس اہل العصر کے نام سے شہرائے عرب کا ایک ضخیم ذکر لکھا
ہے۔ امام صاحب کی تصنیفات میں سے بہتر اور مقبول عام کتاب ہے اور مضامین کے اعتبار سے
چار جلدوں میں منقسم ہے۔

قسم اول	محاسن اشعار آل حمدان و شعراء مصر و شام
قسم ثانی	محاسن اشعار اہل جبال و فارس و جرجان و طبرستان
قسم ثالث	محاسن اشعار اہل عراق و کاتبان دولت دیلمیہ
قسم رابع	محاسن اشعار اہل خراسان و ماوراء النہر

امام صاحب نے اس کتاب کا تتمہ لکھا ہے۔ اور اُسے سلطان مسعود کے نام سے نامزد
کیا ہے۔ یہ بھی مضامین کے اعتبار سے چار اقسام پر منقسم ہے اور ہر ایک قسم تہتمہ قسم اول و تتمہ قسم ثانی

۱۔ ابن اثیر ج ۱ ص ۳۳۳ ۲۔ فرشتہ ج ۱ ص ۳۳۳ ۳۔ کشف الطنون ج ۲ ص ۲۹۹ ۴۔ فرشتہ ج ۱ ص ۳۳۳

۵۔ یتیمۃ الدہری ج ۱ ص ۳۳۳ میں دمشق میں چھپ گیا ہے۔

کے عنوان سے شروع ہوئی ہے۔ اس تہذیب کا ایک نفیس نسخہ جس کی کتابت ۱۸۵۷ء میں ہوئی ہے فرانس کے کتب خانہ ملی میں نمبر ۲۳۰۸ پر موجود ہے۔ فلوگل نے جو کشف الظنون شائع کی ہے اس میں اس کا نام تہذیب التیمہ چھپا ہوا ہے لیکن یہ غلطی ہے۔

سلطان مسعود کو علم ہنریت سے خاص دلچسپی تھی۔ اور اس کے حکم سے ابوریحان نے نواح عربین میں ایک رصد خانہ بھی قائم کیا تھا۔ علاوہ اس کے ابوریحان نے سلطان کی سرپرستی میں ۱۲۷۷ء اور ۱۲۸۷ء کے مابین ایک کتاب قانون مسعودی کے نام سے تصنیف کی ہے۔ اس میں علم ہنریت اور نجوم کے مسائل مذکور ہیں۔ یہ کتاب ابوریحان کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مہتمم بالشان اور بہترین تصنیف سمجھی گئی ہے۔ ڈاکٹر ہارو ولس نے جو جرمن کا مشہور عالم ترقیا ہے اس کی نسبت لکھا ہے۔

عربوں کے علم ہنریت کے متعلق یہ نہایت مکمل اور مستند کتاب ہے اس کے اندر ایسے بہت سے مسائل مذکور ہیں جن کی نسبت عام طور پر سمجھا گیا ہے کہ سترھویں صدی میں انہیں ایل یورپ نے دریافت کیا ہے۔

اس کتاب کے متعدد نسخے فرانس جرمن اور انگلستان کے کتب خانوں میں موجود ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ قابل قدر اور تاریخی اہمیت رکھنے والا نسخہ برٹش میوزیم کا ہے جس کی کتابت ۱۳۰ سال بعد یعنی ۱۸۶۹ء میں ہوئی ہے۔

یہ کتاب ۱۲ مقالات پر منقسم ہے۔ اور ہر مقالہ میں متعدد ابواب و فصول ہیں جن کی تفصیل ڈاکٹر ریو نے اپنی فہرست مخطوطات عربیہ میں کئی صفحات پر درج کی ہے۔

قانون مسعودی ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔ سرہنری ایل میٹ نے اس مقالہ پنجم کے صرف دسویں باب کو ۱۸۶۹ء میں چھپوایا ہے۔

عسکری۔ فرخی۔ اسدی۔ زینتی طوی۔ امیر بزرگ پھر وغیرہ نامور شعراء اس وقت تک بقید حیات موجود تھے اور اس کے فیضان کرم سے فیضیاب ہوتے تھے۔ ابوالفضل بہیقی کا بیان ہے کہ اس نے اپنے زمانہ حکومت

میں شعرا کو جو صلہ ہائے عظیم عنایت کیے ہیں انکا شمار خارج اندازہ ہے۔ ایک شب مجلس طرب میں زینتی کو ایک لاکھ درہم اور ایک ہاتھی سرفراز کیا۔ اور حکم دیا کہ اس صلہ گراں کو ہاتھی پر بار کئے زینتی کے مکان پر پہنچایا جائے۔

۳۲۳ھ میں عید الفطر کا دربار منعقد ہوا تو شعرا نے قصائد پیش کیے۔ مسعود نے ہر ایک شاعر کو بیس ہزار درہم۔ زینتی کو ۵۰ ہزار درہم اور عنصری کو ایک ہزار دینار سرخ سرفراز کیے تھے۔

ان کے علاوہ بہت سے شعرا نے خاص مسعود کے زمانہ میں نشوونما پایا ہے ان میں ابوالنجم احمد بن قوس بن احمد منوچہری نے زیادہ شہرت حاصل کی ہے۔

منوچہری کو دولت شاہ اور اس کی پیروی میں اکثر تذکرہ نویسوں نے بلخ کا باشندہ لکھا ہے۔ لیکن خود منوچہری کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ داستان اس کا وطن تھا۔

سوئے تابع عمر انیاں ہم بدیناں بیا مد منوچہری و امغانے

منوچہری ابتدا میں ملک الحانی امیر منوچہری بن قابوس بن وشمگیر ۳۲۳ھ کے دربار میں ملازم تھا۔ اور اسی مناسبت سے منوچہری تخلص رکھتا تھا۔ ۳۲۳ھ میں جب امیر منوچہر کا انتقال ہو گیا تو منوچہری جرجان سے تعلق کر غزنین میں آیا۔ تذکرہ نویسوں نے سلطان محمود کے درباری شعرا میں اس کا نام لکھا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ اس کے دیوان میں کوئی قصیدہ سلطان محمود کی مدح کا موجود نہیں ہے۔ بلکہ اکثر قصائد سلطان مسعود کی مدح میں لکھے ہیں۔ اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ محمود کی وفات کے بعد منوچہری غزنین میں آیا۔ اور مسعود کے زمانہ میں دربار میں باریاب ہوا اس قیاس کی تائید ملا عبد القادر بدایونی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

از جلہ شعراء کہ در زمان مسعود نشوونما یافتہ اند منوچہری ست۔

منوچہری نے ۳۲۳ھ میں وفات پائی ہے۔ اس کے دیوان کو فرانس کے مشہور مستشرق کا زمسکی نے ۱۸۵۷ء نکلوا نکلوا نے نہایت اہتمام کے ساتھ ۱۸۵۷ء میں پیرس میں چھپوایا ہے اور اس کے ساتھ کئی صفحات پر تہنیت اور تعلیقات بھی لکھے ہیں۔

۱۲۵۷ھ ہیئت ۱۲۵۷ھ عوفی ج ۲ دولت شاہ ص ۳۰۰۔ فرشتہ ج ۱ ص ۳۱۰۔ بدایونی ص ۱۸۷۔ مآثر ج ۱ ص ۱۵۱۔

مسعود نے کم و بیش گیارہ سال حکومت کی۔ ۳۳۶ھ میں ہجو قیوں سے شکست پاکر خراسان سے غزنین میں آیا۔ اور وہاں کے خزانہ کو ساتھ لے کر ہندوستان کی جانب روانہ ہوا۔ راستہ میں امرا نے اسے مغزول کر کے قید کر دیا۔ اور سلطان محمد بن محمود کو تخت پر بٹھایا۔ سلطان محمد چونکہ نابینا تھا اس لیے اپنے لڑکے احمد کو شریک سلطنت بنایا۔ احمد نے مسعود کو قتل کرا دیا۔ مودود بن مسعود اس وقت خراسان میں تھا۔ اسے جب اپنے باپ کے قتل کا حال معلوم ہوا تو اس نے سلطان محمد پر شکوکشی کی۔ ۳۳۷ھ شعبان کو طرفین میں مقابلہ ہوا۔ سلطان محمد نے شکست پائی۔ تخت پر مودود کا قبضہ ہو گیا اور مودود کے ایسا سے سلطان محمد اور اس کا لڑکا امیر احمد دونوں قتل کر دیے گئے۔

مودود نے ۱۰۔ رجب ۳۳۶ھ کو انتقال کیا۔ اس کے بعد کون برسر حکومت ہوا اس بارے میں موزنین کا اختلاف ہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ مودود کے بعد امرا نے اس کے شیر خوار لڑکے کو تخت پر بٹھایا۔ ۵ یوم اس کی حکومت رہی۔ پھر علی بن مسعود نے اسے مغزول کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ فخر الدین۔ بناکشی۔ میر خوند۔ احمد غفاری۔ بدایونی۔ فرشتہ وغیرہ نے اس شیر خوار لڑکے کا نام مسعود بن مودود لکھا ہے۔ شہناج سرچ اور حمد المستوفی نے مودود کے بعد بادشاہ علی بن مسعود کا ذکر کیا ہے۔ علی بن مسعود نے کم و بیش تین ماہ حکومت کی ۳۳۶ھ کے اخیر ایام میں عبدالرشید بن مسعود نے خروج کر کے علی بن مسعود کو پکڑا لیا اور خود بادشاہ ہو گیا۔

عبدالرشید جب برسر حکومت ہوا تو اس نے طغرل کو جو سلطان مودود کا حاجب تھا سیستان کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے سیستان میں قوت و اقتدار حاصل کر کے علم بغاوت بلند کیا اور غزنین میں اگر سلطان عبدالرشید اور اس کے قرابت داروں کو قتل کرنے کے بعد تخت نشین ہو گیا۔ لیکن غزنین کے امرا نے اسے قتل کر کے فرخ زاد بن مسعود کو تخت پر بٹھایا۔ یہ واقعہ ۳۳۷ھ کا ہے۔ فرخ زاد نے ۳۳۸ھ میں انتقال کیا۔ اور اس کی جگہ ابراہیم بن مسعود تخت نشین ہوا۔

۱۔ ابن اثیر ۹ ص ۳۳۶ و ۳۳۷ ۲۔ ابن اثیر ۹ ص ۳۳۶ و ۳۳۷ ۳۔ ابن اثیر ۹ ص ۳۳۶ و ۳۳۷

۴۔ ابن اثیر ۹ ص ۳۳۶ و ۳۳۷ ۵۔ روضۃ الصفاح ۴ ۶۔ نگارستان ۱ ص ۱۳۱ ۷۔ منتخب التواریخ طبع کانپور ص ۱۱۱۔ فرشتہ ص ۱۱۱

۸۔ طبقات ناصری ص ۱۱۱ تاریخ گزیدہ ۹۔ ابن اثیر ۹ ص ۳۳۶ و ۳۳۷ ۱۰۔ ابن اثیر ۹ ص ۳۳۶ و ۳۳۷

مسعود کی وفات سے ابراہیم کی تخت نشینی تک ۱۹ سال کا زمانہ تاریخ آل سلجوقیوں میں نہایت پر آشوب زمانہ گزر رہا ہے۔ اس عرصہ میں سلطین غزنویہ زیادہ تر خانہ جنگیوں میں مصروف رہے ہیں۔ مودود اور فرخ زاد کے زمانہ میں ان خانہ جنگیوں سے کسی قدر مہلت ملی۔ لیکن ان کا یہ زمانہ سلجوقی حملوں کی مہافت میں صرف ہو گیا۔ اور ان کو امن و اطمینان مطلق میسر نہیں آیا۔ ان کے عہد کے تاریخی صفحات علمی کارناموں سے بالکل خالی نظر آتے ہیں۔ ابراہیم نے سلجوقیوں سے صلح کر لی جس کی وجہ سے فریقین کو اطمینان ہو گیا اور ہرام کے اخیر زمانہ تک قریباً سنی سال امن و امان کے ساتھ گزرے۔ اس عرصہ میں دربار غزنین پھر مرجع ارباب کمال ہو گیا۔ اور علما فضل جگمعا شعراء غرض کہ ہر علم و فن کے ماہر غزنین میں جمع ہو گئے۔

امیر غنصر المعالی کیگاؤس اپنی آبائی حکومت سے محروم ہو گیا تو سلطان مودود کے زمانہ میں غزنین چلا آیا سلطان نے اس کی نہایت تعظیم و تکریم کی۔ اور اپنے دربار خاص میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد ایک عرصہ تک نہایت عزت میں رہا اور آخر عمر میں ترک دنیا کر کے گیلان چلا گیا۔ اس واقعہ کا ذکر خود امیر کیگاؤس نے قابوس نامہ میں کیا ہے۔

بداں لے پیر کہ بروز گار پیر خال تو سلطان مودود بن مسعود کہ من بہ غزنین آدم مرا سخت اغزا و اکرام

کرد و چون چند گاہی مرا بدید یا ز مودودا و نادمات خاص خوش داد۔

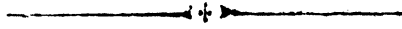
امیر کیگاؤس صاحب علم و فضل آدمی تھا۔ اس نے ایک کتاب قابوس نامہ لکھی ہے۔ اس میں ۴۴ باب ہیں۔ اور ان میں حکمت علمی کے اوّل تمام مسائل کو بیان کیا ہے جو انسانی زندگی میں روزمرہ پیش آتے ہیں۔

فرخ زاد کے عہد حکومت میں دو آدمیوں نے خوب شہرت حاصل کی ہے ان میں پہلا نمبر ابو الفضل محمد بن حسین ابہیقی کا ہے۔ یہ شخص دربار آل سلجوقیوں کا مشہور مورخ ہے۔ نیشاپور کے مضافات میں بمقام جہتی پیدا ہوا۔ اور ۴۱۲ھ میں جب کہ اس کی عمر ۲۶ سال کے قریب تھی غزنین میں آکر شاہی ملازموں میں داخل ہو گیا۔ ابو نصر شمس الدین رسالت کے عہد پر مامور تھا۔ ابہیقی نے ابو نصر کی وفات تک قریباً ۲۹ سال اس کی نیابت میں گزارے۔ کچھ عرصہ کے لیے معزول بھی ہو گیا۔ عبدالرشید نے اسے اپنے زمانہ میں دیوان رسالت کی خدمت تفویض کر دی جس کو

بہتی نے اُس کی وفات تک انجام دیا۔ ابراہیم نے بہتی کو عزول کر دیا۔ اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور اپنی تاریخ کو لکھنا شروع کیا۔ یہ کتاب چھوٹی چھوٹی ۳۰ جلدوں میں ہے۔ اس میں دسویں جلد سے سلطان مسعود کے حالات شروع ہوتے ہیں۔ مسعود کی وفات پر جو سلسلہ میں واقع ہوئی ہے یہ کتاب ختم ہو گئی ہے لیکن اس کے ضمن میں مصنف نے ایسے واقعات یعنی بھی لکھے ہیں جو مسعود کی وفات کے بعد وقوع میں آئے ہیں۔

اس تاریخ کا کوئی خاص نام نہیں ہے بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کے مختلف اجزا مختلف نام سے موسوم کئے تھے۔ چنانچہ اُس کے ابتدائی حصہ کا نام جس میں سلطان محمود کے حالات ہیں تاریخ غنی یا مقامات محمودی ہے۔ منہاج سرلج نے تاریخ ناصری۔ جہانگیر مستوفی نے مجلدات ابوالفضل بہتی۔ خوند میر نے تاریخ آل سبکتگین کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ ریو اور ایسٹ نے اپنی فہرستوں میں تاریخ مسعودی لکھا ہے۔ اس کتاب کے اخیر ۲۰ اجزا کو جس میں سلطان مسعود کے حالات ہیں پروفیسر مارلے نے سلسلہ میں مقام کلکتہ چھپوایا ہے۔ اور اس کے عنوان پر اس کا نام تاریخ بہتی تجویز کیا ہے۔ یہ کتاب سلسلہ میں طران میں بھی چھپ گئی ہے سلسلہ میں بہتی کا انتقال ہوا ہے۔

دوسرا ابوالکلام محمود بن عمر الجوهری الصانع ہے۔ یہ فرخ زاد کا شاہ خاص تہاہرات اس کا وطن تھا۔ عوفی نے اس کا کلام نقل کیا ہے۔



باب نم

سلطان ابراہیم بن مسعود اور اس کے جانشین

سلطان ابراہیم بن مسعود ۳۵۲ھ - ۳۹۲ھ سلطان ابراہیم کے عاصم مائوربار کے اہل کمال ابوعلی
عطاء بن یعقوب البناک - ابو یفہ السکافی - ابو الفرج رومی - مسعود ۳۹۲ھ - ۴۰۲ھ سلطان شیراز
۴۰۲ھ - ۴۰۹ھ سلطان ارسلان ۴۰۹ھ - ۴۱۲ھ ابو نصر فارسی مسعود سعد سلمان عثمان مخاری
شہر مارنامہ

سلطان ابراہیم بن مسعود ۱۹ صفر ۳۵۲ھ کو سرگیاں پہنچا نہایت متقی اور دین دار بادشاہ تھا۔ باوجود غفوان جوانی کے منوعات شرعی اور تمام لذات جہانی اس نے ترک کر دیے تھے۔ سال میں تین ماہ (جب، شعبان، رمضان) میں روزے رکھا کرتا تھا۔ رات کو غزنین کے محلوں میں بذات خود گشت کرتا۔ اور محتاجوں پر اوٹوں کو تلاش کر کے انہیں نقد و آرزو دیا کرتا تھا۔ خط نسخ میں اعلیٰ درجہ کا خوشنویس تھا۔ سال میں ایک کلام اللہ اپنے ہاتھ سے لکھتا اور اسے ایک سال تک کو اور دوسرے سال مدینہ کو روانہ کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کلام اللہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں جہانگیر کے زمانہ تک موجود تھے۔ اس کو تعمیرات عامہ کا نہایت شوق تھا۔ اپنے عہد حکومت میں چار سو سے زیادہ مدارس خانقاہات، رباطات، اور مساجد تعمیر کرائے تھے۔ خزانہ شاہی میں ایک عظیم الشان دارالادویہ بھی قائم کیا تھا جس میں جمیع امراض کے ادویہ و اشربہ رعایا کو مفت ملا کرتے تھے۔ اس مخزن میں خصوصاً امراض چشم کی دوا نہایت نایاب تھی۔ اس وقت کرام اور علمائے عظام کی بڑی قدر و منزلت کیا کرتا تھا اور اپنی تمام لڑکیاں انہیں سے منسوب ہی

۱۰ تاریخ سیقی ۳۹۲ھ ابن اثیر جلد ۱۰ فرشتہ جلد ۳۳۱ دولت شاہ ۳۹۲ھ فرشتہ جلد ۳۳۱

۱۱ تذکرہ دولت شاہ ۳۹۲ھ ہادیونی جلد ۱۱

تھیں۔ مشہور مورخ منہاج الدین سراج کے آبا و اجداد اسی بادشاہ کے زمانہ میں جوزجان سے آکر عربین میں آباد ہوئے تھے۔ ابراہیم بن عبدالحق جرجانی جو منہج سراج کا جدِ سوم ہے، بڑا زبردست عالم تھا۔ اور بادشاہ نے اپنی ایک لڑکی کا عقد اس کے ساتھ کر دیا تھا۔

عونی نے جوامع الحکایات میں لکھا ہے کہ سلطان ابراہیم سال میں ایک بار دربار میں مجلس وعظ منعقد کرتا تھا جس میں امام یوسف سجاولی وعظ فرمایا کرتے تھے۔ دورانِ تقریر میں امام صاحب سلطان کو مخاطب کر کے بے محابا اور درشت باتیں کرتے تو ان سے سلطان آزرده خاطر اور طول نہیں ہوتا تھا۔

مشہور ادیب ابو العلاء عطابن یعقوب المعروف بناکوک سلطان ابراہیم کا کاتب تھا۔ عربی فارسی میں اس کے دودویوان ہیں اور انھیں عربی عجم میں قبول عام حاصل ہوا ہے۔ مشہور شاعر اثنی نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو بلاد عرب میں نہایت مشہور ہے اس کا ایک مصرع یہ ہے۔

الم تفقص عیناک لیلۃ الہمداء

ابو العلاء نے اس کے جواب میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ اور اس میں جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ کے محامد و فضائل بیان کئے ہیں۔ اس قصیدہ کے دو شعر یہ ہیں

العبد الدنیا والدینۃ اعبداً وفضل الہی ماج کالجوزیداً

عطا جانا لا یحیط بعداً حساب عطاء الف عام مرداً

سلطان نے کسی وجہ سے ناراض ہو کر اس کو قلعہ لاہور میں قید کر دیا۔ ابو العلاء نے آٹھ سال قید خانہ میں بسر کئے اس عرصہ میں سلطان کا غصہ فرو ہو گیا۔ تو ابو العلاء نے ایک مدحیہ قصیدہ لکھ کر پیش کیا جس سے خوش ہو کر سلطان نے اسے رہا کر دیا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

مست و شادان را ملازمیت کردہ بیجاودہ و بیج درتیم

زیر خط زبر جدش میست زیر زلف معبرش صبحیم

مسعود سلمان نے ابو العلاء کی مدح میں قصائد غراموزوں کئے ہیں اور وفات کا پرورد فرشتہ بھی لکھا ہے

جس کا ایک شعر یہ ہے۔

از وفات عطاء بن یعقوب تازہ تر شد وقاحت عالم

۲۹۱ھ میں ابو العلاء کا انتقال ہوا ہے۔

سلطان ابراہیم کے زمانہ میں بہت سے شعرا گذرے ہیں لیکن ان میں ابو حنیفہ اسکانی۔ ابو الفرج رونی مسعود سعد سلمان نہایت مشہور شاعر ہیں۔

ابو حنیفہ اسکانی۔ باب الاباب اور چار مقالہ میں اسکا فن یا فن نسبتی کے بغیر لکھا ہوا ہے۔ تاریخ نہیقی اور اکثر تذکروں میں اسکانی یا فن نسبتی کے ساتھ مسطور ہے یہی چونکہ ابو حنیفہ کا معاصر اور رفیق ہے۔ اس لیے اس کا قول جمیع اقوال پر فوقیت رکھتا اور نہیقی نے مختلف مواقع پر ابو حنیفہ کا ذکر کیا ہے۔ اولاً ۳۳۵ھ میں جب کہ سلطان مسعود مرو کے پاس شکست اٹھا کر غزنین میں واپس آیا۔ ثانیاً ۳۴۵ھ میں فرج زاد کے اخیر زمانہ میں۔ ثالثاً سلطان ابراہیم کے حالات جلوس میں۔ ان بیانات سے ظاہر ہے کہ ابو حنیفہ کو مسعود کے زمانہ سے دوبارہ سے تعلق تھا۔

صاحب مجمع الفصحاء نے ابو حنیفہ کے حالات کسی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ لیکن وہ سب غلط ہیں۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ اس نے ابو حنیفہ اسکانی اور ابو القاسم اسکانی میں کوئی امتیاز نہیں کیا ہے۔ دوم یہ کہ ابو حنیفہ کا ۳۳۵ھ وفات لکھا ہے اور اس کو سلطان ابراہیم کے شعر کے خاص میں شمار کیا ہے جس کا زمانہ حکومت ۳۳۵ھ سے ۳۹۳ھ تک ہے۔ سوم لکھا ہے کہ ابو حنیفہ اسکانی نوح بن منصور سامانی کا کاتب تھا لیکن اس کی ناقدری سے ہر ات میں اگر اینگلیں کا ملازم ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد فرج بن منصور نے اینگلیں کو شکست دی۔ اور ابو حنیفہ کو بلا کر دارالانشاء کا افسر بنایا۔ نوح بن منصور ۳۶۶ھ میں برسر حکومت ہوا ہے۔ اور جلوس فرج سے قریباً ۱۲۔ یا ۱۵ سال پہلے ۳۵۴ھ یا ۳۵۵ھ میں اینگلیں نے وفات پائی ہے۔ پس دونوں کے مابین لڑائی کا ہونا امر محال ہے۔

۱۔ حنفی جلد ۱ ص ۵۷۷ مجمع الفصحاء جلد ۱ ص ۳۲۲۔ حنفی کے اشعار کتاب الاغانی جلد ہشتم ص ۵۷ پر درج ہیں۔ ابو القاسم علی بن الحسن البغوی

نے وسیۃ القصص ابو العلاء کے حنفی اشعار کو نقل کیا ہے۔ مسعود سعد سلمان کا مرثیہ مجمع الفصحاء میں مذکور ہے۔ ۳۵۷ تاریخ ہفتی طران ۱۳۱ و ۱۳۲

۳۵۷ تاریخ ہفتی طران ۱۳۱ و ۱۳۲ ۳۵۷ تاریخ ہفتی ص ۳۹۱ و ۳۹۲ مجمع الفصحاء جلد ۱ ص ۵

ابوالفرج بن مسعود الرونیؒ سلطان ابراہیم کے زمانہ کا مشہور شاعر ہے۔ وزیر مملکت خواجہ محمد بن ابرو دربنیؒ کا ندیم تھا۔ سلطان مسعود بن ابراہیم کے زمانہ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ محمد عوفیؒ اور امین رازحیؒ نے لکھا ہے کہ مصفا لاہور کا باشندہ تھا۔ ملا عبد القادر بدایونیؒ کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ روئی منسوب ہے رون سے اور وہ نام ہے نواح لاہور کے ایک قریہ کا۔

استاد ابوالفرج روئی ہم مداح سلطان ابراہیم بود ہم مداح سلطان مسعود۔ و قصاید بسیار بنام ایشان در دیوان اوست۔ و رون نام دیہی است از توابع لاہور و دریں روزگار گویا خراب است۔ و اثرے از وہ باقی نمانده۔

فرہنگ جمہانگیریؒ اور برہان قاطع سے بھی ملا صاحب کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے ان دونوں کتابوں میں لکھا ہے کہ رون ہندوستان کے ایک قریہ کا نام ہے حمد اللہ مستوفیؒ نے تاریخ گزیدہ میں تحریر کیا ہے کہ ابوالفرج رونہ کا باشندہ تھا۔ جو خراسان کے علاقہ خواران کا ایک قریہ ہے۔ علی قلی خان والدہ واغستانیؒ اور لطف علی آذریؒ نے بھی اسی کی پیروی کی ہے۔ صاحب مجمع الغنعمانے رونہ کا محل وقوع فیثا پور کے قرب وجوار میں بتایا ہے۔ لیکن اخیر کے ذوق تول بے اہل ہیں۔

نقی الدین کاشانیؒ نے ابوالفرج کی تاریخ انتقال ۸۹۰ھ بیان کی ہے۔ ولیکن نے روضۃ الصفا کے ایک حاشیہ میں تاریخ ناد الزمانی کے حوالہ سے ۸۸۰ھ لکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ دونوں قول بے بنیاد ہیں۔ کیونکہ ابوالفرج کے دیوان میں سلطان مسعود بن ابراہیم کی مدح کے قصائد موجود ہیں۔ مسعود ۸۹۰ھ میں برسر حکومت ہوا ہے۔ پس ثابت ہے کہ ۸۸۰ھ میں ابوالفرج بقید حیات موجود تھا۔

مورخ فرشتہؒ نے ابوالفرج روئیؒ اور ابوالفرج سجریؒ کو بلا امتیاز ایک سمجھا ہے اور اس بارے میں اس سے خطائے عظیم سرزد ہو گئی ہے۔

ابوالفرج سجریؒ منصری کا استاد ہے۔ اور آل سجور کے زمانہ میں گزرا ہے امیر ابو علی سجور اور سلطان محمود کے مابین جب لڑائی ہوئی تو ابوالفرج نے ابو علی کے پاس آل سنگیس کی ہجو لکھی جس کی وجہ سے سلطان محمود کو سخت غصہ

آیا۔ اور جب سلطان نے آل سبجور کا استیصال کر دیا تو ابو الفرج کو قتل کرنا چاہا لیکن حکیم عنصری نے اس کی سفارش جس کی وجہ سے سلطان نے اس کا قصور معاف کر دیا۔ اس کے بعد ابو الفرج بہت کم زندہ رہا۔ اور شکم سے پہلے فوت ہوا۔

مورخین نے ابراہیم کی تاریخ انتقال میں اختلاف کیا ہے۔ ابن اثیر نے ۵۸۷ھ لکھا ہے۔ مہملہ ہجری۔ امام بیضاوی۔ حمد اللہ مستوفی نے ۵۹۳ھ بیان کیا ہے۔ فرشتہ نے باختلاف روایات دونوں تاریخیں درج کی ہیں۔ بدایونی کی تاریخ میں ۵۸۷ھ درج ہے۔ سلطان ابراہیم کے بعد اس کا لڑکا مسعود ثالث حکمراں ہوا۔ اور (پندرہ) سال حکومت کر کے ماہ شوال ۵۹۷ھ میں فوت ہو گیا۔ ارسلان بن مسعود اس کا جانشین قرار پایا لیکن ہرام بن ابراہیم نے سبجور جی کی اعانت سے اس کی مخالفت کی اور ۵۹۷ھ میں اسے قتل کر کے تخت و تاج کا مالک ہو گیا۔ حمد اللہ مستوفی نے بیان کیا ہے کہ مسعود کے بعد شیراز ابن مسعود حکمراں ہوا۔ ۵۹۷ھ میں ارسلان بن مسعود نے اسے قتل کر کے تخت سلطنت پر خود قبضہ کر لیا۔ یہی روایت احمد غفاری۔ فرشتہ اور بدایونی نے بھی گزیدہ کے حوالہ سے لکھی ہے۔ لیکن ابن اثیر، قاضی شہناج وغیرہ نے شیراز کا نام ترک کر دیا ہے۔ اور مسعود کے بعد بلا واسطہ ارسلان بن مسعود کا نام لکھا ہے گزیدہ کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

علاء الدولہ مسعود بن ابراہیم بعد از پدر پادشاہ شد۔ خواہر سلطان سبجور قی را در کراخ آورد مدت شانزده سال پادشاہی کرد۔ و در ششمہ ثمان و خمسہ تہ دار البقا پیوست۔ کمال الدولہ شیرازاد بن مسعود بن ابراہیم بحکم وصیت پدر پادشاہ شد۔ برادرش ارسلان شاہ برو خوج کردہ اور اکبشت ۵۹۷ھ در تسع و خمسہ تہ۔

ابراہیم کے جانشین مسعود شیرازاد اور ارسلان بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح علم فن کے سرپرست گزرے ہیں۔ ان میں مسعود بن ابراہیم کو علم سے خاص لگاؤ تھا۔ اور نطرت نے اسے ذوق سلیم عطا کیا تھا۔ اس کے ارکان دولت بھی ذی علم اور قدردان علم فن تھے۔

۵۹۷ھ دولت شاہ ۵۹۷ھ برون جلد ۱۰ ص ۱۰۷ مجمع الفصحا جلد ۱ ص ۱۰۷ ابن اثیر ۳۷ طبعات ناصری ۳۷ گزیدہ ۳۷ فرشتہ جلد ۱ ص ۱۰۷ بدایونی ۳۷ ابن اثیر جلد ۱ ص ۱۰۷ ۳۷ گزیدہ ۳۷ بدایونی ۳۷ فرشتہ جلد ۱ ص ۱۰۷

ابونصر فارسی جس کا پورا نام توام الملک نظام الدین مہتہ اللہ ہے سلطان ابراہیم کے اخیر زمانہ میں عمدہ وزارت پر فائز ہو گیا تھا۔ سلطان مسعود نے جب اپنے لڑکے عہد الدولہ شیرزاد کو ہندوستان کا گورنر بنایا تو ابونصر کو نائب اور سپہ سالار عاکر ہندوستان مقرر کر کے اُس کے عہدہ کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ابونصر معتب شاہی ہو کر قید ہو گیا۔ اور قریباً دس سال جس میں گزارے۔ ابونصر نے لاہور میں ایک خانقاہ بنوائی تھی۔ جو صدیوں مشہور رہی ہے۔ مسعود سعد سلمان اس کے ندیمان خاص سے تھا۔ اور اس کی مح میں بہت سے قصائد غزل نظم کئے ہیں۔ بجز اُن کے ایک قصیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۵۰۵ھ اور ۵۰۶ھ کے مابین اس کا انتقال ہوا ہے۔ محمد عوفی نے اپنے تذکرہ میں ابونصر کے چند ابیات نقل کیے ہیں۔ نظامی عروضی عرقندی نے بھی چہار مقالہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ پروفیسر برون نے چہار مقالہ کے انگریزی ترجمہ میں ابونصر کی نسبت ایک نوٹ لکھا ہے۔ اور اس میں بتایا ہے کہ اس سے نصر الدین عبد الحمید مترجم کلید و منہ مراد ہے۔ لیکن غلطی ہے۔

ابونصر کی صلحگی کے بعد طاہر بن علی مشکان کو سلطان مسعود نے قلمدان وزارت سے سرفراز کیا۔ یہ شخص ابونصر مشکان کا برادر زادہ ہے۔ عربی۔ فارسی کا عالم تھا شعر بھی کہا کرتا تھا۔ اس کی نظمیں عوفی کے تذکرہ میں منقول ہیں۔ ابوالفرج رونی۔ مسعود سعد سلمان۔ عثمان مختاری۔ حکیم سنائی وغیرہ نے اس کی مدح و ثنائیں قصائد غزل تصنیف کئے ہیں۔

مسعود سعد سلمان۔ مولانا آزاد بکراچی نے سجدۃ المرجان فی آثار الہندوستان میں لکھا ہے کہ اس کے آبا و اجداد ہجران کے رہنے والے تھے۔ سلاطین غزنویہ کے زمانہ میں اگر ہندوستان میں سکونت پذیر ہوئے۔ مسعود سعد سلمان لاہور میں پیدا ہوا۔ برخلاف اس کے تقی کاشی۔ والدہ داغستانی۔ صاحب مجمع الفصیح وغیرہ نے خاص ہجران کو اس کا مولد و نشا بتایا ہے۔ لیکن خود مسعود کے ایک بیت سے ظاہر ہے کہ اس کے خاندان

لے عوفی جلد ۱ ص ۱۷۱۔ ترجمہ چہار مقالہ طبع لندن ۱۹۰۵ء عوفی جلد ۲ ص ۲۴۷

۱۹۰۵ء عوفی جلد ۲ ص ۲۴۷۔ سجدۃ المرجان ترجمہ مجمع الفصیح جلد ۱ ص ۱۷۱ تا ۱۷۵ء برون جلد ۲ ص ۲۴۷۔ محمد بن عبدالوہاب تزدینی نے مسعود سلمان کے حالات نہایت تحقیقات کے بعد کمال شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں جسے پروفیسر برون نے انگریزی میں ترجمہ کیا اور یہ مضمون رسالہ جات رائل ایشیاٹک سوسائٹی باب ۱۹ ص ۱۹۰ء و ۱۹۱ء میں شائع ہوا ہے۔

کی اصل بہاں ہے، نہ یہ کہ اسکا مولد و منشا بہمان ہے۔

گردلِ یلغِ بستمِ شمرست صناعت و راجہتی کردم اصل از بہمان است

مسعود نے ایک قصیدہ سلطان ابراہیم کی مدح میں لکھا ہے۔ اس میں بیان کرتا ہے کہ اس کے بہت سے قوابل ہندوستان میں ہیں۔ سعد بن سلمان نے ساٹھ سال تک اس سرزمین میں مختلف خدمات کو انجام دیا ہے اس عرصہ میں اسی جگہ عقد کیا۔ اور اس سے کئی لڑکے لڑکیاں تولد ہوئیں۔

اے زمیں بختی شدہ خسرو اے زمان را قبول کردہ ضماں

شست سال است تا کہ خدمت کرد پیر بندہ سعد بن سلمان

گہ بر اطراف بودی عمال گہ بدرگاہ بودی از اعیان

دختری خورد دایم و پسر می باد و خواہر بوم ہندوستان

دختر از اشک دیدہ نامینا پسر از روزگار سرگرداں

سی چہل تن ز خویش ز پیوند بستہ در راحت تو جان و رواں

مسعود و سعد سلمان نے پانچ بادشاہوں کی مدح میں قصائد لکھے ہیں۔

۱۔ سلطان ابراہیم بن مسعود ۳۵۴ھ ۳۹۲ھ ۲۔ سلطان مسعود بن ابراہیم ۳۹۲ھ ۴۰۹ھ

۳۔ سلطان عضد الدولہ شیرزاو بن مسعود ۴۰۹ھ ۴۲۹ھ ۴۔ سلطان ارسلان شاہ بن مسعود ۴۲۹ھ ۴۴۹ھ

۵۔ سلطان بہرام شاہ بن ابراہیم ۴۴۹ھ ۴۷۹ھ

علاوہ ازیں بہت سے قصائد سیف الدولہ محمود بن ابراہیم کی مدح میں بھی ہیں۔

سلطان ابراہیم نے ۳۶۹ھ میں سیف الدولہ کو ہندوستان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ مسعود اوائل عمر میں سیف الدولہ کے ندیوں میں شامل ہو گیا۔ سلطان ابراہیم کے پاس کسی نے مخبری کی کہ سیف الدولہ کے سر میں سودائے خود سری سمایا ہے اور اس نے بھاگ کر ملک شاہ سجوتی کے پاس جانے کی تیاری شروع کی ہے۔ اس الزام میں سلطان نے سیف الدولہ اور اس کے ندیم مسعود کو قید کر دیا۔ مسعود نے دس سال قید میں گزاریے۔ اس کے بعد امیر ابوالفتح اسماعیل کی سفارش سے نجات حاصل کی۔

سلطان مسعود نے برسر حکومت ہونے کے بعد اپنے لڑکے حفصہ الدولہ شیراز اور کوہندوستان کی حکومت عنایت کی۔ اور ابونصر فارسی کو اُس کا نائب اور سپہ سالار مقرر کیا۔ ابونصر سے مسعود کے دوستانہ تعلقات تھے۔ ابونصر جب ہندوستان میں آیا تو مسعود کو جانبدار ہر کی صوبہ داری پر مامور کر دیا۔ ۹۲ھ میں ابونصر معتب شاہی ہو کر قید ہو گیا اس کے ساتھ مسعود سعد بھی قید کر دیا گیا۔ آٹھ سال کے بعد قلعہ الملک طاہر بن علی مشکان کی سفارش سے ۹۷ھ میں رہائی پائی۔ اس کے بعد قلعہ عمر گوشہ نشینی میں گزاری۔ اور ۱۰۵ھ میں انہی سال کی عمر میں انتقال کیا۔

مسعود کی تفضیلات سے عربی فارسی ہندی تین زبانوں میں تین دیوان ہیں۔ فارسی دیوان موجود ہے جس میں پندرہ ہزار اشعار ہیں۔ عربی ہندی ناپید ہو گئے ہیں۔ رشید الدین و طوطا نے حدائق السحر میں چند عربی اشعار کو نقل کیا ہے۔ منجملہ اُن کے ایک قطعہ یہ ہے۔

دلیل کان الشمس ضلت قمرها وليس لها نحو المشارق مرجع

نظرت الیہ والظلام کانہ علی العین غریبان من الجود وقع

سراج الدین عثمان بن محمد البخاری غزنین کا باشندہ ہے۔ اس نے اپنے قصائد چھ بادشاہوں کی مدح میں لکھے ہیں۔ ان میں پہلے چار بادشاہ غزنویہ خاندان سے ہیں۔

۱۔ سلطان مسعود بن ابراہیم ۹۲ھ ۱۰۰ھ ۲۔ حفصہ الدولہ شیراز اور کوہندوستان ۱۰۰ھ ۱۰۵ھ

۳۔ سلطان ارسلان بن مسعود ۱۰۵ھ ۱۱۲ھ ۴۔ بہرام شاہ بن ابراہیم ۱۱۲ھ ۱۱۷ھ

۵۔ معز الدین ارسلان شاہ بن کرمان شاہ بن قاورد جو کرمان کے خاندان سلجوقیہ کا ساتواں فرماں روا ہے اور ۱۱۲ھ سے ۱۱۳ھ تک اس نے حکومت کی ہے۔

۶۔ ارسلان خاں بن محمد بن سلیمان جو ماوراءالنہر کے ترکمان آل افراساب کا اخیر فرمانروا ہے۔ اور ۱۱۹ھ سے ۱۲۲ھ تک حکمراں رہا ہے۔

تقی کا شی اور صاحب مجمع الفصحا نے لکھا ہے کہ ۱۲۲ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ تقی اوسدی نے ۱۲۳۰ھ میں کی تاریخ وفات بیان کی ہے۔ لیکن یہ تاریخ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ اس کے کلام میں جن بادشاہوں کے مدح موجود ہیں وہ سب ۱۲۳ھ کے بعد گزرتے ہیں۔

صاحبِ مجمع الفصحی نے عضد الدولہ سے عضد الدولہ دہلی مراد لیا ہے لیکن یہ بھی صریح غلطی ہے۔ کیونکہ مختاری کی وفات ۶۵۵ھ سے ایک سو انسی سال پہلے ۳۳۵ھ میں عضد الدولہ دہلی کا انتقال ہو گیا تھا۔ مختاری نے سلطانِ محمود کی فرمائش سے شاہنامہ کی طرز پر شہر یار نامہ لکھا ہے اور اُس میں شہر یار بن ہر وزیرِ سہراب کی داستان اور اُس کے معرکہ آرائیوں کے افسانے بیان کئے ہیں۔ دیباچہ میں وجہ تالیف اس طرح بیان کی ہے،

بہ توفیقِ یزدانِ پروردگار	بہر شد کنوں نامہ شہریار
نگہدارِ تخت و جہاںِ داورا	شہا شہریار اسرا سرور ا
بگنم باقبالِ فرنگ جوئی	چو فرمودیم داستانی بگوئی
سخن آنچہ بدریچ گنڈاشتم	ستہ سال اندرین رنج برداشتم
شہی شہریار و خل آلہ	بہ نظم آوریدم بہ اقبالِ شاہ
زینتِ جہاںِ حبلہ پر نور باد	کہ تاجتِ فروزندہ چوں ہو باد
جہاں جوئے بخشہ مسود شاہ	گلِ باغِ دبستانِ محمود شاہ
بنام تو گفت لے شدہ است	چو مختاری آں باورد است
بہ پیشِ بزرگانِ باغ و جاہ	گرم بہ یہ بخشی درایں بارگاہ
ہماں مع گویم بدرگاہ تو	شوم شاد و افزوں شود جاہ تو
نہ رنج کہ ہستی خداوندگار	وگرہ یہ نہ ہی ایا شہریار
ہمیشہ ثنا گوئے آں شاہ باد	زبانِ من از ہجو کوتاہ باد
کہ شد بر سرِ رزم اسفندیار	نہ فردوسی اکنولِ سخن یاودار

باب دوم

ہرام شاہ

ہرام شاہ (۱۷۴۷ء تا ۱۷۸۷ء) ہرام شاہ کا مذاق علمی۔ نصر اللہ مستوفی۔ کلیلہ و منہ۔ کلیلہ و منہ کا مصنف کلیلہ و منہ کا عربی ترجمہ۔ ابن المقفع۔ نصر اللہ کا ترجمہ اور وہ کتابیں جو نصر اللہ کے ترجمہ سے اخذ و انتاج ہوئی ہیں۔ کلیلہ و منہ کا سنسکرت نسخہ اور اس کے سریانی اور عربی تراجم اور ان کے ابواب و فصول کلیلہ و منہ کے تراجم۔ امام محمد الدین نیشاپوری۔ ان کی تصنیفات۔ جلالین بن یقین و اسحاق دندی۔ حکیم محمد الدین سنائی۔ عبد الواسع جلی۔ شرف الدین جن علی۔ دیگر شعرائے دربار۔

ہرام شاہ ذی شوکت، دانشمند، صاحب فضل اور عالم نوازا بادشاہ ہوا ہے۔ اس کے دربار میں علما و فضلا و شعرا کثرت سے جمع تھے۔ اور شہر غرین اس وقت مرکز اہل فضل ہو گیا تھا۔ اکثر علما نے اس کے نام پر کتابیں لکھی ہیں۔ منجملہ ان کے دو کتابیں نہایت مشہور و مقبول عام ہیں۔ ایک کلیلہ و منہ۔ دوسری کتاب اسحاق یقیندشتہ اور نیز اس کی پیروی میں بعض دوسرے مصنفین نے لکھا ہے کہ مولانا نظامی گنجوی نے مخزن الاسرار بھی اسی بادشاہ کے نام پر تصنیف کی ہے لیکن یہ سہو غلط ہے کیونکہ مولانا نے مخزن الاسرار کو ۱۷۷۷ء میں تصنیف کیا ہے۔

از گم ہجرت مشدہ تا این زمانہ پانصد و ہشتاد و دوہ افزوں بدال

ہرام شاہ نے تصنیف کتاب سے ۳۴ سال پہلے ۱۷۴۷ء میں انتقال کیا ہے۔ یہ قلعی محض اشتراک نام کی وجہ سے ہوئی ہے۔ محمد الدین ہرام شاہ جس کے نام پر مولانا نے یہ کتاب لکھی ہے، اور شاہ بادشاہ آرمینہ کا فرزند اور ازبکجان کا حاکم تھا۔ سلا جتہ روم کے چھٹے بادشاہ اعز الدین قلی ارسلان (۱۷۷۷ء تا ۱۷۸۷ء) نے اپنی دختر سے اس کا عقد

سلہ دولت شاہ ۱۷۸۷ء تا ۱۷۹۷ء

کر دیا تھا۔ ۶۲۲ھ میں اس نے وفات پائی ہے۔ بڑا ذی علم اور سخی امیر گزرا ہے۔ مخزن الاسرار کے صلد میں اس نے مولانا نظامی کے یہاں پانچ ہزار اشرفیاں ایک قطار اونٹ اور بہت سے نفیس اور قیمتی کپڑے روانہ کئے تھے جن ارباب کمال کو بہرام شاہ کے دربار سے تعلق رہا ہے ان کی فہرست طولانی ہے۔ منجملہ ان کے بعض مشاہیر کے نام اور ان کے حالات ذیل میں درج ہیں۔

ابو المعالی نصر اللہ بن عبد المجید المستوفی۔ سلطان ابراہیم کے زمانہ میں دارالانشاء کا افسر تھا۔ بہرام شاہ نے اپنے عہد میں دیوان الاستیفا کی خدمت جلیلہ پر مامور کیا علم و فضل اور دولت و ثروت میں یکتاۓ زمانہ ہوا ہے بحر و ملک جب برسر حکومت ہوا تو اس کو کسی الزام میں قید کر دیا۔ اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ بہرام شاہ کے حکم سے اس نے عربی سے کلید و منہ کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

کلید و منہ جس کو حکایات حکیم بیدایے بھی کہتے ہیں بہت سی فرضی کہانیوں میں کا مجموعہ ہے۔ اور ان کہانیوں میں حیوانات کو ناطق کی حیثیت سے دکھلایا گیا ہے۔ قدیم ہندوستانیوں نے اس قسم کی متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں پنج متر سب سے قدیم اور ابتدائی کتاب ہے۔ وشنو سترین کو اس کا مصنف کہا جاتا ہے۔ اسی مصنف نے اسی قبیل کی ایک اور کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہوا پدیشین ہے۔

کلید و منہ کی بنیاد پنج متر کے حکایات پر ہے۔ کسرلی نو شیرواں (۶۳۹ھ) کے زمانہ میں ۶۷۰ھ کے قریب سنکرت سے پہلوی زبان میں ان حکایات کا ترجمہ ہوا۔ پھر اس پہلوی ترجمہ سے یہ کتاب سریانی اور عربی زبانوں میں ترجمہ کی گئی۔ سریانی ترجمہ کی صحیح تاریخ نہیں ملتی۔ اور نہ مترجم کا نام معلوم ہے۔ عربی ترجمہ خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ میں ۶۷۰ھ کے قریب بمقام بغداد ہوا ہے اور مترجم عبد اللہ ابن مقفع ہے۔

ابن المقفع خلیفہ منصور کے دربار کا کاتب تھا۔ فارسی اس کی مادری زبان تھی۔ یونانی بھی جانتا تھا۔ عربی میں کمال حاصل تھا۔ علمائے ادب تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام میں آج تک ایسا فصیح و بلیغ مقرر اور صاحب قلم نہیں ہوا ہے۔ ادبائے عرب میں بلع الناس کے لقب سے دس آدمی مشہور ہیں۔ ان میں سب سے پہلے ابن المقفع کا نام آتا ہے ابن المقفع نے کلید و منہ کے علاوہ فارسی، سریانی، یونانی وغیرہ زبانوں میں اور بھی کتابیں ترجمہ کی ہیں۔ منجملہ

ان کے چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔ خدائی نامہ، آئین نامہ، مزدک نامہ، سیر ملوک الفرس، آداب الکبیر، کتاب آداب الصغیر، وغیرہ۔

اصل سنسکرت اور پہلوی ترجمہ دونوں منقود ہیں۔ آج دنیا میں کلیلہ و منہ کے جس قدر ترجمے موجود ہیں ان سب کی اصل یہی عربی ترجمہ ہے۔ کلیلہ و منہ عربی سے حسب ذیل زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہے۔ سریانی، عبرانی، یونانی، لاطینی، فارسی، اسپانیش وغیرہ دیگر ترجموں کا حال چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لیے اسے قلم انداز کر کے صرف فارسی ترجمہ کا حال بیان کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ایریز بن احمد سامانی ^{۱۳۳۵} کی فرمائش سے ابو عبد اللہ رودکی نے حکایات کلیلہ و منہ کو فارسی زبان میں نظم کیا۔ یہ کتاب اس وقت نابید ہے صرف دو چار شعر ملتے ہیں جنہیں حکیم اسدی طوسی نے اپنی لغت میں بطور شواہد کے نقل کیا ہے۔ اور ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شتوی مولانا روم کی بحر میں لکھی گئی تھی۔ اس کے قریباً دو سال بعد نصر اللہ مستوفی نے کلیلہ و منہ کو فارسی نثر میں ترجمہ کیا۔^{۱۳۴۰}

مولانا حسین واعظ نے نصر اللہ کے ترجمہ کو پیش نظر رکھ کر ایسے طور پر انوار سیلی تصنیف کی۔ یہ کتاب سلطان حسین مرزا باقر کے سپہ سالار امیر نظام الدین احمد سیلی المتوفی ۸۹۹ھ کی فرمائش سے لکھی گئی ہے۔ اور اسی مناسبت سے مولانا نے اس کا نام انوار سیلی رکھا ہے۔

انوار سیلی مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو گئی ہے۔ ترکی زبان میں علی جلیبی نے ترجمہ کیا۔ اس کا نام عبد الواسع علی بن جلیبی ہے۔ انگلوریہ کا باشندہ تھا۔ ۱۱۹۰ھ میں فوت ہوا۔ ترجمہ کا نام ہمایوں نامہ ہے۔ ۱۲۴۰ھ میں ہمایوں نامہ کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہوا۔ اردو میں سب سے پہلے ابراہیم علی بجا پوری نے ترجمہ کیا جو ۱۳۲۰ھ میں بمقام مدراس چھپا ہے۔ اور قدیم زبان میں ہے۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودہ کے زمانہ میں فقیر محمد خاں گویا نے لکھنؤ کی روزمرہ میں ایک اور ترجمہ کیا جس کا نام ہستان حکمت ہے۔ اور لکھنؤ دہلی وغیرہ میں کئی بار چھپا ہے۔ انگریزی میں دو ترجمے بہت مشہور ہیں۔ پہلا اسٹواک کا جو ہر نور ڈیس ۱۸۳۰ء میں چھپا ہے۔ دوسرا ڈسٹن کا جو ۱۸۳۰ء میں لندن میں چھپا ہے۔

نصر اللہ کا ترجمہ مشکل اور مغلق زبان میں تھا۔ اس لیے وزیر ابو الفضل علاءی نے شہنشاہ اکبر کے حکم سے اس کو ۱۵۷۱ء میں سلیس عبارت میں لکھا۔ اور اس کا نام عیار دانش رکھا۔ منشی نوکشور نے جن کا مطبع ہندوستان میں مشہور ہے عیار دانش کا خلاصہ کیا۔ اور اس کا نام گار دانش رکھا۔ گورنر جنرل مارکوئیس ولزلی کے زمانہ میں جان گلگر کی فرمائش سے مولوی حفیظ الدین احمد نے عیار دانش کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اور خرد اور ذرا اس کا نام رکھا۔ یہ ترجمہ سول سروس کے امتحان میں شریک ہے۔ اور گلگتہ و لندن میں کئی بار چھپا ہے۔

پنج تتر کے معنی ہیں ”پانچ ابواب کا مجموعہ“ جرمن کے ایک مشہور عالم پروفیسر بن فانی نے اہل سنسکرت سے جرمن میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اور اسے ۱۸۷۱ء میں چھپوایا ہے۔ پروفیسر موصوف کا خیال ہے کہ یہ کتاب اہل میں تیرہ یا اس سے زیادہ ابواب میں تھی۔ امتداد زمانہ کے باعث اس کا بہت بڑا حصہ تلف ہو گیا۔ اور صرف پانچ باب زمانہ کی دست برد سے بچ گئے اور زمانہ اب بعد میں پنج تتر کے نام سے مشہور ہوئے ہیں جو کتاب پہلوی میں ترجمہ ہوئی وہ موجود ہے پنج تتر تھے۔ مگر مکمل مجموعہ تھا جس کا بقیہ حصہ موجود ہے پنج تتر ہے۔

سربانی کلیدہ و منہ کو جو براہ راست پہلوی سے ۱۸۷۱ء کے قریب ترجمہ ہوئی ہے پروفیسر بجل نے ۱۸۷۱ء میں چھپوایا ہے۔ اس میں کل دس ابواب ہیں۔

ابن المقفع کے عربی ترجمہ کی اشاعت اٹھارھویں صدی کے ثلث ثانی سے شروع ہوئی ہے۔ سب سے پہلے ایک جرمن عالم پروفیسر ٹلنٹن نے اس کے دو باب کو لاطینی ترجمہ کے ساتھ ۱۸۷۱ء میں شائع کیا اس کے قریباً چالیس سال کے بعد پروفیسر وی ساسی نے ۱۸۷۱ء میں چار نسخوں سے مقابلہ کر کے کلیدہ و منہ کو شائع کیا۔ اس میں کل اٹھارہ باب ہیں۔ پروفیسر گیدڈی نے ۱۸۷۳ء میں عربی کلیدہ و منہ کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ اور اس میں وی ساسی کے نسخہ پر تین باب اور اضافہ کے ۱۹۷۱ء میں پروفیسر شیخو نے کلیدہ و منہ کو نہایت اہتمام سے چھپوایا۔ اور اس میں وہ تمام ابواب شامل کئے گئے جو اس وقت تک کلیدہ و منہ کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں ملے ہیں۔ اور ان کی مجموعی تعداد ۲۱ ہے۔ اور ان میں اخیر کے دو باب کو اسحاقی بتایا ہے۔ عربی کلیدہ و منہ کے اکیس ابواب کی تفصیل یہ ہے۔

باب ۱۔ ہنود بن سحواں عرف علی بن شاہ فارسی کا مقدمہ۔

۱۵۔ سحواں۔ وی ساسی نے اس نام کو سحواں لکھا ہے۔

نصرت اللہ کی کھیلہ دم نہ۔ انوار سیلی۔ عیار دانش وغیرہ کے اس وقت تک جس قدر تراجم اور ایڈیشن شائع ہوئے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے۔

کلیله و دمنه نصرالدین مستوفی - بمبئی ۱۳۰۲ھ طهران ۱۳۰۵ھ

انوار سہیلی - لندن . ہر فورڈ اسٹیم

فکلتہ: ۱۲۳۱۔ مدراس ۱۲۲۲ء بمطابق ۱۲۹۴ء بمبئی ۱۲۲۳ء نو لکھنؤ ۱۸۸۶ء

ترکی ترجمہ - ہمایوں نامہ - ج ۱۵۳ - اسلامبول ۱۲۹۳ھ -

اُردو ترجمہ۔ مترجمہ محمد ابراہیم علی۔ مدراس ۱۸۲۲ء۔ ۶۔

بستان حکمت لکھنؤ ۱۲۶۱ھ۔

انوار علی۔ انگریزی ترجمہ۔ مترجمہ اسٹاک۔ ہر فورڈ ۱۲۵۴ء

مترجمہ و سٹن۔ لندن ۱۸۷۶ء

عبار دوش لکھنو ۱۸۷۹ء

اردو ترجمہ - خود افروز - ہر نفور و ط ۱۸۸۶ء

نگار دانش لکھنؤ ۱۹۸۹ء

انوار سبیلی اور عیار دانش کے دیباچوں میں لکھا ہے کہ رودکی نے سلطان محمود کے حکم سے کلیلہ دمنہ کو نظم کیا۔ لیکن یہ خطائے عظیمہ رودکی نے سلطان محمود کی تخت نشینی سے پہلے ۳۲۹ھ میں وفات پائی۔ اور امیر نصربن احمد سامانی (۳۳۱ھ) کے حکم سے کلیلہ دمنہ کو نظم کیا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن محمود بن احمد الغنیثا پورٹی۔ علوم دینیہ میں امام وقت مانے جاتے تھے۔ یتیم خانہ اور ان کا وطن تھا۔ غزنین میں سکونت تھی۔ ۵۲۹ھ ہجری بمقام شاہان کی بدرجہ غایت غرت و تعظیم کیا کرتا تھا۔ ۵۳۹ھ میں سلطان سخر سلجوقی نے بہرام شاہ پر لشکر کشی کی۔ تو بہرام شاہ نے امام صاحب کو سفیر بنا کر سخر کے دربار میں روانہ کیا۔ امام صاحب نے قنکین آباد کے پاس سخر سے ملاقات کی۔ اور کچھ ایسی باتیں کیں کہ فوراً مصالحت ہو گئی۔

مشہور عارف گزے ہیں۔ امام ابو یوسف ہمدانی کے مدیتے۔ مؤرخین نے ان کے اشعار کی تعداد تیس ہزار بیان کی ہے دیوان کے علاوہ ان کی تصنیفات سے حسب ذیل ثنویات ہیں۔

حدیقہ الحقیقت سیر العباد زاد الساکین طریق التخصیص کارنامہ طبع عشق نامہ عقل نامہ ہر روز و ہر نام و غیر
حدیقہ چھپ گیا ہے۔ اور عام طور پر ملتا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے غریب نامہ کو بھی شیخ کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔
لیکن حقیقت میں یہ مثنوی خواجہ جین تنائی کی تصنیف ہے جو مرزا ابراہیم معزی کے ندیوں سے تھا۔ شیخ نے ایک موطول
قصیدہ میں سلوک کے معارف و حقائق بیان کئے ہیں۔ اس کا نام رموز الالباب و کنوز الاولیاء ہے۔ اور اس کا پہلا
شعر یہ ہے۔

طلب اے عاشقان خوش فاقہ طرب اے نیکو ان شیریں کار

شیخ نے غزنین میں وفات پائی ہے۔ تاریخ میں اختلاف ہے۔ حمد اللہ مستوفی لکھتا ہے کہ بہرام شاہ کے زمانہ
میں انکا انتقال ہوا ہے۔ دولت شاہ نے لکھا ہے بیان کیا ہے۔ مولانا جامی اور مولوی فرشتہ نے ۵۲۵ بتایا ہے
ریاض العارفین میں ۵۲۵ھ و مجمع النعمان میں ۵۲۵ھ مذکور ہے۔ شیخ کے کلام میں امیر معزی کا مرثیہ موجود ہے۔ امیر معزی
نے سلطان شہر کے تیرے ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔ پس ظاہر ہے کہ ۵۲۵ھ کے بعد شیخ نے وفات پائی ہے۔
مرثیہ کے دو شعر یہ ہیں۔

گزر ہر کچھ دو دم آید نہ گفت ست در ماتم طرب افزائے معزی

کو حسرت نہ رہے تیش چو تیاں نبشتہ عطار و بفرائے معزی

عبد الوہاب جلی گرستان کا باشندہ ہو۔ وطن سے ہر اس میں اگر کب کمالات کیا۔ یہاں سے غزنین میں آیا
اور بہرام شاہ کے دربار میں قویا جا رسال باریاب رہا۔ متعدد قصائد غزاد شاہ کی مرثیہ میں تصنیف کیے۔ اس کے بعد
سلطان شہر کے پاس چلا گیا۔ اور وہاں مدایح عالیہ حاصل کئے۔ قصیدہ گوئی میں مشہور استاد و صاحب انشکدہ نے جب
ذیل الفاظ میں اس کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔

درن قصیدہ گوئی طرغامی دارد کہے از استادان ماہر در آل طریق بر تہ آن ز سیدہ

۵۵۵ میں اس کا انتقال ہوا۔

نورایاۃ شرف الدین ابوعلی حسن بن ناصر العلوی۔ غزنین کے شاہیر صوفیہ سے ہیں۔ بہرام شاہ جب تخت نشین ہوا تو اس کی تہنیت میں آپ نے ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

ندائی برآمد زہفت آسمان کہ بہرام شاہ بہت شاہجاں

آپ غزنین میں مرجع خلائق تھے۔ اور آپ کی مجالس وعظ و تذکیر میں عموماً ساٹھ ترسہزار آدمیوں کا مجمع رہا کرتا تھا اور ہزار ہا آدمی آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھے جس کی وجہ سے بہرام شاہ بے اطمینان رہا کرتا تھا۔ پس آپ غزنین سے نکل کر حرمین شریفین کو چلے گئے۔ اور ایک مدت کے بعد وہاں سے واپس ہو کر ولایت جوین میں لے گئے۔ اور ۵۶۵ھ میں اسی جگہ آپ کا انتقال ہوا۔ سلطان مسعود اور بہرام شاہ کی مدح میں آپ نے بہت سے قصائد لکھے ہیں۔ ان میں سے بعض قصائد کو صاحب مجمع لفظی نے نقل کیا ہے۔ زمانہ قیام مکہ معظمہ میں آپ نے ایک قصیدہ بہرام شاہ کی مدح میں لکھا تھا جس کے دو بیت یہ ہیں۔

ہرگز بود کہ باز بہ بنم نقائے شاہ شکرانہ درد ویدہ کشم خاک پائے شاہ

سیارگان چرخ ورافتہ چون شہاب پاز برون نند ز حد و فائے شاہ

علاوہ ان کے شعرا کی ایک کثیر جماعت بہرام شاہ کے دربار میں موجود تھی۔ اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو ان کی ایک مفصل فہرست تیار ہو سکتی ہے۔ بخوف طوالت ہم صرف چند مشہور شعرا کے نام لکھتے ہیں۔

۱۔ اہل الشعر اجمال الدین محمد بن ناصر العلوی ۴۔ جمال الشعر عبد الحمید البہری

۲۔ تاج لکھا ابو بکر محمد بن علی الروحانی ۵۔ استاد الدائم عماد الدین الغزنوی

۳۔ مختار الشعر اسعد الدین مسعود النوکی ۶۔ حکیم الحکما ابی الرجا شہاب الدین علی الغزنوی

عونی نے اپنے تذکرہ لباب الالباب میں ان شعرا کے حالات لکھے ہیں۔ اور قصائد اور دیگر کلام کو بھی نقل کیا ہے۔ استاد عماد الدین کی نسبت لکھا ہے کہ

استاد شعرے عصر و مقتدائے فصائے دہر بود۔ و دیوان اشعار ہم دارد۔

صاحب مجمع لفظی نے لکھا ہے کہ ابی الرجا کا ۵۹۵ھ میں انتقال ہوا۔

باب یازدہم

آل سبکتگین کا انقراض

برہام شاہ کی وفات - برہام شاہ کے جانشین خسرو شاہ - خسرو ملک کا پڑا شوہر زمانہ ابو الحسن

یوسف بن نصر کا کاتب - شہاب الدین محمد - جمال العباسی یوسف بن محمد الموریدی -

مورخین نے برہام شاہ کے انتقال کی مختلف تاریخیں بیان کی ہیں - فخر الدین بکھٹی نے ۷۳۲ھ اور محمد اللہ مستوفی نے ۷۳۵ھ لکھا ہے - بقول صاحب طبقات اکبری و ملا عبد القادر بدایونی و فرستہ ۷۳۵ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے - تاریخ ابن اثیر میں رجب ۷۳۵ھ مذکور ہے - قاضی منہاج سراج نے ۷۳۵ھ بیان کیا ہے -

برہام شاہ کے بعد خسرو شاہ حکمران ہوا - فخر الدین بکھٹی - محمد اللہ مستوفی - امام بیضاوی وغیرہ نے اس کو آل سبکتگین کا اخیر بادشاہ لکھا ہے - مورخ بکھٹی کی عبارت یہ ہے -

سلطان خسرو شاہ بن برہام شاہ بحکم وراثت قائم مقام پدر شد - چون علاء الدین برسیہ خسرو شاہ بگریخت

و بہ ہند و سمان رفت علاء الدین غزنہ راقل و تاراج کرد - و پیران برادر غیاث الدین ابو الفتح

و شہاب الدین ابو الفتح پیران سام بن حسن را آبخا بگذاشت و ایشان بمل خسرو شاہ را بدست آوردند

و بہ قلعہ فرستادند و انقراض دولت غزنویان شد - خسرو شاہ در سنہ خمس و خمسائے وفات یافت

برخلاف اس کے ابن اثیر - منہاج سراج - میر خوند - احمد غفاری - نظام احمد بدایونی - فرستہ وغیرہ کی تصریحات

سے ثابت ہے کہ خسرو شاہ کے بعد اس کا لڑکا بادشاہ ہوا - اور اس نے باختلاف روایات بیس یا اٹھائیس سال

بادشاہت کی ۷۳۵ھ میں شہاب الدین غوری نے لاہور کو فتح کر کے اسے گرفتار کر لیا - تو اس پر سلطنت آل سبکتگین

کا خاتمہ ہو گیا -

اس اخیر بادشاہ کا نام ابن اثیر نے ملک شاہ بن خسرو شاہ لکھا ہے۔ قاضی مہناج سرلج حسن نظامی بمیر غوندہ وغیرہ خسرو ملک بیان کیا ہے حسن نظامی نے فتح لاہور کے تحت میں تصریح کی ہے کہ خسرو ملک کے لڑکے کا نام ملکشاہ تھا۔ اور عہد میں خسرو ملک نے گشتگوئے صلح کے لیے اسے سلطان شہاب الدین کے یہاں روانہ کیا تھا۔

بہرام شاہ کے اخیر زمانہ سے تاریخ آل سلجوق کا پراشوب زمانہ شروع ہوتا ہے۔ یہ چالیس سال جنگ جلال میں گزرے ہیں۔ اس مدت میں سلطین غزنویہ کو اطینان نہیں ملا ہے۔ علاوہ غور کے شاہان آل شہب سلطین غزنویہ کے باج گزار تھے۔ اور انہوں نے بہرام شاہ سے ازدواج و مناکحت کے ذریعہ رشتہ بھی پیدا کر لیا تھا۔ بہرام شاہ اپنے داماد تھب الدین والی فیروز کوہ کو قتل کر دیا تو انتقام لینے کے لیے اس کے بھائی سیف الدین والی غور نے غزنین پر یورش کی۔ بہرام شاہ سے مقابلہ نمود کا تو پنجاب میں چلا آیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد اگلے غزنین کی شرکت سے بہرام شاہ نے سیف الدین کو گرفتار کر لیا۔ اور اسے بری طرح سے ذلیل و رسوا کر کے قتل کر دیا۔ دو بھائیوں کے قتل ہونے سے علاء الدین کو سخت اشتعال ہوا اور اس نے فوج کثیر لے کر غزنین کا رخ کیا۔ طرین میں لڑائی ہوئی۔ غزنین پر علاء الدین نے قبضہ کر کے آگ لگا دی۔ اور وہاں کے تمام باشندوں کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے اس کا لقب جہاں سوز مشہور ہوا۔ بہرام شاہ شکست پا کر حجاب میں آیا۔ اور اسی اتار میں اس کا انتقال ہو گیا۔ بہرام شاہ کے بعد خسرو شاہ اور خسرو ملک کا زمانہ بھی غوریوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں گزرا۔ خسرو شاہ نے غزنین واپس لینے کی دوبارہ کوشش کی۔ لیکن ہر وقت ناکامیابی ہوئی خسرو ملک کے زمانہ میں غوریوں نے پنجاب پر ہم حملہ کیے یہاں تک کہ سلطنت آل سلجوق کا نشان مٹا دیا۔ باوجود اس قدر غیر ماموں اور پراشوب حالت کے خسرو شاہ اور خسرو ملک کے دربار اباب کمال سے خالی نہیں تھے۔ علم و ہنر اور شعر و سخن کا تھوڑا بہت چرچان کے خاتمہ تک جاری تھا۔

صدالاجل جہاں الدین ابو الحسن یوسف بن نصر اکاتب۔ خسرو شاہ اور اس کے لڑکے خسرو ملک کے دیوان الاشارہ کا افسر اعلیٰ تھا۔ فنون ادیبیہ میں اس کو کمال ہمارت حاصل تھی۔ عربی فارسی میں اس کے دو دیوان مشہور ہیں بڑا عالی ہمت اور قدردان شخص ہوا ہے۔ اس کے بعض قصائد مدحیہ عوفی نے اپنے تذکرہ میں نقل کیے ہیں۔

الرئیس شہاب الدین محمد بن رشید۔ اس کا باپ سلطان ابراہیم کے ذمیان خاص سے تھا یسوع و سعد سلمان نے اس کی طرح میں قصائد لکھے ہیں۔ شہاب الدین خسرو ملک کے اہل دربار سے ہے۔ اور اس زمانہ کے مشاہیر علماء میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ ۹۵۹ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس نے سلطان کی طرح میں جو قصائد منظوم کیے ہیں منجملہ اولن کے ایک قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں۔

روزی خوش است ابرو در آفاق میکشد دل سوئے ساقیانِ سخن ساق میکشد
دستان مرغ پر دہ عشاق می زند عشرت گرفتہ دامن عشاق میکشد
باد صبا ز کلمہ فیروز گونِ باغ خنداں ہزار لعبتِ نغمہ ق میکشد
مستی ز ہوشیاری خوشتر مر ازانک مستی بچ خسرو آفاق میکشد

جمال الفلاسفہ ثقہ الدین یوسف بن محمد اور بدلی بلندی پایہ عالم اور یکتائے عصر فلسفہ داں ہوا ہے۔ خسرو ملک کے امیران کبار سے تھا۔ ایام شباب میں اس نے بڑے بڑے تمام سلطنت انجام دیے جب سلطنت غزنویہ تباہ ہو چکی تو یہ بھی فقیر ہو کر گوش نشین ہو گیا۔ اس کا مزار خطہ لاہور میں مدت مدید تک زیارت گاہ خاص و عام رہا ہے۔

فرہنگِ علمِ ہیئت

(مرتبہ جناب مولوی مرزا محمد امدادی صاحب بی لے لکرن ڈارالترجمہ عثمانیہ لونیوٹری)

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

ارض - (دیکھو مبادی ارض ضمیمہ) *Earth*

وہ سیارہ جس پر ہم سکونت رکھتے ہیں یہ کرہ نامشکل کاسہ قطبین کے پاس بچک کے چٹا ہو گیا ہے۔

زمین تاب *Earth shine*

وہ حصہ چاند کا جو تاریک ہوتا ہے ہمال کے پہلے دوسرے دن اکثر کسی قدر ہلکی سرخ روشنی سے روشن دکھائی دیتا ہے یہ روشنی درحقیقت زمین کی روشنی کا انعکاس ہے۔

طریق الارض *Earth way*

جو زاویہ درمیان کسی ستارہ کی سمت مری اور زمین کی سمت حرکت سالانہ میں کسی وقت مبین میں بنتا ہو اس کو مخرج اوجاج شعاع کے حساب کے لئے کام میں لاتے ہیں۔

مخرج استدارہ مدار *Eccentricity of an orbit*

کسی بیضوی مدار میں مرکز بیضوی سے کسی نوکس تک فاصلہ جو قطر اعظم کو واحد فرض کر کے لیا جائے اس کو مخرج استدارہ اس مدار کا کہتے ہیں مثلاً اگر مخرج استدارہ کسی بیضوی کے قطر اعظم کا ایک پانچواں حصہ ہو تو اس کی کسر الشعاری ۲/۵ ہوگی۔

زمین کے مدار کا فخرج الاستادہ *Eccentricity of the Earth's Orbit*

یہ مخرج الاستدارہ ۱۶۷۷ء - یعنی تقریباً ۱۶۷۷ء - لی ویریر کے نزدیک یہ اختلاف عام ہے اکثر اور عام۔۔۔ اقل
حدوں میں کم و بیش ہوتی رہتی ہے - فی زمانہ مخرج الاستدارہ کم ہو رہی ہے لیکن کہیں ہزار ہا سال میں حد اقل
تک پہنچے گی ہارکنس (Harkness) نے ضابطہ لکھا ہے۔

Cgress. ۱۲۰۲

جب عطار دیا زہرہ قرص آفتاب سے گذر کے باہر نکل جائے یا کوئی تابع اپنی مطبوع کے قرص سے نکل جائے۔

$$\left(\frac{200-Q}{100}\right) \dots \dots \dots 1346 - (100 \cdot Q) \cdot 5 \dots \dots 1215 - 5 \cdot 1461 \cdot 19 = 2$$

خ سے مخرج الاستدارہ اور ق سے وقت مراد ہے کسی آئندہ مبدیٰ وقت کے لئے۔

Eclipse (کسوف و خسوف) کی حالت

ایک جرم سماوی کا دوسرے کے سایہ میں گزرنا۔ مثلاً قمر کا زمین کے سایہ میں گزرنا۔ اتنا رشتہ ہی کا سیارہ مذکور
کے سایہ میں چھپ جانا یا آفتاب کا قمر کے نکل کے پیچھے آجانا۔ و حقیقت یہ اخفا یا حیلوت ہو اکثر تورات قمر کی آڑ میں
اگر پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ و کلمہ occultation

انفار حیلوت

طريقه الشمس *Ecliptic*

دائرة البروج - دائرة منطقة البروج - فلك البروج

وہ عظیمہ جس پر آفتاب (یا زمین) گردش سالانہ طے کرتا ہے۔

Ecliptic obliquity of Electra دائرة البروج کا میل obliquity دیکھو

Plerades. ثریا کا ایک ستارہ

دوہرے ستارے کے مدار کے مبادی *Elements of a Binary star orbit*

وہ مقداریں جن سے کسی ثابتہ کے مدار کا تعین امکان فی فضائیں ہوتا ہے بحوالہ اس سطح کے جو کہہ آسمانی کو ماس

فرض کی جاتی ہے یعنی فضا عقب آسمان جس جگہ ستارہ اول واقع ہو (ستارہ اول سے متبوع ثابتہ مراد ہے جس کے

گردش بہ دوم حرکت کرتا ہے پہلے کو اول یا اولیٰ اور دوسرے کو ثانوی کہتے ہیں ان مبادی میں وہ مدت بھی داخل ہو جو گردش میں صرف ہوتی ہو جب کہ ایک دوسرے کے گرد دیا دونوں مرکز ثقل مشترک کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ اور انہیں میں داخل ہے ثابۃ کے بعد اقرب کے گزرنے کا وقت خاص اور پہلی مدار کا مخرج الاستدارہ مبادی کی تفصیل یہ ہے۔

مدت دور برسوں کی تعداد میں کسرات وقت بعد اقرب مخرج الاستدارہ زاویہ الوضع جو زہرین یا عقدنیلن میلان سطح ظلی پر موضع بعد اقرب جو زہر شمالی یا جنوبی سے (جس کو حصہ العرض کہتے ہیں) نصف قطر ثوانی قوس میں۔

و مدار تارے کے مدار کے مبادی *Elements of a comet's orbit*

سطح دائرہ البروج کے جو الہ مدار ذوقب کی وضع کا تعلق جن مقداروں سے ہوتا ہے۔ طول موضع بعد اقرب یا کوکب ذوقب کا طول جب کہ بعد اقرب سے گزرے۔ طول عقدہ صاعدہ یا شمالی آفتاب سے (یعنی آفتاب سے اگر مشاہدہ کرتے تو کیا ہوتا) بعد نقطہ بعد اقرب آفتاب سے زمین کے بعد کو واحد مان کے۔ میلان مدار کا سطح دائرہ البروج کے ساتھ دوسرے مبادی وقت بعد اقرب سے گزرنے کا بشرطیکہ مدار بیضوی ہو (اگر مکانی یا زائد ہو تو وہ غیر ممکن ہے) مدت دورہ گرد آفتاب برسوں میں مع کسرات مخرج الاستدارہ مدار۔

مبادی مدار سیارہ *Elements of a planet's orbit*

وہ مقداریں جن سے کسی سیارہ کے مدار کا تعین فقہا میں ہوتا ہے جو الہ سطح دائرہ البروج بعد اوسط آفتاب سے بعد ارض کو واحد فرض کر کے مدت دورہ خاصہ ایام وسطی شمسی کے حساب سے مخرج الاستدارہ میلان مدار کی سطح کا سطح دائرہ البروج سے طول عقدہ صاعدہ طول بعد اقرب عقدہ صاعدہ (قدیم اصطلاح سے حصہ العرض مرکز) سیارہ کے مدار پر (یعنی فلک حال پر قدیم اصطلاح سے) مبدی حرکت یعنی سیارہ کا موقع کسی مینہ وقت میں مثلاً یکم محرم ۱۲۸۵ ہجری جس کو جامع بہادر خانی نے سن طیفانی کے نام سے مندر قرار دیا ہو یا یکم جنوری ۱۸۷۴ء یا مثلاً یکم جنوری ۱۸۷۴ء۔

واضح ہو کہ ہماری رسام میں ایل خانی انج بیگی محمد شاہی سلیمان جاہی بہادر خانی سب نے اپنا اپنا مبدی اپنی اپنی رصدیں مقرر کیا تھا۔ ان مبادی میں ایک وہ مقام ہے جہاں تاریخ مبدیہ موضع کوکب کے معین کے لئے مقرر ہوا تھا اور

اب جہاں موضع کو کب دریافت کرتا ہی بعد اور سمت کا جاننا ضرور ہے مثلاً اہل بہت کی بہتیں ہیں انہی بیگی نے عمر قد
محمد شاہی کے لئے دہلی - انگریزی گریجو لڈن کے قریب جہاں دولتی صدقہ ہے -

Elements of a variable star

مبادی کو کب متغیر اللون

(۱) وقت نور اقل و اعظم (۲) اوسط مدت اقل سے اقل تک یا اعظم سے اعظم تک (۳) قدر کو کب اقل اور اعظم

اکثر نہایت دقیق ضابطوں سے استخراج ہوتا ہے -

Elevation

ارتفاع

یہ لفظ انگریزی میں *Altitude* کے مراد استعمال کیا جاتا ہے -

واضح رہے کہ آسمانی پیمائش مسی یا زاویہ سے ہوتی ہیں - مثلاً ارتفاع آفتاب سطح افق سے ۵۴ درجے ہی لفظ
ارتفاع انچائی کے لئے بھی متعل ہے مثلاً پہاڑ کا ارتفاع سمندر کی سطح سے ڈھائی میل ہے -

Ellipse

بیضوی

قطوع مخروطات سے ایک جس کو ناقص قطع ناقص کہتے ہیں -

اگر ایک مخروط کو اور ب آر پار کاٹیں تو بیضوی پیدا ہوگی - بیضوی میں توس محیط کے ہر نقطہ کو دوری ایک نقطہ
معین سے جو اس کے اندر ہے اسی نقطہ مفروض توس کی عمودی دوری سے ایک خط کے ساتھ جو بیضوی کے باہر ہوتا ہے
ایک خاص تناسب رکھتی ہے نقطہ معین کو فوکس اور خط کو ناظم کہتے ہیں - فوکس دو ہوتے ہیں دونوں قطر اعظم پر مرکز سے
برابر فاصلہ ہے ایک اور خاصہ بیضوی کا یہ ہے کہ کسی نقطہ توس کی دوریوں کا مجموعہ فوکسین سے ہمیشہ یکساں رہتا ہے
مسادی قطر اعظم بیضوی کے اسی خاصہ سے اس کا بنا ناہل ہے جس کا مذکور ہو چکا ہے -

Elliptic motion

حرکت بیضی

اصطلاحاً اس حرکت کو کہتے ہیں جب کہ ایک جسم بیضوی کے ایک فوکس پر ہو اور اس کے گرد دوسرا جسم مدار بیضوی

پر حرکت کرے -

Ellipticity of the earth and Planets.

بیضویت ارض و سیارات

اس کا بیان *Compression* دباؤ میں ہو چکا ہے -

سبق *Elongation*

فصل طول کو کب (سیارہ) و طول شمس۔ تابع اور متبوع کے درمیان میں نوی فاصلہ بھی اس تابع کا سبق ہی۔

انجلا *Emersion*

حیولت کے بعد قمر یا کسی تابع کا سایہ سے نکلنا۔

انقلاب دوس *Enceladus*

ایک تابع قمر ظل کا نام ہے۔

اگر شمار سیارہ سے شروع کریں تو یہ دوسرا تابع ہی مدت دور ایک دن ۸ گھنٹہ ۳۳ منٹ ۱۵ سیکنڈ... اہل اس کا قطر ٹھیک معلوم نہیں ہوا اس کو سرولیم ہرشل نے ۲۸ اگست ۱۷۸۱ء میں دریافت کیا تھا قدر پر و فیسر کیزنگ کے نزدیک ۱۲۳ جب کہ استقبال اوسط میں ہو۔

Enib & Pegasi

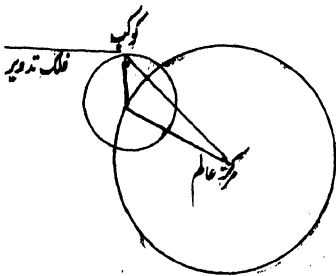
عدد کبیسہ *Epnact*

تقویم کو اکب۔ جدول مواضع الکواکب *Ephemeris*

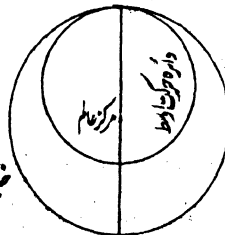
تدویر *Epicycle*

ایک چھوٹا دائرہ جس کا مرکز دوسرے بڑے دائرے کے محیط پر۔

جب کہ زمین کو مرکز عالم تصور کرتے تھے۔ قدما نے سیاروں کے اختلاف حرکت کے بیان کے لئے دو طریقے اختیار کئے تھے ایک بذریعہ دائرہ خارج المرکز۔ دوسرے بذریعہ تدویر۔



خارج المرکز



Epoch

مبد

کوئی تاریخ جو حساب علم ہیئت یا مواضع کو اکب کے لئے مقرر کی جائے۔

تعديل سالانہ Equation Annual

آفتاب کس زمين سے ابعاد کے بننے سے قمر کی حرکات میں جو تفاوت ہوتا ہے اس کی تصحیح کے لئے جو مقادیر مستعمل ہوتی ہے۔

تعديل اعتدالین Equation of equinoxes.

نیوٹن کے سبب سے نقطہ اول محل میں ایک برس وپیشی ہوا کرتی ہے اس کی مدت ۸۱۱ سال میں وسطی اور حقیقی مقاموں میں جو فرق واقع ہوتی ہے اس کو تعديل اعتدالین کہتے ہیں وہ تقریباً ۱۱ دقیقہ ۲۸ ثانیہ کے ہے

تعديل النور Equation of Light

وہ مدت جو آفتاب سے زمین تک آفتاب کی روشنی کے پہنچنے میں لگتی ہے ۸ دقیقہ ۱۸ ثانیہ ہے۔

تعديل المركز Equation of the centre

زمین یا کسی سیارہ کے طول وسطی اور طول حقیقی میں جو زاویہ فصل واقع ہے اس کی غلیم مقدار ایک درجہ ۵۵ دقیقہ ۳۳ ثانیہ ہے۔

تعديل الوقت Equation of Time

قدیم اصطلاح تعديل الايام

وقت مرنی (جو وقت آفتاب کے مشاہدہ سے استخراج کیا جائے) اور وقت وسطی میں جو وقت گھڑیوں سے دیکھا جائے) جو تفاوت ہو اس کو تعديل الوقت (تعديل الايام) کہتے ہیں (جدول تعديل الايام ملاحظہ ہو) وقت مرنی دھوپ گھڑی سے ظاہر ہوتا ہو دیکھو بیان Sun dial دھوپ گھڑی۔

تعديل شخصی Equation Personal

کسی ستارے کے عمر کے وقت نظر سے جو غلطی ہوتی ہے وہ مقدار غلطی کی ہر شخص کی ذات سے خصوصیت ہوتی ہے۔ ایسی ہی غلطی شخصی خصوصیت کے ساتھ اور شہادت میں ہوتی ہے۔ مثلاً ستاروں کی روشنی یا رنگ کی تبدیلی کا تخمینہ کرنے میں۔

محاولت شرطی Equation of Condition

کسی مساوات کے غرضوں میں جو تناسب ہو ایک دوسری مساوات سے یہ تناسب ظاہر کیا جائے تو اس کو دوسری

مساوات کو معادلت شرطیہ کہتے ہیں۔ ان مساواتوں سے بذریعہ مشاہدات کے ایک کلیہ مساوات میں محوروں کی قیمت دریافت کی جاتی ہے۔ یہ مساواتیں ایک خاص طریقہ سے حل کی جاتی ہیں جس کو طریقہ اقل مربعات کہتے ہیں۔ دیکھو۔

Method of least squares

Equator celestial

معدل النہار دائرہ استوائیہ فلکی

یہ دائرہ عظیمہ دائرہ انقلابیاریضیہ کی سطح کے کرہ ثوابت کو قطع کرنے سے پیدا ہوتا ہے دائرہ استوائیہ ارضی اور معدل النہار دونوں ایک ہی سطح میں ہیں۔ ہر نقطہ معدل النہار کے دائرہ پر قطبین فلک سے ۹۰ درجہ کے فاصلہ پر ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ فلکیات میں اسی طرح جو دائرہ عظیمہ کسی نقطہ سے ۹۰ درجہ کے فاصلہ پر ہو وہ اس عظیمہ کا قطب کیا جاتا ہے اور یہ دائرہ اس نقطہ کے تقابل سے منطبقہ کہلاتا ہے۔ ہر عظیمہ کے دونوں طرف دو نقطہ ایسی ہوتے ہیں جن سے ہر نقطہ عظیمہ کا ۹۰ درجہ کے فاصلہ پر ہوتا ہے یہ دونوں نقطہ اس عظیمہ کی نسبت قطبین ہوتے ہیں جو قطر کرہ کا قطبین میں گزرتا ہے اس کو کرہ کا محور کہتے ہیں۔

یہ تو معلوم ہو کر کہ کسی نصف دائرہ کے اپنے قطر پر گردش کرنے سے پیدا ہوتا ہے پس قطر نصف دائرہ گویا کرہ کا نصف قطر ہے۔

قطب اور منطقہ کی اصطلاح قدیم ہے۔ اس اصطلاح سے کسی ایک کرہ پر عظیمہ کا تعین سہل ہو جاتا ہے۔ دائرہ افق کے قطبین نقطہ سمت الراص اور نقطہ سمت القدوم ہیں۔

اصطلاح جدید سے اگر ایک عظیمہ پر دوسرا عظیمہ کسی نقطہ پر زاویہ قائمہ بنانا ہو رسم کیا جائے تو یہ عظیمہ پہلے عظیمہ کا ثانوی کہلاتا ہے۔ اس کو زوج بھی کہہ سکتے ہیں۔ ایسے بے شمار ثانوی ہر دائرہ پر کھینچے جاسکتے ہیں۔ معدل النہار کے کل دوائر مثلثہ ثانوی ہیں۔ دائرہ البروج کے دوائر عرضیہ ثانوی ہیں، دائرہ افق کے دوائر ارتفاع ثانوی ہیں۔

Equator of a Planet

وہ عظیمہ کسی سیارہ کی سطح پر جس کی سطح سیارہ کے محور گردش پر زاویہ قائمہ بناتی ہوئی گزرے اس عظیمہ کو اسی سیارہ کا دائرہ استوائی کہتے ہیں۔

Equator terrestrial

دائرہ استوائی ارضی۔

عظیمہ جو سطح ارضی پر قطبین سے ۹۰° کے فاصلہ پر ہو دائرہ استوائیہ ارضی ہو۔ اس کی سطح محور زمین پر زاویہ قائمہ
 بناتی ہے۔ دائرہ استوائیہ کو عموماً خط استوا بھی کہتے ہیں۔ یہ خط زمین کے نقشہ پر دائرہ استوائیہ کی گردش سے پیدا
 ہوتا ہے۔

Equatorial Horizontal parallax

اختلاف منظر استوائی افقی

کسی جرم فلکی کا اختلاف منظر جو مرکز ارضی اور سطح ارضی کے منظروں میں جو دائرہ استوائی کی سطح ارضی پر
 مشاہدہ کیا جائے یہ وہ زاویہ ہے جس کی مستوی زمین کا نصف قطر تقسیم کیا ہو اجرم مذکور کے بعد سے جو زمین
 کے مرکز سے ہو۔

Equatorial Telescope

استوائی دوربین

ایک دوربین جو اس طرح نصب کی جائے کہ اس کا محور اصلی قطب فلک کی طرف ہو لہذا یہ محور زمین کے
 محور گردش کے متوازی رہتا ہے۔ اس قطبی محور گردش کے متوازی رہتا ہے۔ اس قطبی محور پر ایک دوسرا محور
 عمود ہوتا ہے جو اس طرح دوربین کو گردش دیتا ہو کہ دوربین کو جس ستارے کی طرف چاہیں لگا دیں اور دوربین
 بذریعہ پرزوں ستارے کے ساتھ رہتی ہے اس طرح کہ ستارہ ہمیشہ دوربین سے دکھائی دیتا رہے۔ دوربین کے ساتھ
 زاویوں کے ناپنے کے لئے تقسیم شدہ دائرہ لگے رہتے ہیں تاکہ گردش کی مقدار ناپ سکیں۔

Equinoctial points.

نقطتین اعتدالین نقطہ راس اہل نقطہ راس المیزان

وہ دو نقطے جہاں دائرہ معدل النہار دائرہ البروج کو قطع کرتا ہے۔ ایک کو نقطہ اول حمل کہتے ہیں جس کی
 علامت ♈ ہے اور دوسرا نقطہ راس المیزان ہے جس کی علامت ♎ ہے۔ عربی میں اول کی علامت
 ♈ ہے اور دوسرے کی ♎ ہے۔ استقبال اعتدالین کے سبب سے راس اہل اب برج حوت میں آگیا ہے اور
 راس المیزان سنبلہ میں۔

Equinoxes

اعتدالین

وہ نقطے جہاں معدل النہار دائرہ البروج کو قطع کرتا ہے وہ نقطہ جہاں سے آفتاب جنوب سے شمال کو چڑھتا
 ہے اعتدال ربی کہلاتا ہے اور جہاں سے آفتاب شمال سے جنوب میں اترتا ہے اعتدال خریفی کہلاتا ہے۔

یہ شمالی نصف کرہ کو لٹے ہوئے اور جنوبی نصف کرہ میں معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی جو شمال میں اعتدال خریفی ہو وہاں اعتدال زمینی ہے اور اعتدال زمینی خریفی ہے۔ فصول کی ترتیب بھی اس کے موافق ہے۔

اعتدالین کا استقبال - *Equinoxes precession of*

دیکھو استقبال اعتدالین *Precession of equinoxes*

قرص اصغر *Equinus (The little horse)*

النہر - جنوبی اشکال سے ہے *Eridanus (The Peaer)*

الرامی - ح قیفاؤس *Errai (cephii)*

خطائے نظنون *Error, probable*

ایک سلسلہ مشاہدات میں ہر مشاہدہ میں کسی قدر خطا کا احتمال ہے۔ کسی سلسلہ مشاہدات میں خطائے نظنون سے وہ مقدار مراد ہے جس سے تعداد اقل خطاؤں کی اکثر خطاؤں کے مساوی ہو پر و فیفسر سرسین کا طریق اول مرجات اتی قسم ہے

Establishment of the part

مقرر کے بعد ایک مدت جب کہ بحر میں مد کا وقوع ہو کسی خاص بندرگاہ میں۔ مقرر اور شمسی دونوں کے لئے یہ مدت معلوم کے تصحیح اوقات مدو جزر کرنا ہوتا ہے۔

ح استین - اس ستارہ کو اس استین کہتے ہیں *Etanin of draconis*

وہ موموم مادہ جو تمام فضا میں بھرا ہوا ہے۔ اثير *Ether*

اس واسطے سے حرارت روشنی اور غالباً کمر بایہ بھی آفتاب اور دوسرے اجسام منیرے زمین کو پہنچتے ہیں۔

اختلاف قمر *Erection of moon*

قمر کی رفتار میں یہ سبب اس کے مدار بھنی ہونے کے جو تغیر واقع ہوتا ہے۔ آفتاب کے جذب سے جو اضطراب مدار بھنی کے مخرج استدارہ کو عارض ہوتا ہے وہ خطا و ج و ضعیض (خطا مرکزی) کی وضع پر موقوف ہو۔ اس اختلاف کو بطليموس نے دریافت کیا تھا لیکن ابرخس کو بھی اس کا احتمال تھا۔

مقدار اعظم اس اختلاف کی ایک درجہ۔ تھوہ ۹ ر ۹ ثانیہ ہے۔

Exterior planets

سیارات علوی - سیارات خارجی

خارجی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سیارات مدار ارضی کے باہر ہیں۔ علوی اس لئے کہ مدار ارضی سے دور یا بالاتر ہیں مریخ سیارات صغائر مشتری زحل یورانس نیپچون علویات ہیں۔

Extinction of Light

انطفاء النور

اجسام نیرہ کی روشنی کا اثر میں منتشر ہو کے بتدریج ناقص ہونا بھی یہ مسئلہ عرض تحقیق میں ہے۔

Eyepiece

عدسہ نظر۔

ایک یا کئی عدسوں کا نظام چشمِ نظر کے پاس دور بین میں۔ اس عدسہ سے وہ تصویر جو عدسہ شے پر پڑتی ہے وہ بڑی دکھائی دیتی ہے۔

Facloe of the sun

روشن جسمِ سطحِ آفتاب کو جو آفتاب کے دائروں کے قریب دکھائی دیتے ہیں پانچ مقامات سے داغ غائب ہو جاتے ہیں یا جہاں ظاہر ہونے والے ہوتے ہیں۔

Falcated

قمر یا عطارد یا زہرہ جب وہ ہلال کی شکل میں ہوں

Field of view ساحت نظر

وہ حصہ آسمان کا جو دور بین سے دکھائی دیتا ہے۔ جس قدر دور بین قوی تر ہوگی یہ حصہ کمتر ہوگا بہ نسبت کم قوت دور بین کے۔

*Filar micrometer**First quarter*

(تربیع - quarter دیکھو) تربیع اول

ایک چھ ماہی آئینہ وطن کی انعکاسی درجہ میں ہیں جس میں شعاعوں کا انعکاس شیشہِ نظر سے ہوتا ہو۔ Flat

Flora

فلورا۔

سیارات صغائر سے ایک کا نام ہے جو آفتاب کے گرد مدار مریخ اور مشتری کے درمیان دورہ کرتے ہیں

۱۸ اکتوبر ۱۸۵۸ء میں ہند نے دریافت کیا تھا مدت دورہ کی ۳۷۶ سال ہو اور بعد آفتاب سے ۲۰ ر ۲۰ بدارض کو واصل کن اس کی قدر مقابلہ کے وقت ۵ اور نصف قطر ۶۰ میل تقریباً ہے۔

۱۔ اکیل شمالی فک۔ *Fredx coronal Borealis.*

بیضوی کے دونوں فوکس *Focii of an ellipse*

فوکس کا نام قدیم اصطلاح میں نقطہ ماسکہ ہے۔ لیکن یہ اصطلاح بیضوی کی ساخت کی بنا پر ہے اس لئے صاحب حدائق النجوم نے فوکس یا فوکر لکھا ہے فوکسین ثنئیہ یا فوکرین۔ صفت فوکر یہ یہ دونوں نقطے قطر اعظم جائز مرکز سے برابر دوری پر ہوتے ہیں۔ مرکز سے فوکس کا بعد مخرج الاستدارہ پر موقوف ہو۔ جس قدر مخرج الاستدارہ کم ہوگا، فوکس قریب تر ہوں گے بیضوی کی گولائی زیادہ ہوگی اگر مخرج الاستدارہ زیادہ ہوگا بیضوی لموتر ہوگی۔ بعد فوکس قطر صغریٰ کی حدوں سے برابر نصف قطر اعظم کے ہوتا ہو۔ اور محیط کے ہر نقطہ سے دونوں فوکسوں کے بعدوں کا مجموعہ دائماً برابر قطر اعظم کے ہوتا ہے۔

مجمع النور۔ فوکس *Focus*

وہ نقطہ جہاں بعد انعکاس کے شعاعیں جمع ہوتی ہیں۔ عدسہ یا مینہ سے کل کے۔

Fomalhautx Priscis Australis

حوت جنوبی کا مونہ

Forces Disturbing.

قوائے منیرہ

Fornax (the Furanace)

محمہ۔ ایک شکل جنوبی ہے

Foucault's Experiment

تجربہ فوکالت

ایک تجربہ بہ تجویز فوکالت زمین کی گردش آنکھ سے دکھانے کے لئے۔ ایک بھاری گولادھات کا ایک باریک پلے تار سے لٹکایا جاتا ہو اس کی حرکت پس و پیشی کی سطح زمین کی حرکت کے خلاف سمت میں حرکت کرتی نظر آتی ہے (مشرق سے مغرب کی طرف خلاف حرکت زمین) قطبین پر یہ دورہ ایک یوم نجومی میں پورا ہوگا۔ قطبین اور خط استوا کے درمیان حرکت عرض البلد پر موقوف ہو اور خط استوا پر گردش نہیں ہوتی۔

Fraunhofer Lines

تاریک خطوط جو منظرہ شمس قمر یا کسی سیارہ یا ثنائیہ میں دکھائی دیتے ہیں۔ اس کو مشہور عالم مناظر نے قرآن وجر جرمنی نے دریافت کیا تھا۔ اسی کے نام سے مشہور ہے۔

Front view

ایک صورت انعکاسی دوربین کی ہے جس کو ہرشل نے ایجاد کیا تھا۔ اس میں چھوٹا آئینہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بڑے آئینہ پر جو تصویر بنتی ہے دوربین کے قتل کے ایک کنارہ میں آئینہ کا رخ ذرا بدل دینے سے پڑتی ہو جہاں اس کو عکسہ ناظر سے دیکھ سکتے ہیں جب کہ قرآناب کے مقابل یا اس سے ۸۰ کے فاصلہ پر ہوتا ہے۔

Full moon

ماہ کامل - بدر

تحقیق یہ ہے کہ ماہ کامل اسی حالت میں ہوتا ہے جب کہ خسوف کئی واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ اور صورتوں میں ماہتاب ٹھیک مقابل آفتاب کے نہیں ہوتا۔ کیونکہ مدار قمر طریقی شمس کی سطح میں صرف خسوف کئی کی حالت میں ہوتا ہے۔

galactic circle

دائرہ کمکشاں

وہ منطقہ یا دائرہ جو وسط کمکشاں سے گذرتا ہے

galaxy milky way

کمکشاں کا نام ہے بحرہ

ہرشل نے ستاروں کے شمار کا نام رکھا تھا جو اس کی دوربین کی ساخت نظر میں مختلف مواضع فلکی

Ganges Star

میں نظر آتے تھے۔

gegenochain

ایک ظہور فلکی جو دائرہ البرج کی روشنی سے تعلق رکھتا ہے۔

بلکی روشنی کا ایک دھبہ جو آفتاب کے مقابل نظر آتا ہے۔ اس کے دیکھنے کے لئے نہایت تیز نگاہ کی ضرورت ہے۔

فارسی میں دو پیکر عربی میں توامان اور جوزا ہندی میں متن کہتے ہیں برج کا نام ہے۔ (Gemini (The Twins)

شہیب ثاقب کا ایک تناثر جس کی ابتداء برج جوزا سے ہے و یا ۱۲ دسمبر کو ہوتا ہے۔ (Geminids)

ایک نقطہ *Costar* کے پاس ۱۰۵×۳۳ ۔ یہ تناثر نہایت سریع ہوتا اگرچہ دور تک نہیں جاتا۔

Gemmax coronae Boreialis

۱ اکیل شمالی

Geocentric Longitude عرض کو کب جو مرکز زمین سے نظر آتا ہوا سمجھا جائے۔

Geocentric Latitude طول کو کب جو مرکز زمین سے نظر آتا ہوا سمجھا جائے۔

Geocentric Lunar Distances. بعد قمر کو کب بالنسبت مرکز ارضی۔

بعد مرکز فرض قمر کا کسی ستارہ جو زاویہ مرکز زمین پر پیدا کرتا ہو۔ پہلے ہمارے کسی مقام کا طول بلد دریافت کرنے کے لئے کام میں لاتے تھے جب سے عمدہ کروڑوں میٹر تیار ہو گئے اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر کسی کروڑوں میٹر کو گریجویٹ کے وقت پر رکھیں تو ہر جگہ اس کا تفاوت وقت مقامی کو بہلولت رافیت ہو سکتا ہے اور وہ بعینہ طول بلد ہی ساعات اور دقائق میں اس کی تحویل درجوں میں کر سکتے ہیں کہ ایک ساعت = ۵۰ درجہ ایک درجہ = ۶۰ منٹ

Geocentric Parallax اختلاف منظر مرکز ارض سے

وہ زاویہ جو زمین کا نصف قطر کسی جرم فلکی پر بناتا ہو مقام ناظر سے۔ لہذا مقام کسی جرم فلکی کا مرکز ارض سے دریافت کرنے کے لئے تمام ارتفاع سے اختلاف مرکز کو نقصان کرنا ہو گا۔ ثوابت اس قدر دور ہیں کہ اُن کا اختلاف منظر ارضی نامعلوم ہے۔

Geocentric place موضع کو کب بالنسبت مرکز ارض

Geodesy علم الارض

وہ علم جس میں زمین کی شکل اور اس کی پیمائش سے بحث کرتے ہیں۔

Giaugorx draconis.

Gibbosity of Mars

جب کہ مریخ درمیان مقابلہ اور تربیع کے ہوتا ہے تو یہ صورت ہوتی ہے جیسی ماہ کامل کی کچھ پہلے یا بعد صورت ہوتی ہے۔ تربیع کے تقریباً اٹھواں حصہ قمر کا تاریکی میں ہوتا ہے مشتری اور دوسرے سیارے جو مریخ سے بالاتر ہیں ان میں یہ صورت نہیں ہوتی۔

Gibbous Moon

شکل قمر جب کہ نصف قمر سے زائد روشن ہو یہ تربیع اول اور کمال کے وسط میں ہوتا ہے پھر کمال اور تربیع

اخیر کے وسط میں۔

Gjedi ($\frac{3}{2} \times \frac{4}{3}$ Capricorn) جدی کے دو تارے جدی اولیٰ و آخری۔

Globular Clusters. دو جمع الگوکب جو گردی اشکل ہوتے ہیں

Gnomon. مقیاس۔ دھوپ گھڑی

Golden Number. عدد ذہنی۔ سنہرا عدد

سال ناقص عیسوی پر ایک بڑھا کے ۱۹ سے تقسیم کرنے سے جو باقی بچے وہ عدد ذہنی ہے، اگر کچھ نہ بچے تو

۱۹ عدد مطلوب ہے

غمیصار - داغ دار قرص آفتاب جیسا دور میں دکھائی دیتا ہے ان کو اوراق البید یا چاول کے دانوں

Gomeisa (*Bcanis Minoris*) سے بھی تشبیہ دیتے ہیں

Gravitation جاذبہ کشش - جذب

وہ کشش جو ایک جسم کو دوسرے کے ساتھ ہے۔ جہرم دوسرے کو کھینچتا ہے۔ زمین کی کشش تو قدیم زمانہ سے معلوم ہے لیکن قانون جاذبہ کلیہ کو یوتون نے دریافت کیا۔

Great circle دائرہ عظیمہ وہ دائرہ کہہ جس کی سطح مرکز میں گذرتی ہے

Gregorian reform of calendar - تعدیل تقویم گرگیوری پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

Gregorian telescope

دور بین گرگیوری ایک قسم انکاسی دور بین کی جس میں چھوٹا آئینہ مقرر ہوتا ہے انکاسی اور شعاعیں شے سے ایک گول سوراخ میں گزرے یہ سوراخ بڑے آئینہ میں ہوتا ہے۔

Grumium Edra comis

Grus (the crane) جنوبی اشکل ہے

Gyroscope جیراسکوپ

ایک گھومنے والا لٹویا بھاری پھیلا گھومتا ہوا جس کا محور گردش ایک حلقہ میں نصب ہوتا ہے اور یہ حلقہ دوسرے

میں ہوتا ہے دوسرا ملحقہ ایک فریم میں حرکت کرتا ہے۔ اس انتظام سے پچھلے کے محور کا رخ ایک معین سمت میں رکھ سکتے ہیں۔ یہ آلہ زمین کی گردش محور اور استقبال اعتدالین کے دکھانے کے لئے کام میں لاتے ہیں۔

سڈس انکاسی ہیدلی نے ۱۷۳۱ء میں ایجاد کیا تھا۔ *Hadleys sextant*

اُسی سال گادفری نے بھی ایسا ہی ایک آلہ ایجاد کیا تھا۔ دونوں کو رائل سوسائٹی سے دو سو پونڈ انعام دیا گیا تھا ایسا ہی ایک آلہ نیوٹن نے بھی ایجاد کیا تھا (دیکھو سڈس *Sextant*)

ہیلے کا ذؤنب (مدار) تارہ *Halleys comet*

یہ ذؤنب میقاتی ہے اس کی مدت تقریباً ۷۶ سال ہو۔ گزشتہ صدی میں اس کے ظہور کے زمانوں کا سراغ لگایا گیا ہے سب سے پہلے ۱۴۴۴ ق م اس کے ظہور کا پتا لگتا ہے ۱۸۳۵ء میں اس کا ظہور ہوا تھا پھر ۱۹۱۰ء میں۔

Halleys method of Determining the Solar Parallax

ہیلے کا طریقہ اختلاف منظر آفتاب۔ یہ طریقہ احراق زہرہ سے اختلاف منظر کے دریافت کرنے کا ۱۶۸۶ء میں ہیلے نے تجویز کیا تھا۔ دو مقام انتخاب کئے جاتے ہیں ایک اقصائے شمال میں دوسرا اقصائے جنوب میں اور جہاں ممکن ہو ان دونوں کی سطح مدار زہرہ کی سطح پر زاویہ قائمہ بناتے ہوں۔ دونوں مقاموں میں احراق کو مشاہدہ کرتے ہیں اور ان دونوں مشاہدوں کے عدد سے اختلاف منظر کا حساب کرتے ہیں۔

Hamal (x Arietis)

حمل

Harmonic circle

دائرہ تالیفی

اگر کسی بھڑوی کے نوکس میں گزرتے ہوئے وتر نکالے جائیں اور وسط تالیفی درمیان فاصل نوکس و توس کے معلوم کریں یہ وسط تالیفی وتر پر نوکس سے ابتدا کر کے رسم کئے جائیں تو اس طرح جو نقطے پیدا ہوں گے وہ سب ایک دائرہ کے محیط پر ہوں گے جس کا مرکز نوکس ہے اور قطر ناظم مستقیم بھڑوی کا ہے۔ کچھ ناظم مستقیم *Latus Rectum* اس دائرہ کو دائرہ تالیفی کہتے ہیں اور مدار کو اکب مضعف کے ترسی مدار کے حساب میں کام آتا ہے۔

Harmonic Ellipse

تالیفی بھڑوی

وہ بھڑوی جس میں دائرہ تالیفی کا قطر کو اکب مضعف کو مرئی مدار میں واقع ہوتا ہے۔

Harvest moon

قمر خریف

وہ ماہ کامل جو اعتدال خریفی یعنی ۲۳ ستمبر کے قریب پڑتا ہو۔ اس زمانہ میں طلوع قمر سناہ کی ورمیناتی مدت کمتر ہوتی ہے بہ نسبت اور ایسی ہی مدتوں کے سال بھر میں۔ اس کی علت یہ ہے کہ دائرہ البروج بہت چھوٹا زاویہ افق کے ساتھ پیدا کرتا ہے۔

Hebe

ہیب

چھوٹے سیاروں سے ایک کا نام ہے جس کے مدار درمیان مدار مزیح اور مدار مشتری کے ہیں اسی کو ہیبی نے مقام ڈرائس کی چوٹائی ۱۸۸۱ء میں دریافت کیا تھا مقابلہ کے وقت اس کی قدر نجومی ۸ ہے مدت دورہ کی ۷۷۶ سال اور انحراف خارج استدارہ مدار اسی زمانہ قریب مثل عطارد کے ۲۰۰ ہے۔

Helia cal

معیت شمسی

کسی کو کب کا طلوع غروب آفتاب کے ساتھ ایک وقت میں۔

Helio centric place

موضع کو کب من مرکز الشمس

موضع کو کب بغرض جو مرکز آفتاب سے مقابلہ کیا جائے۔

Helio meter

مقیاس القرص

ایک نجومی دور میں جس میں شے کے شیشہ کی قطر سے دو حصوں میں تقسیم کر کے کاٹ لیتے ہیں اور مدارج بیچ کے ذریعہ ایک نصف دوسرے نصف کے ساتھ لگا ہوا حرکت کرتا ہو اگر ایک کو دوسری جدا کر لیں تو ہر ایک میں جدا گانہ تصویر شے کی بنتی ہے۔

یہ آلہ آفتاب ماہتاب سیارات کے قرص کے قطر دریافت کرنے کو کام میں لاتے ہیں اور اسی کے ذریعہ سے قوس بعد ضعف سیاروں کا بھی دریافت کیا جاتا ہے۔

Helios cope

مخفف الصور

ایک چھوٹا سا آلہ آفتاب کی سطح کو بہ سہولت دور میں سے دیکھنے کے لئے داوس نے ایجاد کیا تھا۔ ایک مدت کا بنا ہوا گول یرزہ درمیان میں باریک سوراخ کر کے دور میں کے فوکس کی جگہ لگا دیتے ہیں اس کے ذریعہ سے

شعاع کی تیزی بہت خفیف ہو جاتی ہے اور آنکھ محفوظ رہتی ہے۔

Helios tal

مکمل شعاع

اس آئینہ کے ذریعہ آفتاب کی شعاع کو صدمت میں چاہیں پھیر سکتے ہیں ستارہ کی شعاع کے موڑنے کے لئے بھی کام میں لاتے ہیں اس کو *Siderios tal* کہتے ہیں۔

Hercules.

ہرکلس۔ اشکال شمالی سے ایک ہو جاتی علی الرکبہ

Herschelan Telescope. یا ہرشل کی دوربین انوکھی

منہ کے رخ کی دوربین۔ ہرشل کی ایجاد دی دوربین جس میں دوسرا آئینہ نہیں ہوتا بڑا آئینہ دوربین کے محور سے خفیف سا میلان رکھتا ہوا ہوتا ہے اور تصویر کو بلا واسطہ بذریعہ شیشہ ناظر کے دیکھتے ہیں شیشہ نظری کے کنارے لگا ہوتا ہے۔

Homam zpegasi

زالفرس

Horary.

سامتی

Horizon celes tial

افق فلکی

سطح محاس مقام ناظر کو جو کرہ آسمانی کو قطع کرتی ہے۔ افق حسی کی سطح کو کرہ آسمانی فلک بڑھانے عظیم کر فلک میں پیدا ہوتا ہے۔ سطح قطراضی پر عمود ہے وہ قطراضی جو مقام ناظر پر منتهی ہوتا ہو۔ اس عظیمہ کے قطبین سمت الراہ اور سمت القدم ہیں۔ یعنی وہ نقطہ جہاں ناظر کھڑا ہوا ہے اگر اس سے ایک خط مرکز زمین میں گزرتا ہوا کرہ افق میں نقطہ مقابل زیر قدم پر تمام ہو تو اس پر سطح افق یا وہ قطر سطح افق پر عمود ہوگا۔ اگر قطر مذکور کو سمت فوق میں بڑھائیں تو فلک میں نقطہ سمت الراہ پر منتهی ہو اور تحت کی طرف بڑھائیں تو سمت قدم پر۔

واضح ہو کہ مقام ناظر سے تا قول (لنگر) سمت الراہ اور سمت القدم کا رخ بتاتا ہے۔ اور پینال سے سطح افق معلوم ہوتی ہے (پینال وہ آلہ ہے جس سے سمار زمین کی ہمواری کی جانچ کرتے ہیں)۔

Horizon rateral

ایک سطح متوازی افق حسی یا فلکی جو زمین کے مرکز میں گذرتی ہوئی کرہ فلک کو قطع کرتی ہے۔ اس کو افق حقیقی کہتے ہیں۔

Horizon sensible

افق حسی

افق حسی اور افق فلکی کی سطحیں مد نظر تک مشترک ہیں۔ یہاں جہاں تک زمین و آسمان ملتی ہوئے نظر آتے ہیں

Horizontal Parallax

اختلاف منظر افقی

مرکز ارضی اور سطح ارضی کے منظروں کا اختلاف۔ بعد شمس منظور الیہ اور اختلاف منظر میں عکسی نسبت ہوتی ہے یعنی جس قدر جرم فلکی دور تر ہوگا اتنا ہی اختلاف منظر کا زاویہ چھوٹا ہوگا۔ ثوابت زمین سے اس قدر دور ہیں کہ ان کا اختلاف منظر محسوس نہیں ہو سکتا۔

کلاک ایک صورت جنوبی اشکال جدید سے ہے۔ - *Horodogium (the clock)*

Hour Circle.

دائرہ ساعت

استوائی دور میں ایک دائرہ جس پر کوکب کے مطالع استوائی کی پیمائش کرتے ہیں وہ دائرہ جن پر زائو ناپے جاتے۔ ۳۶۰ درجوں میں تقسیم ہوتے کبھی نصف درجہ کا نشان بھی اور وریر اسکیل سے دقائق کی ناپ بھی کرتے ہیں۔ وزیر کا بیان آگے آئیگا۔

Hour Angle.

دائرہ فصل دائرہ - زاویہ ساعت

مشلتہ جو کوکب میں گزرتا ہی اس کی دوری (زاویہ یا قوس) دائرہ نصف النہار تک فضل دائرہ طلوع کوکب سے قبل نصف النہار کسی وقت تک جو کوکب نے مدار یومیہ پر طے کیا ہو وہ دائرہ اور وہاں نصف النہار تک جس قدر طے کرنا ہے وہ فضل دائرہ ہے۔

Hunter's Moon

شکاری کا چاند

ماہ کامل جو سالانہ اکتوبر کی ۲۱ تاریخ کو قریب پڑے۔ یہ ظہور مثل خریفی ماہ کامل کے ہے مگر ویسا مشہور نہیں ہے۔

Hyads

حیادیس

برج ثور میں ایک مجمع انجوم ہے جو ۷۸ شکل کا ہے۔

Hydra (the sea serpent)

حیۃ البحر

یہ ایک طولانی مجمع النجوم جو ساعت مطالع استوائی یعنی ۱۰۵ درجہ تک پھیلا ہوا ہے

Hydrus

حیۃ النمر

جنوبی اشکال سے ہے۔

Hyperbola.

قطع زائد

یہ تین قطوع مخروطات سے ہیں۔ مخروط کو اس طرح تراشیں کہ سطح قاطع پر عمود ہو مگر اس مخروط سے نہ گزرے کیوں کہ اس سے جو سطح گزرتے گی وہ ایک مثلث متساوی الساقین تراشتے گی۔

Hyperion یہ ایک تالع زحل کا ہی ترتیب میں ساتواں پڑتا ہے۔ زحل کی طرف سے اس کو

باند اور لاس نے ۱۹ ستمبر ۱۹۷۷ء کو دریافت کیا تھا اس کا بعد اوسط قیوم (زحل) سے ۹۵۱۰۰۰ میل ہے۔ مدت دور ۲۱ یوم ۶ ساعت ۳۹ منٹ ہے۔ پروفیسر کیرنگ کے نزدیک اس کی قدر نجومی مقابلہ کے وقت ۳۱ ہے قطر معلوم نہیں ہوا۔

Ikhlil (Ikhlil at jabha)

B. scorpiu اکھیل الجبہ

ب التعرب

Illumination of the field of view

روشنی ساخت نظر

اجرام فلکی کی بیاضی کے لئے نہایت باریک تار عدسہ النظر کے قریب لگائے جاتے ہیں۔ تاریکی کے دور کرنے کے لئے ایک پھونسا مالپ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی روشنی بذریعہ ایک سوراخ کے جو دوربین کی نلی میں کیا جاتا ہے اندر پھنچاتے ہیں دو طریقے روشنی کے مستعمل ہیں (۱) تاریک تار روشن ساخت نظر میں (۲) روشن تار تاریک ساخت نظر میں۔

Immersion.

پوشدگی۔ غیوبت۔ انخفا (لغوی معنی غرق کے ہیں)

کسی ستارہ یا سیارہ کا جیولت قمر سے غایب ہو جانا یا کسی تابع کا قیوم کے سایہ میں چھپ جانا۔

Inclination of orbit

انحراف مدار

ایک مفروضہ سطح سے (جس کی طرف حوالہ کیا جائے) کسی کوکب کے مدار کا زاویہ میلان سیاروں اور مدار تاروں کے مدارات کا حوالہ دائرۃ البروج کی سطح ہے۔ مضیف ستاروں کے اس سطح کی طرف حوالہ کئے جاتے ہیں جو کرۂ ثوابت کو تماس ہو یعنی ستارہ کی قطبی سطح۔

Indiction

دورہ پانزدہ سالانہ - پندرہ برس کا دورہ

قسطین قیصر روم کے حکم سے پندرہ سال کا ایک دور میقاتی مقرر کیا گیا تھا۔

Indus (The Indian)

ہندی

اشکال جنوبی سے ایک شکل ہے (جدید)

Inequality of moons parallax

حقایق بدر کے قریب آفتاب کی قوت جذبات سے مانتاب کی حرکت میں جو اختلاف ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے تریج اول میں سرعت اور تریج آخر میں بطور ہو جاتا ہے۔

Inequality of jupiter and saturn

ان دونوں عظیم سیاروں کے جذب الجذاب سے جو تفاوت حرکت خاصہ میں ہوتا ہے یہ مشتری اور زحل کے ادوار کے توافقی پر موقوف ہو کیونکہ دو دورے زحل کے مساوی پانچ مشتری کے دوروں کے ہیں تقریباً۔

Inferior Conjunction

(قران سفلی)

(دیکھو قران)

Inferior Planets

وہ سیارے جن کا مدار زمین کے مدار سے کمتر ہے

جو بہ نسبت زمین کے آفتاب سے نزدیک تر ہیں سفلی کہلاتے ہیں علوی وہ سیارے ہیں جن کا مدار زمین کے بعد سے زیادہ ہے۔ عطارد اور زہرہ سفلی ہیں۔ باقی سیارے نظام شمسی کے سب علوی ہیں۔

Ingrén

بدو احتراق - بدو خفا

عطارد یا زہرہ جب قرص آفتاب کے نیچے گزرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی اصطلاح تابعین مشتری اور زحل کے لئے بھی بولی جاتی ہے جب وہ اپنے بتوں کے قرص کے تحت میں گزرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

Instrument meridian

آلہ نصف النہار دائرہ نصف النہار۔ آلہ محر

آلات مصدبہ سے وہ آلہ جو نصف النہار پر کسی کوکب گزرنے کی رصد کے لئے مستقل ہوتا ہے۔

Intercalation

تیکبیں

ایک دن کا ہر چوتھے سال زوری یا شباط میں بڑھانا۔ اس دن کو یوم کبیہ کہتے ہیں۔ قمری سال کے حساب

میں ہر تیس برس کے دورہ میں گیارہ سال کبھیہ ہوتے ہیں یعنی ذی الحجہ بہ حساب اوسط ۳۰ دن کا لیتے ہیں سال قمری ۳۵۴ یوم ۲۲ گھنٹہ (۸۵۳ - ۸۵۴) کا ہوتا ہے یہ کسر دوسرے سال نصف یوم سے زائد ہو جاتی ہے۔ اس لئے حساب اوسط میں پورا دن لے لیتے ہیں۔ پھر یہ کسر تین سال کے قریباً ایک یوم ہو جاتا ہے۔ اس لئے پانچواں سال بھی کبھیہ ہو جاتا ہے اس طرح ۲، ۵، ۷، ۱۰، ۱۳، ۱۵، ۱۸، ۲۱، ۲۴، ۲۶، ۲۹، ان گیارہ برسوں میں تین سال کے دورہ کے اندر گیارہ دن بڑھا دئے جاتے ہیں۔ ان برسوں کو ہم اس فقرہ سے یاد رکھتے ہیں (نمبر جمع ادوٹا) اندرونی یا داخلی سیارے

Interior planets.

زمین کے مدار کے اندر یعنی سفلی

Interculation curve

توس وسطی

خانہ دار کاغذ پر جو مشاہدات درج کئے جاتے ہیں ان کے درمیان سے ایک ایسی توس کھینچتے ہیں جو اڑی ترجی ٹیڑھی لکڑی نہ ہو یا کہ سدا ہو اور جس قدر نقطے مشاہدہ کے اس کے ایک طرف ہوں تقریباً اتنے ہی نقطے دوسری جانب ہوں۔

ا	ب	ح	ع	س	د	س
دب اصغر ۶	دب اکبر ۶	تینین ۱۳	قیفاؤس ۱۶	عوا ۲۲	منکہ ۵	جانی علی کتہ ۱۶
ح	ط	ے	ما	م	ر	د
شلیاق ۱۰	دجا جہ ۱۶	ذات الکری ۱۳	حال اس النول ۲۲	مسک العنان ۱۴	جواد ۲۶	جہ ۸
۶	بو	یو	نح	بط	ک	ی
سمہ	عقاب ۹	دلفین ۱۰	مقدم الفرس ۱۴	توس اعظم ۲۰	المراہ السلسلہ ۲۲	مثلث ۱۴

صورتہائے منطقہ البروج۔

ا	ب	ح	ر	س	د	ح
حل ۱۳	ثور ۱۱	فیلان ۱۵	سرطان ۱۶	اسد ۲۲	سنبلہ ۲۶	میزان ۶
ط	ے	ما	م	س	س	س
رامی (توس) ۲۱	جدی ۲۸	ساگب (دو) ۲۲	حوت ۲۴	د	س	ح

نے یکم ستمبر ۱۹۷۷ء میں دریافت کیا تھا۔ مدت دور ۳۵۸ سال ہے۔ بعد اوسط ۶۶۸۲ بعد از کووہ حد
ان کو مقابلہ کے وقت قدر بخوشی ۵۷ قطر حقیقی ۱۲۰ میل غالباً۔

Jupiter

قاضی فلک - مشتری

نظام شمسی میں سب سے بڑا سیارہ۔ قطر اوسط ۸۷۰۰۰ (ستاسی ہزار میل) یعنی گیارہ مرتبہ زمین کے قطر
سے بڑا اس کا حجم زمین کے حجم سے ۱۳۰۰ مرتبہ زیادہ ہے۔ لیکن یہ سیارہ ہلکا ہے لہذا مایہ (جوہر) زمین کے مایہ
سے ۱۲ گنا ہے۔ اس کا بعد اوسط شمس سے ۷۷۸۳۰۰۰۰ (ایسیال) ہے اڑتالیس کروڑ تیس لاکھ میل تقریباً اور مدت
دورہ ۱۱ سال ۸ ماہ ۳۱ یوم ہے۔ مشتری کے پانچ اقمار ہیں سب سے قریب اور چھٹا باریزڈ نے ستمبر ۱۹۹۲ء میں دریافت
کیا ہے (دیکھو فیملیہ تفصیلات مبادی کے لئے)

Kaffaljuhma v ceti.

ح قیطس - کف الجہدار۔

صاحب رخ بہادر خانی کف الجہدار میں چھ کوکب شمار کرتے ہیں یہ تاراجس کا بیان مذکور ہے (ج اوسط آتنا و

آن پر میان دہن است)

Kaitain (x piscium)

خپین

حوت کا ایک روشن ستارہ ہے۔

Kaus Australis E Sagittarii

قوس جنوبی

Kaid, Ab - Kaid 40 (0) Eridani.

Kopler's laws.

یہ قوانین کپلر نے حرکت سیارات کے لئے دریافت کئے تھے۔ یہ تین قانون ہیں (۱) سیارات بیضوی مدارات
میں آفتاب کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ آفتاب اس بیضوی کے ایک فوکس میں ہے (۲) خطا وصل بین شمس والکوکب
جس کو خطا حاصل کئے ہیں مساوی مدتوں میں مساوی سطح طے کرتے ہیں (۳) محذورات مدت ادوار متناسب ہیں کمبات العباد
اوسط کے ساتھ۔

یہ قانون بعینہ ہر تاج و قمر اجرام کے لئے صحیح ہے۔ خواہ اقمار سیارات ہوں خواہ کوکب مضعف جو گرد اپنے

مرکز ثقل کے حرکت کرتے ہیں۔

Kiffa Australis Stars á á Libra

کفہ جنوبی ۱۱ المیزان

Kiffa Borealis (B libreo)

کفہ شمالی ب المیزان

Known stars

کواکب معلوم الوضع

رصد دائرہ نصف النہار سے جن ستاروں کی جگہ کا تعین کرہ فلکی میں ہو چکا ہے۔

Kocab.

ب و ب اصغر - *Bursoc mundres* کوکب

Leorta (The Lizard)

ب جانی علی الرکبہ

بقلموں

ایک شکل شمالی درمیان قیادس اور الدجابه کے (جدید) طریق آتش کو اگلے زمانہ میں کہتے تھے۔

Lady's way

طریق النحاتوں

کیونکہ شمس عربی میں مونث ہے۔ عربی زبان میں ہر چیز تو بصورت مفید اکثر مونث ہوتی ہو اس کی بہت

Lugging of tides.

تاخیر جو بد بحر میں مابین تریع اول اور کمال کے اور تریع آخر اور محاق کے ہوتی ہے یہ سب مجموعی جذب

دائجذاب سرین کے۔

Last quarter of moon (Siquarter)

تریع آخر ماہتاب

Latitude Celastial.

عرض کوکب

دائرہ البروج پر غلطی عمودی فرض کئے جاتے ہیں ان کو دائرہ عرضیہ کہتے ہیں کسی ستارے کی دوری دائرہ

البروج سے اسی عرضیہ پر ناپنی جاتی ہے جو کسی ستارے میں گزرتا ہو عرض کوکب کو وہی نسبت دائرہ البروج سے ہے

جو میل کو معدل النہار سے۔

Latitude geocentric

عرض کوکب بالنسبت مرکز ارض

توسی فاصلہ کسی جرم فلکی کا دائرہ البروج کے شمال یا جنوب میں جس کی رصد کا مرکز ارضی سے حساب کریں۔

قوسی فاصلہ کسی جرم فلکی کا دائرۃ البروج سے شمال یا جنوب میں جن کی رصد کا مرکز شمس سے

Latitude Heliocentric

حساب کریں۔

ایک صغیرہ سطح ارضی پر متوازی دائرۃ امتوائی

Latitude Terrestrial.

عرض بلد

قوسی فاصلہ کسی مقام پر سطح زمین پر دائرۃ امتوائی کے شمال یا جنوب میں۔

Latus Rectum or parameter

دو وتر جو کسی قطع مخروطی کے فوکس میں گذرتا ہوا قطر اعظم پر عمود ہو اس کو ناظم مستقیم کہتے ہیں اگر قطر اعظم کو

۱۲ فرض کریں اور خروج المکرز کو x تو ناظم مستقیم = $12(1-x^2)$

Leap year

سال کبیہ۔

سال شمسی اصطلاحی رواجی ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے اور ہر چوتھے سال ۳۶۶ دن کا جس کو سال کبیہ کہتے ہیں

لیکن گرگوری نے ہر چار صدیوں میں تین دن سا قطر کر دے ہیں جو صدی کا سال ۴۰۰ سے تقسیم نہ ہو سکے اس میں فروزی

۲۸ ہی دن کا لیتے ہیں اگرچہ جولائی تبدیل سے اس کی فروزی ۲۹ دن کی ہوتی۔ اس طرح ۱۶۰۰ء ۱۸۰۰ء ۱۹۰۰ء

سالہائے میں فروزی ۲۸ دن کا لیا گیا۔ البتہ ۲۰۰۰ میں ۲۹ دن کا شمار کیا جائیگا۔

Least squares method of

طریقہ اقل مجذورات

معادلات شرطی کے حل کے لئے گاس نے یہ طریقہ ایجاد کیا تھا کہ اولاً جملہ معادلات کو عدد رکن اول مساوات سے

ضرب کر کے جمع کر لیں۔ پھر جملہ معادلات کو رکن دوم کے عدد سے ضرب دے کے جمع کر لیں اور اسی طرح جملہ ارکان

کے اعداد سے ضرب دے دے کے جمع کرے۔ آخر میں معادلات فوق الواردہ مجموعیات کے قاعدہ سے حل کریں۔

Lemniscate

طرۃ پھندا

ایک فیتہ جو نیچے لٹکا یا جائے۔

اسفینہ میں جو سحابیہ واقع ہے اس کے درمیان میں ایک تاریک دھبہ نظر آتا ہے اس سحابیہ کو احیاء

سحابیہ ثقبۃ المنقح بھی کہتے ہیں۔

Lens

عدسہ

ایک شیشہ جو دونوں رخوں سے محذب ہو۔ انطانی دور بین کے شیشے۔

۷۰۔ اسد - شیر - م سنگھ پانچویں برج کا نام ہے۔ اس کا مشہور ستارہ قلب الاسد ہے۔ *Leo (The Lion)*

اسد صغیر *Leo Minor (The lesser Lion)*

شمالی اشکال سے درمیان دب اکبر اور اسد کے واقع ہے۔

Leonids

اسد یہ۔

مرکز تناسب شہاب ثاقب جو برج اسد میں ہر سال ۱۳-۱۴ نومبر کو اس کا ظہور ہوتا ہے ہر تیس سال کی مدت میں یہ تناثر زور شور سے ہوتا ہے۔ اخیر تناثر ۱۸۹۹ء میں ہوا تھا۔

ارنب۔ اشکال جوزبی سے۔ درمیان جبار اور فاخت کے واقع ہے *Lepus (The Hare)*

۶ میزان فارسی تر از دہندی مثلاً آسمانی ساتواں برج ہے۔ *Libra (The Balance)*

Libration

توازن

ماہتاب کی حرکت اپنے محور کے گرد متناہ ہے لیکن زمین کے گرد اس کے دورہ کی حرکت غیر متناہ ہے اس لئے کہ مدار کی شکل بیضوی ہے۔

محوری اور دوری حرکتوں کے تفاوت ایک پس و پیشی حرکت قرص قمر سے ظاہر ہوتی ہے جس کو کسی قدر حصہ دوسری جانب کے نیم کرہ کا مشرقی اور مغربی کناروں پر نظر آجاتا ہے اس کو توازن طوی کہتے ہیں دوسرا توازن عرضی ہے اس کی علت یہ ہے کہ قمر کا محور حرکت مدار پر عمود نہیں ہے۔

Libration Diurnal

توازن روزانہ۔ (دیکھو دائرہ لائبریشن)

Light year

حرکت نور سالانہ

وہ مسافت جو نور ایک سال میں طے کرتا ہو۔ ستاروں کا بعد زمین سے اکثر اس قیاس سے بیان کیا جاتا ہے کہ کتنے برسوں میں روشنی ستارہ کی زمین تک پہنچتی ہے۔ اگر اختلاف منظر معلوم ہو تو سال نور کے مسافت طے کرنے کے اس طرح دریافت کئے جائیں کہ اختلاف منظر کو ثانیہ کی کسر کی صورت معقوم علیہ فرض کریں اور ۳۲۵۸ کو مقسوم بنائیں خابج قیمت سالانہ مطلوبہ ہوں گے۔

Limb

کنارہ

کنارہ آفتاب یا مہتاب یا کسی ستارہ کے قرص کا۔

Limits, Ecliptic

حد و حیلوت

حصہ العرض (یعنی قوس جو عقدہ قمر اور قمر کے مقام میں واقع) کی وہ قوسی (یا زاویہ کی) مقدار جس میں حیلوت کلی یا جزئی ممکن ہے۔ واضح ہو کہ مدارِ حالِ قمر دائرۃ البروج کے ساتھ نقطہ تقاطع کے ساتھ جس کو زہر یا عقدہ کہتے ہیں ۵ درجہ ۹ دقیقہ کا زاویہ بناتا ہے (اس زاویہ کو زاویہ میلان مدار قمر کہتے ہیں) اور قرص شمس کا قطر مرئی تقریباً ۳۲ دقیقہ اور قمر کا قطر مرئی تقریباً ۳۰ دقیقہ ہے (یہ حساب اوسط) جہاں دونوں مداروں کے درمیان کم از کم اتنا فاصلہ ہو کہ دونوں جرم ایک دوسرے کو چھوتے ہوئے نکل جائیں وہاں حیلوت نہیں ہو سکتی اور جہاں اس سے بھی کم فاصلہ ہو گا وہاں لامحالہ ایک حصہ جرم مغلی کا علوی کے جرم کے ایک حصہ کا حجاب ہو جائیگا اور جس قدر فاصلہ کمتر ہو گا اسی قدر محبوب حصہ زیادہ حتیٰ کہ جہاں فاصلہ برائے نام ہو وہاں حجاب کلی واقع ہو گا۔ زمین کے سایہ کا قرص اور قمر کے قرص کے حجاب کے لئے بھی ایسی ہی صورت ہو گی جس حد کے اندر حجاب یا حیلوت ہو سکتی ہو اس کو حد حیلوت کہتے ہیں اگر قمر حجاب اور شمس محبوب ہو تو حد کوئی کننا چاہئے۔ اور اگر زمین کا سایہ حجاب اور مہتاب محبوب ہو خسوفی حد کہنا چاہئے اور اگر کسی ثابتہ کا حجاب ہو تو لفظ حیلوت یا حجاب (بالمقید) کہہ سکتے۔ حیلوت یا حجاب اصطلاح عام ہو کر کوئی حد ۱۶ درجہ ۸۸ دقیقہ تک عقدہ قمر سے اور خسوفی حد ۱۱ درجہ ۲۱ دقیقہ ہے۔

ظل کی بھی دو صورتیں ہیں ایک امبرا یعنی ظل مستقیم دوسرے پغرا ظل ثانوی اس کو اپنے مقام پر سمجھنا چاہئے۔
 Local Time زمین کے کسی مقام پر وقت وسطی وقت مقامی زمان بلدی

Longitude Celestial

طل کوکب

یعنی اول محل سے بد کسی کوکب کا علی التوالی دائرۃ البروج پر۔ اگر عرض کوکب بھی معلوم ہو تو ان دونوں مرتبوں سے کوکب کے مقام کا تعین کرہ فلکی میں ہو جاتا ہے۔

Longitude Geo centric

طول مرکز ارضی

اس کو طول شمسی یا تقویم کوکب کہتے ہیں۔ یعنی ستارہ کا مقام جو کہ بالعرض مرکز ارض سے مرصود یا محبوب ہو۔

Longitude Helio-centric

طول کوکب مرکز شمسی

یعنی طول کوکب جو مرکز شمس سے موصود مشہود یا محسوب ہو۔

Longitude Terrestrial

طول بلد

کسی مقام کا فاصلہ کسی مقام معین سے جہاں پہلا دائرہ نصف مقرر کریں مشرق یا مغرب کی سمت میں مثلاً فی زمانہ ناگریں وچھ میں پہلا نصف النہار مقرر ہے۔

Longitude of Perihelion

طول لفظ بعد اقرب

سیارہ یا ذات الذنب کے نقطہ بعد اقرب یا حقیض کے طول دائرہ البروج پر مرکز شمس کے حوالے سے اگر اس کو مرکز شمسی طول بعد اقرب کہیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

Loop of Retrogress

کنج رجعت

اصطلاح قدیم میں اس کو قوس رجعت کہتے تھے یہ کنج جرم کے طریق مرنی میں سطح فلک پر پیدا ہوتا ہے جو جبیم استقامت سے رجعت یا اس کے بالعکس چلتا ہے۔

Lucida

انور

جوستارہ کسی مجمع النجوم میں سب سے زیادہ روشن ہو مثلاً انور الثریا ثریا میں۔

Alecyone

ایک یونانی دیوی کا نام ہے۔

Luculi

آفتاب کی سطح پر چھوٹے چمکتے ہوئے داغ دکھائی دیتے ہیں۔

Lumiere Cendree

نور الارض۔ زمین تاب

ہلال ایک شبہ یا دوروزہ پر ایک کسی قدر روشن گروہ نظر آتا ہے وہ زمین کی روشنی ہی جو سطح قمر پر منعکس ہوئی ہے

Lunar cycle

دورہ میطونی زدیکو *metonic cycle* دور قمری

یہ وہ دور قمر نہیں ہے جس کو ہم قدیم فارس کے تجویز کرتے تھے جس کی مدت ہزار سال کی ہی خواجہ حافظ نے جس کی شکایت کی چین چہ شورے است کہ در دور قمرے بنیم ہمہ آفاق پر از فتنہ و شرے بنیم

Lunar Distances

ابعاد قمر

آفتاب یا سیارہ یا ثانیہ سے مرکز قمر کی دوریاں جو ہر تین گھنٹہ کے لئے المانک میں درج ہوا کرتی ہیں۔

Lunar Inequalities.

اختلافات قمر

قمر کی رفتار میں حرکت متشابہ سے جو فرق پائے گئے ہیں بوجہ کشش آفتاب یا سیاروں کے دیکھو۔

Lunation

Synodic month شہر قمری۔

Lune

شکل ہلالی

دو دائروں کے تقاطع سے جو ہلال نما شکل پیدا ہوتی ہے۔

Lupus (the wolf)

بھیریا

الذنب جزئی شکلوں سے ہے۔

Lynce.

اشکال شمالی سے ہے۔

Lyra (the Lyre)

شلیاق

اشکال شمالی سے ہے۔

نسر واقع ہے | اشلیاق۔

اس کا سب سے روشن ستارہ

Lyriels

خلیاق

ایک مرکز تناثر شلیاق جو اپریل ۱۹ - ۳۰ تک واقع ہوتا ہے۔ شلیاق سے نکلتا ہوا معلوم ہوتا ہے (۱۲۳۰۰۰)

maculae.

تاریک داغ

آفتاب کے تاریک داغوں کے لئے مستعمل ہے نفی منی داغوں کے ہیں۔

Magellanic clouds

سحابیہ کبیرہ و صغیر۔

اس نام کے دو سحابیہ جرم کمکشاں سے ملحدہ نصف کرہ جنوبی میں آنکھ سے نظر آتے ہیں دونوں میں چھوٹے

ستارے اور ستاروں کے گچھے اور سحابہ نظر آتے ہیں۔

Magnetic storm

طوفان مقناطیسی

زمین کی مقناطیسی کیفیت میں ایک نمایاں تغیر بعض اوقات حادث ہوتا ہے اس کی علت غالباً وہ تغیرات ہیں جو آفتاب

میں حادث ہو کر اضطراب خاص پیدا کرتے ہیں۔ اس سے متناطیسی سوئیوں میں فرق پڑتا ہی بعض اوقات دشمنیاں بھی نمایاں ہوتی ہیں۔

Maia. ثریا کے ایک ستارہ کا نام ہے

major Axis of orbit قطر اعظم مدار بیضوی میں

قطر اعظم وہ ہر جو کہ فوکس میں گزرتا ہے۔

Malus. مالوس۔ سفینہ کا ایک حصہ ہے

marfikh & ophiuchi مرفق

صاحب بہادر خانی دوستارے مرفق راست اور افق چپ پر کلمے میں و مرفق چپ ط مرفق راست الحوار

کے دوستارے۔ (۱) فرس اعظم۔ فرس اعظم اشکال شمالی سے ہے۔

Markab (a pagasi) مرکب۔

Mars. مریخ۔

مریخ کا بعد اوسط و ۱۴۱۰ میل ایام دورہ ۶۸۶۔

اس سیارہ کا قطر ۲۲۰۰ میل ہے اس کی سطح پر جو نشان نظر آتے ہیں وہ زمین اور پانی کے آثار ہیں۔ اس پر ہوا کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس پر حیوانات کسی قسم کے ہوں۔ اس کے دو قمر چھوٹے چھوٹے ہیں (دیکھو مریخ)

Messier M herculis

Mass

مایہ جوہر

مادہ مطلق کی ایک مقدار جو کسی جسم میں ہو جو کہ ثقل اور حجم سے بذات خود مترا ہے۔

گیت مادہ مطلق کے اعراض سے ہے مثلاً وہی مادہ جو زمین پر ہے اس کی گیت مشتری پر کے اتنے ہی ماؤ

سے مختلف ہو بلکہ زمین پر ہر جگہ وزن میں تفاوت ہوتا ہے۔

Mass of Binary stars مادہ مطلق کو اکب مضیف

آفتاب کے مایہ کو واحد فرض کر کے ارکان کو اکب مضیف کا مایہ دریافت کیا جاتا ہے اگر بعد کسی کو اکب مضیف کا

معلوم ہو تو اس کے اختلاف منظر سے ایک رکن کا بعد اوسط دوسرے رکن سے دریافت ہو سکتا ہے بشرطیکہ مدار کے مبادی معلوم ہوں یا قیام بعد اوسط زمین و آسمان کے قیاس سے دریافت ہوں گے۔ پلکے کے قانون سوم کو دست دے کے نظام مضیف کا مادہ مطلق بقیاس مایہ آفتاب معلوم ہوگا۔ بلکہ بقیاس مجموع مایہ آفتاب وزمین مگر از بسکہ زمین کا مایہ نسبتاً بہت قلیل ہے لہذا اس کو حساب میں نہ لیں گے۔ حساب کا طریقہ بہت سادہ ہے۔

نصف قطر اعظم چو درایت ہو چکا ہے اختلاف منظر پر تقسیم کرو (دونوں ثوابی قوس میں لئے جائیں) خارج قیمت دونوں رکنوں کی دوری زمین و آفتاب کی دوری کے قیاس سے ہوگا۔ اب خارج قیمت کو کعب کرو اور اس مقدار کو مدت دور کے برسوں کی تعداد سے تقسیم کرو حاصل مجموع مایہ مضیف رکنوں کا بقیاس مایہ آفتاب کے ہوگا۔

Mass of sun planet

مادہ مطلق (مایہ) کسی سیارہ کا بطور کسی مادہ مطلق آفتاب کے جس کو واحد مانا ہے ہوتا ہے۔ کبھی آفتاب کے مایہ کو زمین کے مایہ کو واحد فرض کر کے بیان کرتے ہیں (دیکھو مبادی کو اکب ضمیمہ میں)

Mass of Hercules

زیچ بہادر خانی میں ح جانی علی الرکبہ (آمالی ازاں) کہ مر معصم چپ است لکھا ہے۔

Maxima and minima of variable stars

اعظم النور اور اصغر النور جب کو اکب متغیرہ سے بہت روشن ہو تو اعظم النور ہے اور جب بہت کم روشنی ہو تو اصغر النور ہے۔

Mazgarath

قدیم نام شمری کا ہے

Mean abstance

بعد اوسط

نصف قطر اعظم جو کہ درمیان بعد ابد اور بعد اقرب کے وسط ہے۔

Mean Motion.

حرکت وسط

اگر بعد اوسط کو نصف قطر مان کے ایک دائرہ کھینچیں اور اس کو دائرہ حرکت متشابه فرض کریں تو وہ حرکت وسط ہوگی مضیف تارے کی وسط برابر خارج قسمت ۳۶۰ درجہ تقسیم کیا ہوا تعداد سالانہ دور پر۔

Mean noon

نصف النہار وسطی

شمس وسطی کا محروارہ نصف النہار پر۔

محاسبین نے ایک نقطہ متحرک بنا شمس وسطی فرض کیا ہے جو دائرہ معدل النہار پر دائما متشابہ حرکت کرتا رہتا ہے جیسے گھڑیاں اور کلاک اسی شمس وسطی کے مطابق حرکت کرتی ہیں۔ اگر آفتاب حقیقی سواوقات کا شمار کیا جائے تو کبھی صاب نہ ہو سکتا کیونکہ آفتاب حقیقی کی رفتار ہر وقت بدلا کرتی ہے۔ البتہ بعد اوسط پر حرکت وسطی اور حقیقی دونوں تقریباً مساوی ہوتی ہیں۔

Mean solar Day

یوم شمس وسطی

وہ زمانہ جو ایک نصف النہار وسطی سے دوسرے نصف النہار وسطی تک یعنی آفتاب وسطی کے دو محروں کے درمیان کا زمانہ۔

Mean solar Time

وقت شمسی وسطی۔

یعنی زاویہ ساعت (دائر فیصل دائر) بحساب حرکت ۱۵ درجہ فی گھنٹہ ایک درجہ مساوی مہمنٹ کے۔

Mean Sun

شمسی وسطی

نقطہ فرضی حرکت متشابہ سے

Mean time

وقت وسطی

بحساب شمس یا نقطہ مفروض حرکت متشابہ سے

معدل النہار کے دائرہ پر یہی وقت ہماری جیسی گھڑیوں اور بڑی گھڑیوں میں رہتا ہے۔

Mekbuda (E geminorum)

مبسوط

یعنی بالمبسوط

Medium Resisting (see ether)

(دیکھو اثير) واسطہ مقاوم

Mekbuda (E geminorum)

س الجوزار المقبوضہ (بالمقبوضہ)

Menkab (aceti)

القیتس منکب

Meekabnan (Banriga), Meenkibdhi tinan - 39

منکب ممسک العنان یہ منکب چپ پر عبوق ہے۔ قدر اول کا سارا اور منکب رات پر قدر دوم کا ستارہ ہی صاحب بیچ بہادر خانی لکھتے ہیں اُن کہ بر منکب چپ است رآں کہ بر منکب است

تعدیل ماہانہ - Menstrual evuation

ایک ظاہری تغیر مقام آفتاب کا طول میں بہت سوا کہ ماہتاب کی گردش میں زمین اور ماہتاب کے مرکز ثقل کے گرد ہی نہ مرکز زمین کے گرد۔

مراق - ب دب اکبر

Mercators projection تسطیح مرکٹر

تسلیم کر کے نقشہ بنانے کے لئے۔ وہ کہہ کر اس طرح ظاہر کرتی ہے کہ گویا ہر چشمِ ناظر ہر نقطہ کرہ کی سطح کا علی الاطلاق ایک بعد دیگرے دیکھتی ہے (سر جان ہرٹزل)

Mercury. عطارد

(تفصیل مبادی کے لئے دیکھو ضمیمہ -)

آفتاب سے قریب ترین سیارہ جس کے دورہ کی مدت ۸۸ یوم ہے۔ بعد اوسط ...و...و...و...میں اس کے مدار کا انحراف استدارہ سب سیاروں سے زیادہ (۲۰.۵) ہے قطر ۳۰۰ میل۔

Meridian Celestial نصف النهار

وہ عظیمہ جو قطبین فلک اور کسی مقام مفروض کے سمت الراص اور سمت القدم میں گذرتا ہے اس عظیمہ کے قطبین نقطہ مشرق و مغرب ہیں۔

نصف النهار مبدئي

وہ نصف النہار جس سے طولِ بلا و مشرق یا مغرب کی طرف شمار کئے جاتے ہیں ہمارے زمانہ میں گریج
کا نصف النہار مبدیہ ہے۔

ہندوؤں کے علم ہیئت میں اجین مبد تھا۔ ہماری کتابوں میں بحر اطلانتک کے جزائر فالدات سے شمار کیا جاتا تھا۔ گریونوچ سے تقریباً بیس درجہ مغرب میں واقع ہوتی دم کلما کا مبد تھا۔

Meridian terrestrial.

نصف النہار عرضی

سطح ارضی پر ایک غلیظہ جو قطبین زمین اور مقام نطر سے گذرتا ہے۔ زمین کے نقشوں میں یہی خطوط دسے ہوئے ہیں دس دس یا پانچ پانچ درجہ کے فاصلہ سے مبد ر یعنی صفر گرین و جھکا نصف النہار ہے۔

ایک ستارہ ثریا کا ہے ۲۲ النور *Marape (33 Tauri)*

من الشرطین ح المحل *Mesartim (Arctis)*

صاحب بیچ بہادر خانی مقدم الشرطین (۱ محل) مونز الشرطین (ب محل) راس المحل پر دو ستاروں کا

نشان دیتے ہیں۔

Meteoritic stones

اجاز شہابی

آسمان سے کبھی کبھی پتھر گرتے ہیں ان میں سے اکثر بہت تحقیقی اور سندی ہیں ان کے اقسام یہ ہیں۔

(1) Siderites

کوکبی

وہ پتھر جن میں لوہے کی مقدار غالب ہوتی ہے۔

(2) Sider olites

مشابہ کوکبی

وہ جن میں لوہے کے مادہ جری بمقدار کثیر شریک ہوتا ہے۔

Arolites.

حجرات

وہ جو تقریباً مادہ جری سے بنے ہوتے ہیں۔

Meteors

شہاب جمع شہب

اجسام روشن جو دفعتاً ہوائے محیط میں روشن نظر آتے ہیں اور نہایت سریع حرکت کر کے غائب ہو جاتے ہیں اس نور کو تاروں کا گرنا یا ٹوٹنا کہتے ہیں۔ یہ چھوٹے اجرام ہیں جو ہوائے محیط سے ٹکرا کے مشتعل ہو جاتے اکثر بڑے بھی ہوتے ہیں جن کو آتش کی گولے کہتے ہیں۔ ان کی رفتار کا تخمینہ ۴۴ میل فی سکند ہے۔

عموماً ۷۰ میل کی بلندی پر دکھائی دیتے ہیں اور سطح زمین سے ۵۰ یا ۶۰ میل کی بلندی پر غائب ہو جاتے ہیں اتنی گولے کبھی کبھی پانچ میل سے دس میل کی بلندی تک پہنچ جاتے ہیں۔

طریق اقل مجذورات (دیکھو مجذورات) یا مربعات *Method of least squares*

دورہ میٹونیک جس کو میٹون اور نقطیون نے ۳۳ ق م دریافت کیا تھا۔ *Metonic cycle*

معلوم ہوا کہ ہر ۱۹ سال کے بعد خاق اور بد سال کی انہیں دونوں میں پڑتے ہیں جیسے پہلے دور میں میں پڑتے تھے کیونکہ دور میٹونیک ۳۳۵ شہور قمری ہوتے ہیں جو برابر ۴۹۷۹۹۹ - ۴۹۷۹۹۹ - ۴۹۷۹۹۹ ایام کے ہیں جن کے تقریباً ۱۹ سال شمسی ہوتے ہیں (تقریباً ۲ گھنٹہ کا تفاوت ہے)

ایک فرانسیسی مقیاس طوی ہے جس کی مقدار ربع محیط زمین کا ایک کروڑواں حصہ کے ۱۰ ایلین کے برابر میٹر مانا گیا تھا۔ میٹر کی مقدار برابر = ۳۶۰۰۰۰ د ۳۹ انچ = ۲۸۰۸۹ فیٹ کے ہے (*Metre*)

میٹر کی مقدار یاد رکھنے کا یہ طریقہ سہل ہے ۳ فٹ ۳ انچ ایک بائیں یا تائی ہر رقم میں تین کا ذکر آتا ہے میٹر کے سوید حصہ کو سنٹی میٹر اور ہزارویں حصہ کو ملی میٹر کہتے ہیں اس کا حساب اشاری نظام پر ہے جس سے سنٹی میٹر کی مقدار ۱۰۰ انچ کے برابر ہے تقریباً حساب میں کمال سہولت ہوتی ہے۔ سطح اور حجم کے پیمانہ بھی میٹر کو اہل قرار دے کے مقرر کئے ہیں۔

Micrometer

خرد پیمانہ

چھوٹے زاویہ ناپنے کا آلہ۔ قرص آفتاب ماہتاب اور سیارات کے ناپ کا آلہ۔

Microscope

خرد بین

آلات (صدیہ کی تقیم بہت باریک ہوتی ہے اس کے دیکھنے کے خرد بینی چشمے لگے ہوتے ہیں۔

Microscopium

خرد بینی

اشکال جنوبی سے ہے۔ جدید علم ہیئت میں۔

Mid Day

نصف النہار

Mid night

نصف الیل

آفتاب زمین کے نیچے دائرہ۔

نصف الیل پر گزرنے والا کہ دائرہ نصف النہار کا وہ حصہ ہے جو افق کے نیچے ہے۔

Meimas

مینامس

داخلی یا قریب ترین قمر تابع زحل مدت دور ۲۶ گھنٹہ ۷۳ منٹ بعد اوسط ... و ۱۱ میل اس کو سر ولیم ہرشل نے دریافت کیا تھا تاریخ ۵ اکتوبر ۱۷۸۱ء۔ اس کا قطر تقریباً ... میل ہے غالباً قدر لنوی پکڑنگ کے نزدیک ۱۲۵۸۔ یہ زحل کے بہت ہی قریب ہو اس لئے بہت ہی قوی دور میں سے نظر آسکتا ہے۔

Minor Axis of orbit.

قطر اقصی

مدار بیضی میں جو قطر مرکز بیضوی پر قطر اطول پر عمود ہوتا ہے۔

Mintakha

منطقۃ الجوزار

S. orionis.

راجبار میں تین ستارے درمیان شکل میں ہیں

Mora o Ceti.

نہایت عجیب متغیر ستاروں میں ہے۔

اس کی قدر نجومی ۷۰ سے ۵۰ تک متغیر ہوتی ہے جب بہت سے بہت تغیر ہوا ۱۸ سے ۱۷ تک کم سے کم میں مدت تغیر بہ حساب اوسط ۳۳۱۰ ایام ہے مگر اس میں اختلاف بھی ہوتا رہتا ہے۔ اس میں لمعانی خطوط اکثر اہل رصد نے دیکھے ہیں۔

Mourach Bandromedae, E Bootis.

مرنج

Meirfak

۱ ہر سیادش x Persei مرفق

Meirgam

ب کلب اکبر Beanis magoria موزم

Meizar

Euse magonis, (Bootis

Monoceros (the Unicorn)

کرکدن گینڈا

یہ شکل الجبار کے مشرق میں ہے اس میں سے دائرہ معدل النہار گذرتا ہے۔

Month Anonealistio.

ماہ مرکزی شہر مرکزی

سیر ہائتاب کی اوج سے اوج تک مدت ۷۲ یوم ۱۸ گھنٹہ ۱۸ منٹ ۴۷ سکنڈ ماہ کی حرکت کے ساتھ اوج کی حرکت ملا لیتے ہیں۔ تو یہ مدت پوری ہوتی ہے۔

Month Draconic

فرض کیا گیا ہے کہ ایک تین یعنی اڑدھارہ فلک کے نصف حصہ کو محیط ہے جس کے سر اور دم میں نصف اڑدھارہ ۱۸۰ درجہ کا بعد ہے۔ اس التین راہ و ذنب التین کیت ہو شہر تینینی بعینہ جو ہر ہے جو کہ شہر جوزہری ہو۔ یہ بعینہ قرار اس قمر کی حرکتوں کا مجموعہ ہے۔

Month Nodical

شہر جوزہری

سیر ماہتاب ایک جوزہری سے اسی جوزہری تک مدت ۲۷ یوم ۷ گھنٹہ ۵ منٹ ۸ سکنڈ۔

Month Sidereal.

ماہ نجومی۔ شہر نجومی

یہ سیر ماہتاب کی حرکت خاصہ کے اعتبار سے ہے۔ ماہتاب کی سیر ایک ثانیہ سے اسی ثانیہ تک مدت ۲۷ یوم ۷ گھنٹہ ۳۸ منٹ ۱۱ سکنڈ۔

Month Synodical

شہر قمری۔ ماہ قمری

ایک اتصال شمسی سے دوسری اتصال شمسی تک (محاق سے محاق تک یا ہلال سے ہلال یا کسی وضع اضافی سے اسی وضع تک) اس کی مدت ۲۹ دن ۱۲ گھنٹہ ۴۴ منٹ ۷ سکنڈ ہے۔ سیر ماہتاب حرکت اضافی کے حساب سے اس دورہ ماہتاب کو آفتاب سے متصل ہونے کے لئے اس قدر قوس اور طے کرنا ہوتی ہے جو کہ آفتاب دورہ قمری مدت میں طے کرتا ہے۔ ماہ کی حرکت خاصہ اور آفتاب نے جو قوس طے کی ہے اس کی حرکت قمری مجموعہ کا نام ہے۔

Moon.

چاند۔ ماہ۔ ماہتاب۔ قمر

زمین کا اکلوتا چاند اس کا بعد اوسط ۲۷۔۶ مرتبہ زمین کے استوائی قطر کے برابر ہے یعنی نصف قطر استوائی کو واحد فرض کریں تو چاند کی دوری زمین بحساب اوسط ہوگی اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگر تین زمینوں کے قطر کا ایک زینہ بنائیں تو ماہتاب تک پہنچ سکتے ہیں ۴۸۵۳۸۵ میل۔ بعد اقرب ۲۲۵۷۴ میل بعد ابعد ۸۹۸۵۸ میل خلیج فارس ۱۱ اور میلان مدار کا ۵ درجہ ۸ دقیقہ۔ ماہتاب کا قطر ۲۱۶۳ میل کا ہو۔ اس کا مایہ زمین کے مایہ کا ۱/۱۱ ہو اور نقل نوعی اس کے جوہر کا پانی کے وزن نوعی کو واحد مان کے ۴۰ ہے۔

Moon culmination stars

کواکب طریقی القمر

ماہتاب کے آسمانی راستہ پر یا اس کے قریب جو ستارے پرواق ہیں۔ مرکز قمر سے ان کی دوری کسی مقام کا طول بلد استخراج کرتے ہیں۔ اکثر ستارے ایسے بھی ہیں جن کو چاند چھپا لیتا ہے۔ یہ منظر بہت ہی عجیب اور خوشنما ہوتا ہے۔

Moons parallactic inequality

دیکھو اختلاف منظر

Moon's allath

راس المثلث۔ Triangale × مثلث

Motion accelerated.

حرکت متسرنید

وہ رفتار جو علی الاتصال سریع ہوتی جاتی ہے۔ زمین کی نیچا جو حجم کرتا ہے وہ اس کی مثال ہے جس قدر زمین کے قریب آتا جاتا ہے اسی قدر رفتار سریع ہوتی جاتی ہے۔

Motion apparent and real.

حرکت مرئی و حرکت حقیقی

زمین سے جو حرکت مرصود ہوتی ہے وہ مرئی ہے اور آفتاب کے گرد جو حرکت محسوب ہو وہ حقیقی مثلاً ستارہ جب رجعت کرتا ہے تو یہ رجعت مرئی ہے درحقیقت رجعت نہیں ہوتی حرکت رجعی پر خلاف توالی (مشرق سے مغرب کی طرف) نظر آتی ہے حالانکہ حرکت حقیقی کبھی خلاف توالی نہیں ہوتی۔

Motion Direct

حرکت علی التوالی (مشرق سے مغرب کی طرف) حرکت مستقیم

Motion proper.

دیکھو (Proper motion) حرکت خاصہ

طولی حرکت کسی کواکب کی اپنی ذاتی رفتار سے۔

Motion relative

حرکت اضافی

اضافی حرکت سے مراد وہ حرکت جو دو ستاروں کی حرکت سے مرکب ہو کے عالم رویت میں آئے مثلاً اگر دو جرم مختلف رفتاروں سے ایک دوسرے کے متوازی چل رہے ہوں ایک ہی سمت میں تو ان کی اضافی حرکت دونوں کی رفتاروں کا حاصل تفریق ہوگا۔ اگر مقابل کی سمت میں چل رہے ہوں تو دونوں حرکتوں کا مجموعہ اضافی حرکت ہوگی۔

Motion Retrograde

حرکت پرجی - رجبت

رفتار سیاروں کی فلک میں جب کہ مشرق سے مغرب کی دکھائی دیتی ہو ستاروں (بروج) یعنی خلاف حقیقی حرکت کے جو کہ مغرب سے مشرق کی طرف ہوتی ہے یعنی حرکت اگرچہ علی التوالی ہے لیکن خلاف توالی دکھائی دے تو اس کو رجبت یا حرکت استوائی کہتے ہیں یہ مری حرکت مرکب ہو سیارہ کی حرکت اور زمین کی حرکت حول شمسی سے کبھی یہ اصطلاح شمس کی حرکت روزانہ کے لئے مستعمل ہوتی ہے بلکہ حرکات قمر اور سیارات اور ثوابت کے لئے جو زمین حرکت روزانہ کے سبب سے نظر آتی ہے دراصل زمین حرکت کرتی ہو اور دوسرے اجرام حرکت کرتے نظر آتے ہیں۔

Mountains Lunar

جبال قمری

بڑے بڑے غاروں کے ساتھ سطح قمر پر اونچے اونچے سیاروں کے سلسلے بھی ہیں بعض کے نام زمین کے پہاڑوں کے نام سے نامزد ہیں۔ منجملہ ایس۔ کاکیش (قاف) اپلی نائین کا رپے بھی ہیں پری نیزراک مونس میں (بلند ترین ... ۲۵۰۰۰ فٹ) لائنٹر پہاڑ ۲۶۰۰۰ فٹ وغیرہ۔ قمر کے قطار درجہ امت کو دیکھئے نسبتاً زمین کے پہاڑ بلند تر ہیں۔ اکثر سیاروں اور غاروں کے نام مشابہ ملکا اور علمارہیت کے ناموں سے مشرف ہیں۔

Mukdim

مقدم (E Virginis) vindematrix

Muphrad

بھی کہتے ہیں - (γ Bootis) مفرد

Mural circle

لبنۃ

اس دائرہ کو دیوار کی سطح پر نصب کرنے میں یہی وجہ تسمیہ ہو۔ یہ دائرہ سطح نصف النہار میں لگایا جاتا ہو۔ اس کے ذریعہ غایت ارتفاع کو اکب معلوم کرتے ہیں۔

Musca (The fly)

الذباب

ایک شکل ہے صلیب جنونی کے جنوب میں۔

Nadir

(نظر)

zenith

وہ نقطہ جو ثاقول کی سمت میں نقطہ سمت الراس کے مقابل ہے دیکھو سمت الراس۔

Nath

The buthung المذبح

یہ ستارہ ثور کے قرن سینک پر ہے Bulls Horn قرن الثور

Neap tide

اتار جزر

دو جزر (اتار) جو قمر کی تربیع اول اور آخر میں ہوا کرتا ہے جزر (اتار) اور مد (پڑھاؤ) کی موجوں کی

بلندی میں ۴:۱۰ کی نسبت ہوتی ہے دیکھو (Spring Tide) مد -

Nebulae.

سحابیات

دھندلے بڑے بڑے داغ روشنی کے دوربین سے نظر آتے ہیں اس کی قسمیں یہ ہیں -

Annular.

Elliptic.

Spiral

planetary

orbicular stars

اس کے سوا غیر منتظم جیسی ابجار اور اسفینہ کے عظیم سحابیات ستاروں کے گچھے کو بھی سحابیات کہتے ہیں لیکن

یہ صحیح نہیں ہر اکثر سحابیات گیس کی صورت میں ہیں سحابہ کے چوٹے ٹکڑے کو لٹخہ کہتے ہیں -

Nebular Hypothesis.

احتمال سحابیت

وہ نظریہ جس کو لاپ نیس نے تجویز کیا تھا جس سے نظام شمسی کی علت کی توضیح کی جاتی ہے -

آفتاب اور ستارے گھومتے ہوئے سحابی مادہ کے ٹھنڈے ہو کے منجمد ہونے سے پیدا ہوئے ہیں جو کہ نظام شمسی

کی بنیاد سے پہلے پنچوں کے مدار سے آگے تک فضا میں پھیلا ہوا تھا - لکائف کے ہنگام میں اس مادہ سے متعدد

حلقات پیدا ہو گئے تھے وہ مدور زمانہ سے منجمد و متحد ہو کے آفتاب اور ستارے بن گئے جس میں متبوع اور تواضع

شامل ہیں - اس احتمال کی تائید اور تردید میں متعدد بحثیں ہوئیں - بسوطات میں اس مسئلہ کو دیکھنا چاہئے

Nebulosity

سحابیت

Nebulous stars

وہ ستارے جن کے گرد سحابی مادہ ہے -

ایسے ستاروں کو نقطہ یا نطے کے ستارے کہتے ہیں البجاردو ستارے۔

Nakkar (B Boobis)

Neptune

نیپچون۔

یہ سیارہ نظام شمسی سب سے دور ہے۔ اس سے دور تر کوئی سیارہ اب تک معلوم نہیں ہوا ہے ستمبر کی ۲۳ تاریخ ۱۸۴۶ء میں اس کو دارالسلطنت برلن میں لیویر نے نامی منسلکی نے دریافت کیا تھا۔ اس کے دریافت کا سبب یورانس کی رفتار کا اختلاف ہوا بعد اوسط نیپچون آفتاب سے ۴۴۹۰۰۰۰۰ میل مت دور ۲۴ سال قطر نیپچون ۴۰۰۰۰ میل کا ہے۔ قدر نجومی ۸ ہے کم قوت درمیں سے بھی دیکھ سکتے ہیں اگر آسمان میں مقام معلوم ہو۔ اس کا صرف ایک ہی قمر ہے جو ۵ دن ۱۲ گھنٹہ ۲ منٹ میں گردش پھر جاتا ہے بعد اوسط قمر کا ۶۲۰۰۰ میل پر قوی درمیں سے یہ دہنلا چاند دکھائی دے سکتا ہو لیکن غالباً یہ بہت بڑا ہے۔

New moon.

لفظی معنی نیا چاند۔

ہماری اصطلاح میں ہلال سے مراد ہے جب کہ چاند محاق سے نکل کسی قدر ہر روشن ہو جاتا ہو لیکن اصطلاح اہل فرنگ میں عین اتصال جب آفتاب اور ماہتاب کا طول بعیدہ ایک ہو جس کو ہم محاق کہتے ہیں اور اہل ہندو اداس۔ ہندو منجم بھی اتصال سے نیا بعیدہ شروع کرتے ہیں۔ اما دس یعنی اتصال کے بعد سے ان کی تیاری کا پہلا یوم وضعی جس کو تھہ کہتے ہیں شروع ہوتا اور جب آفتاب سے بارہ درجہ دور ہو جاتا ہو تو پریو (پہلی تیاری) تمام ہو کر دوج لگتی ہے دوج کو اول نظر آتا ہے جس کو چندر درشن یعنی رویت ہلال کہتے ہیں۔ ہلال غروب آفتاب کے بعد مغرب کے افق پر ظاہر ہوتا ہے۔

Newtonian Telescope

نیوٹن کی ایجاد دی دربین۔

یہ انکاسی دوربین ہے۔ بڑے آئینہ سے شیشہ بصر کے پاس شامیں ایک دوسرے چھوٹے آئینیں منڈا

منکس ہوتی ہیں۔

Nehal or Alnihal.

B. Leporis اہل

Nodes.

عقدتین

دو نقطہ تقاطع کسی سیارہ مدار کا دائرۃ البروج کے ساتھ جس نقطہ تقاطع سے سیارہ جنوب سے شمال کی طرف جاتا (چڑھتا ہے) اس کو عقدہ صاعدہ عقدہ صعود کہتے ہیں اور اس کے مقابل جب کہ سیارہ شمال سے جنوب میں اترتا ہے عقدہ نازلہ یا عقدہ نزول کہتے ہیں اور جو خط دونوں عقدوں میں داخل ہو اس کو خط جوزین یا خط جوزین کہتے ہیں۔ وہ خط جو کہ سطح مدار سطح دائرۃ البروج میں فصل مشترک ہے۔

دیکھو شہر جوزہری north nodical جوزہری مہینہ Nodical month
نقطہ ماشر۔ Nonagosomal point.

لفظی ترجمہ ۹۰ درجہ کا بعد دائرۃ البروج کے سب سے بلند نقطہ کا ارتفاع جو وقت مفروض میں آسمان پر کسی ستارہ کو مشرق کے افق پر ان کے چار نقطہ آسمان پر فرض کئے گئے ہیں جن میں اوتا دارعبہ (۱) طلوع وہ نقطہ جو افق مشرق پر ہو (۲) بلع وہ نقطہ زیر زمین جو ۹۰ درجہ کے فاصلہ پر طلوع سے ہے (۳) صلیح (ساتواں) اس کو غارب بھی کہتے ہیں وہ نقطہ جو ۱۸۰ درجہ کے فاصلہ پر افق مغرب میں غایب ہونے والا ہو (۴) عاشق کو وذا آسمان بھی کہتے ہیں یہ طلوع سے دسواں بڑا ہی یہ طلوع سے ۲۷۰ درجہ کے فاصلہ پر حرکت توانی کے حساب سے ہو اور اگر اٹا صاحب لیں تو ۹۰ درجہ کا فاصلہ طلوع اور غارب دونوں سے افق کے اوپر اس کا مقابل بلع ہے جو تحت افق طلوع اور غارب دونوں سے ۹۰ درجہ کے فاصلہ پر ہوتا ہے۔

نصف النہار وسطی و حقیقی Noon Mean and Apparent

جب نقطہ موہوم شمس وسطی نصف النہار پر گذرتا ہو اس کو نصف النہار وسطی کہتے ہیں اور جب حقیقی کا مرکز ہوتا ہو تو اس کو نصف النہار حقیقی کہتے ہیں۔ نصف النہار حقیقی کو مرتبی بھی کہتے ہیں۔

نارمہ۔ اشکال جزئی سے ہے۔ Narma (The Rale)

عمارت قوت قسری Normal Disturbing force

اگر قوس کے کسی نقطہ پر کوئی خط ماس اور نقطہ ماس پر محور نکالا جائے جو محور قوس پر منتهی ہو تو اس کو عماد کہتے ہیں۔ اور یہ عماد مرکب قوت قسری کا منقطع ہو تو وہ مقدار قوت قسری جو اس عماد کی سمت میں عمل کرتی ہو تو اس کو قوت قسری عمادی کہیں گے۔

بعد قطب شمالی North Polar Distance

وہ قوس جو کہ درمیان قطب شمالی اور کسی کوکب کے ہواں کو بعد شمالی یا تمام میل یا تمام بعد از معدل کہتے ہیں
 صحابیہ کبیرہ و صحابیہ صغیرہ یہ دونوں صحابہ نصف کرہ جنوبی میں واقع ہیں اس میں اکثر ستاروں کے
 گچھے بھی ہیں۔

ان کا دوسرا نام *Magellanic Clouds* صحابہ قمر کبیرہ و صغیرہ۔
 راس - خ - لب
Nucleus.

ستارہ ذوالصغیرہ یا ذوالذنب و مدار تارہ کا سر یا داغ۔

لکھا جا چکا ہے۔ دیکھو ذہبی عدد۔ *Number golden*.

سالانہ شمار کسوفات و خسوفات کا *Number of Eclipses*

کسوفات اور خسوفات کا ممکن شمار ہے اور ضرور ہے کہ دو ہوں اگر صرف دو ہوں تو دونوں کسوف
 ہوں گے اگر ہوں تو پانچ کسوف اور دو خسوف ہونگے تین خسوف سے زیادہ سال میں نہیں ہو سکتے اور کبھی سال میں
 ایک بھی نہیں ہوتا دورہ سیروسی یعنی ۱۹ سال میں عموماً ستر حیلولات ہوتے ہیں ۲۹ خسوف اور اہم کسوف۔

شمار ثوابت۔ *Number of Fixed Stars*.

صرف نگاہ سے بشرطیکہ قومی ہو ۷۰۰۰ سے زیادہ ستارے نظر نہیں آ سکتے۔ سب سے زیادہ قوی دوربین
 سوئین سے زیادہ نہیں دکھا سکتی۔

ہمارے قدیم کتابوں میں مرصود و ثوابت کا شمار یہ ہے۔

نیوٹن۔ *Nutation Lunar*.

قطبین فلک کے (دائر معدل کے قطب) قطب البروج کے گرد حرکت کرتے ہیں جو اختلاف ہوتا ہے بسبب
 جذبہ قمر کے۔ اس کی مدت برابر مدت دورہ خاصہ عقبتین کے ۱۸ سال ۲۲۰ یوم ہیں۔

نیم ماہانہ۔ اختلاف ماہانہ *Nutation monthly*

قطبین معدل کی قطب البروج کے گرد حرکت میں بوجہ تغیر میل قمر کے اختلاف ہوتا ہے اس کی مدت
 نیم ماہ یعنی ایک پا کھ ہے۔

Nutation Solar

قطبین معدل کے قطب البروج کے گرد حرکت میں بوجہ تغیرات میں شمس اس کی مدت نصف سال شمسی ہے۔

Oberon.

اوبرن -

یورانس کا قمر جو سب سے بیدہر سیارہ سے اس کا بعد اوسط مرکز سیارہ سے ۳۸۹۰۰۰ میل ہے مدت دورہ ۱۳ دن ۱۱ گھنٹہ ۷ منٹ اس کا قطر معلوم نہیں ہوا۔ قوی دور میں سے نظر آسکتا ہے۔ مریخیم ہرشل نے ۱۱ جنوری ۱۹۸۶ء میں دریافت کیا تھا۔

Object glass.

عدسہ الٹی شے کی طرف کا شیشہ۔

بڑا شیشہ دور بین کا جو شے سے قریب تر ہوتا ہے۔ اگر عدسہ نظر کو انسی کہیں تو اس کو دھنسی کہنا چاہئے۔ بعض دور بینوں میں دُہرا شیشہ ہوتا ہے ایک دوسرے سے چپاں۔ بعض میں دونوں میں چند انچ کا فاصلہ ہوتا ہے۔ خارجی دہرا محدب کروں گلاس کا بنا ہوا داخلی دہرا مقعر ہوتا ہے فلٹ گلاس کا بنا ہوا۔

Object Tent { آسمانی جرم دھندلی روشنی کے جو دور بین قوت استفادہ نور کے لئے کام میں آتے ہیں یعنی دوربین میں کس قدر روشنی لینے کی قوت ہے

Oblate spheroid - بیضوی نما کرہ۔

وہ مجسم جو بیضوی کے قطر اقصر کے گرد حرکت کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ زمین کی شکل ایسی ہی ہے۔ قطر استوائی قطر قطبی سے ۷ میل زیادہ ہے (نصف قطر استوائی ۳۹۶۳، ۲۹۶ میل قطبی ۳۹۶۰، ۹۱ میل اوسط ۳۹۵۹ میل)

Obliquity of the ecliptic - میل کلی۔

وہ زاویہ جو درمیان دائرہ معدل النہار اور دائرۃ البروج کے ہے تقریباً ۲۳ درجہ ۲۶ فیٹ ہے لیکن اس میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔ کم سے کم ۲۱° و ۵۸' اور زیادہ سے زیادہ ۲۴° ۵۸' و ۵۹' دیوجانس اپولونیہ کے باشندے نے ۵۴۰ سال ق۔ م دریافت کر لیا تھا کہ فصلوں کی تبدیلی میں کلی کی کمی بیشی سالانہ پر موقوف ہے یہ مقصد یہ ہے کہ جب آفتاب نقطہ تقاطع اول محل معدل اور دائرۃ البروج نقطہ اول محل پر ہوتا ہے تو دن رات برابر ہوتے ہیں

یہاں میل صفر ہے اب اگر آفتاب شمالی ہو تو یوٹا فوٹا میل زیادہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ جب نقطہ انقلاب صفر پہنچتا ہے تو میل کلی کے برابر ہو جاتا ہے اس کے بعد میل کم ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ راس المیزان نقطہ اعتدال خریفی پر پہنچ کے جو دو ہر نقطہ تقاطع ہے پھر دن رات برابر ہو جاتے ہیں۔ بعد آفتاب جنوب میں آ جاتا ہے دن گھٹنے لگتا ہے یہاں جنوبی یوٹا فوٹا بڑھتے بڑھتے پھر نقطہ انقلاب مشتری پر میل کے برابر ہو جاتا ہے پھر میل کم ہونے لگتا ہے یہاں تک نقطہ اعتدال ربعی اول حل پر پہنچ کے صغیر ہو جاتا ہے اور دوسرا دور یا سال شروع ہوتا ہے۔

Observatory

رصد گاہ - رصد خانہ - رصد

وہ تعمیر جو ستاروں کے اشکال و اوضاع دریافت کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ اس تعمیر میں بائس کے اس پاس آلات رصد یہ نصب کئے جاتے ہیں۔ اگلے زمانہ میں بلند منارے اور گہرے کنوئیں اس مقصد کے بنائے جاتے کنوئوں میں دن کو ستارے نظر آتے ہیں مصر کا منارہ بھی دن کو اس زمانہ کے قطب تارے کے دیکھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

Occultation

اختفاء - حیلوت -

جب ایک جرم کے ٹھیک نیچے سے دوسرا جرم مثلاً چاند یا مریخ گزرتا ہے تو ادھر پر کا جرم کلا یا جزاً پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ ماہتاب جب آفتاب کو چھپا دیتا ہے تو کسوف ہوتا ہے جب چاند زمین کے سایہ میں آ جاتا ہے تو خسوف ہو جاتا ہے۔ قمر کبھی سیارہ کو اور اکثر ستاروں کو چھپا دیتا ہے آفتاب کے جرم سے بھی کوکب پوشیدہ ہو جاتے ہیں مگر یہ سب آفتاب کی تیز روشنی کے یہ منظر دکھائی نہیں دیتا۔ کبھی سیارات بھی بعض ثوابت کو پوشیدہ کر دیتے ہیں لیکن ایسا اتفاق شاذ و نادر ہے۔

Oceans (ocean)

اشکال جنوبیہ سے ہو ایسی شکل میں قطب جنوبی واقع ہو۔

Offing

افق البحری -

عموماً افق کے لئے جہاں آسمان زمین ملتی ہوئی دکھائی دیتے ہیں خصوصاً سمندر کی سطح پر۔

Okda

اوجت x piscium عقیدہ

Opaque.

حاجز - غیر شفاف -

وہ جرم جس میں روشنی بالکل نہیں نظر آتی - غیر شفاف ہے -

نیم شفاف جس میں کچھ روشنی وار پار دکھائی دیتی - شفاف جس میں بالکل روشنی کی روک نہیں ہوتی -

دو چشمی دور میں جس کو لگا کے تھیسر دیکھتے ہیں اکثر سیاروں کی شکلات دیکھیں گے { *Opera glass* کام آتا ہے -

عربی ہوار - ہندی سپیرا - ف مارگیر - *Ophinchus the Serpent Bearer*

انکال فلکی سے ہے ہر فلک سے عقرب تک پھیلا ہوا ہے اس شکل میں معدل النہار کا دائرہ گذرتا ہے -

Opposition

استقبال متبادل -

جب دو جرموں میں نصف دائرہ ۱۸۰ کا فصل ہو - یہ فاصلہ اس عظیمہ پر لیا جاتا ہے جو دونوں جرموں میں گذرتا ہے جب ماہ کامل ہوتا ہے تو آفتاب اور ماہ میں نصف دائرہ کا فصل ہوتا ہے - استقبال صرف چاند کے لئے کہتے ہیں کیونکہ اس نقطہ سے ماہتاب گریا آفتاب کی پیشوائی کو بڑھتا ہے یعنی یوٹائیو ماہ قریب ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ اتصال ہو اس کے بعد چاند سورج سے دور ہوتا جاتا ہے ہندو اتصال کے بعد سے اجیالا پاکھ شکل پکشن اور استقبال کے بعد کرشن پکشن لیتے ہیں - ایک ہندی دو ہر اتر کا مقام منطقہ البروج پر دریافت کرنے کے لئے مشہور ہے -

شکل پکشن میں پانچ نے اور کرشن پکشن میں بیستیس منٹہ کو دو نا کیجئے تو پاتے جس حاصل معنی یہ ہے کہ بے ہندی تنہا گزرے ان کو دگن کر دھرا اگر اجیالا پاکھ تو پانچ اس پر زیادہ کر د اگر اندھیا را پاکھ ہو تو ۳ زیادہ کرو جو عدد اس طرح حاصل ہو اس کو جس برج میں آفتاب ہو وہاں سے ابتدا کر کے پانچ پانچ عدد ہر برج کو جس برج پر عدد ختم ہو جائیں - پانچ یا پانچ سے کم اسی برج میں چاند (جسٹ) ہوگا - اگر عربی نمینہ سے شمار کریں تو تاریخ

کے عدد کو دو چند کر کے ہر صورت میں پانچ عدد اضافہ کرنا چاہئے کیونکہ تاریخ عربی کا شمار ایک سے

۲۹ یا ۳۰ تک ہوتا ہے بخلاف ہندی کے کہ ایک پکشن کے گزرنے پر پھر ایک دوسرے شمار شروع ہوتا ہے -

Orbit

مدار -

ایک جسم کے دوسرے کے گرد حرکت کرنے سے جو شکل قوس (دائرہ بیضوی مکانی یا زائید پیدا ہو) اس کو مدار کہتے ہیں ستاروں کے مدارات بیضوی - جو پتھر زمین پر پھیکا جاتا ہے یا توپ کا گولہ وہ مکانی قوس بن جاتا ہے -
دو صغیرہ (گیسودار) دو ذنب (مدار) ستاروں کے مدار قطع مراد ہوتا ہے (دیکھو تعریف ہر سہ قطوع -)

Orientation

تشریق -

کسی عمارت یا نقشہ کی سمتیں بحوالہ نقطہ مشرق مقرر کرنے کو تشریق کہتے ہیں -

Orion

شکاری The Hunter الجبار -

خوبصورت اشکال فلکی سے ہے - دائرہ معدل اس کے وسط سے گذرتا ہے - اس لئے یہ تمام روئے زمین پر نظر آتا ہے - عوام عرب اسی کو جوار کہتے ہیں - اس کے سر پر تین چھوٹے ستارے مثل ث کے تین نقطوں کے ہیں اس کو راس الجبار کہتے ہیں اس کے ماوراء ربط الجوز اور جل النبی اور جل الیسری مشہور ستارے اسی شکل کے ہیں -

مرکز تناثر شنب اکتوبر کی ۱۸ - ۲۰ تک ہر سال یہ الجبار کے ایک نقطہ سے ٹکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں (۱۵۰۹۰)
ان کی رفتار بہت سریع ہوتی ہے اور روشن لکیر پڑتی ہے -

Orinids.

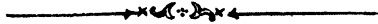
ایک آلہ سیارات کے آفتاب کے گرد گھومنے کی نمائش کے لئے اول آفری نے ایجاد کیا تھا -

Orthogonal Disturbing force

مسئلہ اختلاف رفتار میں وہ رکن قوت قسری کا جس کی تاثیر عمودی اسی سطح پر ہوتی ہے جس میں جسم تناثر وقت مفروض پر واقع ہو اور مرکز قوت قسری (جذابہ) کے گرد حرکت کرتا ہو -

ایک طریقہ کرہ کی تسلیج کا - Orthographic projection.

(بائی آئینہ)



تبصرے

ادب

مکاتیب (نواب محسن الملک مرحوم و نواب قار الملک رحمہما)

مولوی محمد امین صاحب بیری مارہروی مہتمم تاریخ ریاست بھوپال نے بڑا کام کیا کہ نواب محسن الملک مرحوم اور نواب قار الملک مرحوم کے خطوط چھاپ دیئے۔ ان کے جمل کرنے میں انھیں بہت کچھ کھٹھڑاٹھانی پڑی ہوگی۔ خانگی خطوں میں اکثر وہ باتیں مل جاتی ہیں جو دوسری تحریروں یا تقریروں میں نظر نہیں آتیں۔ ان میں مخاطب جب کوئی دوست یا رازدار ہوتا ہے تو انسان دل کھول کر ان خیالات کا اظہار کرتا ہے جو عام طور پر لوگوں میں نہیں کر سکتا۔ یا بعض اوقات ایسے افراد ہوتے ہیں جن کی نسبت یہ گمان ہوتا ہے کہ معاملہ انھیں کی حد تک رہیگا اور اس کا افسانہ ہوگا۔ اور اس لئے وہ کبھی کبھی ایسے اسرار بیان کر جاتا ہے اور دل کی ایسی باتیں لکھ جاتا ہے جو کبھی وہ زبان پر نہ لانا اور نہ حوالہ قلم کرتا اور شاید اسی کے ساتھ اس کے سینہ میں مدفون رہ جاتی ہیں۔ لیکن اُسے کیا خبر کہ قریب گھات میں لگے ہوئے ہیں جو اس کے ایک ایک پیرے کو ڈھونڈنا چاہیے اور اس کے راز کو دینے کی چوٹ بیان کرینگے۔ خانگی خطوط کی اشاعت اُردو ادب میں ایک نئی چیز ہے۔ سب سے اول مرزا غالب کے خطوط شائع ہوئے جو اردو زبان کی جان ہیں۔ وہ بہت مقبول ہوئے اور ہمیشہ شوق سے پڑھے جاتینگے۔ اس کے بعد بعض اور اصحاب کے خطوط بھی شائع ہوئے ہیں۔ مولوی محمد امین صاحب نے یہ خوب کیا کہ ان دونوں مزبوروں کے خط ایک جامع کر دیئے کیونکہ ان کی زندگی کے حالات اور کام کچھ ایسے تھے کہ

اور ایک ہی قسم کے واقعہ ہونے ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ دونوں پہلے سرکار انگریزی کے ملازم تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے بعد یا ست حیدر آباد میں گئے اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے اور دونوں نے بقول نواب محسن الملک بادشاہی نہیں خدائی کی۔ پھر دونوں یکے بعد دیگرے حیدر آباد سے واپس ہوئے تو علی گڑھ پہنچے۔ اور ایک دوسرے کے بعد علی گڑھ کالج کے سرکٹری ہوئے اور مرتے دم تک قومی کام میں مصروف رہے۔ ایسے دو ہم عصر شخص مشکل سے ملنے جن کے کارنامے بالکل ایک ہی قسم کے ہوں اور پھر اپنی ذات و خصات اور اصول میں ایک دوسرے سے کوسوں دور ہوں۔ یہ خطوط ان دونوں کی سیرتوں کا آئینہ ہیں۔ ایک سیاسی عیار یوں کا بادشاہ ہے۔ تو دوسرا صاف گوئی اور استقلال میں اٹل ہے۔ ایک ہوا کو دیکھتا اور زمانہ کے موافق چلتا ہے تو دوسرے کو اپنے ایمان اور صداقت پر اعتماد ہے۔ ایک اپنی فصاحت سے کام نکالتا ہے تو دوسرا اپنی صاف گوئی سے۔ ایک اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے دل لہاتا ہے تو دوسرا اپنے منطقی دلائل اور معائنے کی تہمت پہنچ کر قائل کرتا ہے۔ ایک کی خوش بانی اور ظرافت اور دوسرے کا وقار اور صبر و سکون دونوں قابلِ داد ہیں۔ دونوں کے اخلاق اپنے اپنے رنگ میں دل فریب اور بے مثل ہیں۔ مگر ایک گتھی کے سلجھانے میں انجام اور نتیجے کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور دوسرے بھلے ہر قسم کے طریقے کو کام میں لاتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ جس طرح ہو سکے یہ مصیبت ٹل جائے پھر خواہ کچھ ہی ہوتا رہے! دوسرا اپنے اصول پر نظر رکھتا ہے اور اسے ایک انجینئرس نہیں مٹنا چاہتا خواہ انجام اور نتیجہ کچھ ہی ہو۔ ایک معاملات کو دیکھ کر طبعاً زنگ بدلتا بگڑتا اور خوش ہوتا ہے! دوسرا ہمارے کی طرح ایک جگہ پر قائم ہے۔ جس پر بیرونی حوادث کا بہت کم اثر ہوتا ہے۔ سیرت کا یہ اختلاف ان خطوں میں صاف نظر آتا ہے۔

نواب محسن الملک کے خطوں میں فصاحت اور روانی ہے۔ وقار الملک کے خطوں میں قوت اور معاملہ فہمی پائی جاتی ہے۔ محسن الملک کے خطوں میں جوانی کی بے پیمانی اور وقار الملک کے خطوں میں بڑاپے کی دانائی اور دور اندیشی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ محسن الملک ہمیشہ جوان رہے اور وقار الملک سدا کے بڑھے تھے۔ محسن الملک جذبات سے مغلوب ہو جاتے تھے اور وقار الملک جذبات پر غالب آنے کی کوشش کرتے تھے۔ محسن الملک ذرا سی آہٹ سے چوکے ہو جاتے تھے۔ اور وقار الملک

معمولی افواہوں کو ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے اُڑا دیتے تھے بحسن الملک معاملہ کا رنگ بدلتا دیکھ کر مضطرب ہو جاتے اور ریشہ دو انیاں شروع کر دیتے اور وقار الملک معاملہ کو معاملہ سمجھ کر سکون کے ساتھ مقابلے کے لئے تیار ہو جاتے۔ غرض دونوں کے خطا پڑھنے کے قابل ہیں اور جو لوگ اُس زمانہ کے اور خاص کر ریاست حیدرآباد اور علی گڑھ کے حالات سمجھنا چاہتے ہیں وہ ان خطوں کے پڑھنے میں خاص لطف حاصل کریں گے۔ محمد امین صاحب قابل شکر یہ ہیں کہ انھوں نے یہ دلچسپ مجموعہ شائع کر دیا۔

کتاب مولوی محمد امین صاحب سے مل سکتی ہو۔ قیمت ایک روپیہ ہو۔

سرگزشتِ الفاظ۔ اس کتاب کے مولف مولوی احمد دین صاحب بنی اسے وکیل لاہور میں۔ الفاظ بھی ایک طرح انسان کی طرح جاندار ہیں وہ بھی انسان کی طرح پیدا ہوتے، مرتے، بڑھتے اور گھٹتے ہیں۔ ہر لفظ اپنے ساتھ ایک تاریخ رکھتا ہے جو خود اس کی ذات میں پنہاں ہے۔ وہ گزشتہ زمانہ کی تمدن اور معاشرت کی یادگار ہے وہ قومی ترقی کے ساتھ ترقی کرتا اور قومی تنزل کے ساتھ تنزل کرتا ہے۔ یہی انقلاب زمانہ سے، انسان کی طرح کبھی ادنیٰ سے اعلیٰ اور اعلیٰ سے ادنیٰ، شریف سے رذیل اور رذیل سے شریف ہو جاتا ہو۔ لیکن ہر لفظ زبان میں ایک منصب رکھتا ہو اور اس کے صحیح استعمال پر وہی قادر ہو سکتا ہے جو اس کی میرٹ سے آگاہ ہو یہ انشا پر دازی کا بڑا گڑھ ہے۔ قابل مولف نے لفظ کے ہر پہلو پر نظر ڈالی ہے اور تحقیق کی داد دی ہو اور ساتھ ساتھ مثالیں دے کر اپنے دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ موضوع بہت دلچسپ مگر ساتھ ہی بہت مشکل اور محنت طلب ہو اور اسی لئے اس میں کہیں کہیں لغزش یا کوتاہی کا ہو جانا لازم ہے مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ”میز کی اصلیت کا پتہ لگانا سہل نہیں۔ تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہو کہ یہ لفظ پرتگالی ہے۔ پرتگالی زبان میں اسے اس طرح لکھتے ہیں (meza) ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ”اسلامی دنیا میں صلوة کا تقدس اور احترام مسلمہ ہے اور ایک مسلمان کی زبان پر اس کی عظمت و شان روز روشن کی طرح عیاں ہے لیکن قوم کی سبکدوشی خفتِ عقل اور ضعفِ ایمان کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہو کہ اس قابل تحرم و تقدس لفظ کو جمع کی صورت میں ایک ذلیل حرکتِ انسانی کے ساتھ وابستہ کر دیا ہو۔ کہاں صلوة اور کہاں صلواتیں“ یہ صحیح ہے لیکن اگر وہ

صلوٰۃ کے لغوی معنوں کی تحقیق کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ لفظ اس طرح ادنیٰ سے اعلیٰ ہو گیا اور پھر اردو میں جمع کی صورت میں کن ذلیل معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ یہی تو زمانہ کے آثار چڑھاؤ ہیں۔ ایک جگہ چھوٹی موٹی کے متعلق لکھا ہے کہ ”چھوٹا تو موٹی“، بدن خشک، پُتر مردگی طاری اور بس۔ بدن خشک کہی نہیں ہوتا بلکہ چھوٹنے سے بدن سکیڑ لیتی ہے۔ مشعلی کو لکھتے ہیں کہ اردو میں اگر بادرچی خانے میں برتن صاف کرنے کی صفت کے لئے مخصوص ہو گیا۔ ابھی تک تو یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ممکن ہو آئندہ یہی ہو جائے۔ انگل کے متعلق لکھا ہے کہ ”اگرچہ ابتدا میں قیاس اور رائے قائم کرنا ہی تھا لیکن اب قیاس اور رائے کی وقعت انگل چو کی ترکیب میں ظاہر ہوتی معلوم ہوتی ہے اس کی اب بھی قیاس اور اندازے ہی کے معنوں میں مستعمل ہے ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ”مدرسہ، تعلیم گاہ اور مکتب سے یقیناً اعلیٰ رتبہ کی چیز ہے“ ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ مدرسہ تعلیم گاہ سے ہر حالت میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔

”جلاب، انگریزی میں حلیب، مکیکو کے ایک شہر جلابا کے نام سے ہے“ قابل ملاحظہ نے یہ نئی بات نکھی ہو جو درست نہیں معلوم ہوتی۔ ہماری تحقیق میں یہ لفظ گلاب کا مزب ہو۔ کرامت سے بچنے کے لئے مسہل کے لئے استعمال ہونے لگا ہے۔ ”رضائی“ محمد رضا موجد کے نام پر ہے۔ جہاں تک ہمارا خیال ہو یہ لفظ دراصل رزائی ہے چونکہ یہ عوامانگے ہوئے کپڑے کی بنائی جاتی ہے اس لئے یہ نام پڑ گیا۔

پاکھنڈ کے لغوی معنی مولف نے وید کے برخلاف بدعت بیان کے ہیں اور اصطلاحی معنی، وہ عبارت جو دکھاؤ کی ہو۔ حرامزدگی، بد ذاتی، شرارت، لیکن لفظ کی تحقیق سے گریز کیا ہے۔ پاکھنڈ مرکب ہو پا اور کھنڈ سے۔ پاکے معنی پدنے والے یا حفاظت کرنے والے کے ہیں جس سے مراد دھرم لی جاتی ہو۔ کھنڈ کے معنی منتشر کر کے اور توڑنے کے ہیں۔ بعض الفاظ پر وہ پوش ہوتے ہیں۔ یعنی کسی مکروہ یا ناگوار شے یا خیال کو اچھے اور خوشنما الفاظ میں ادا کرتے ہیں مولف نے متوالا کے لفظ کو بھی انہیں میں شمار کیا ہے۔ وہ اسے مت (سمجھ عقل) اور والاسے مرکب سمجھے ہیں حالانکہ یہ غلط مدار والاسے مرکب ہو۔ مد کے معنی ہندی اور سنسکرت میں عرق، شراب اور مستی کے ہیں۔ کثرت استعمال سے د سے بدل گئی ہو۔ ان دو حرفوں کا بدل باہم ہوتا ہے۔

اسامی کے ایک معنی امیر کے بھی لکھے ہیں۔ درحقیقت یہ امیر کے معنوں میں نہیں آتا بلکہ بعض اوقات مالدار کو مراد ہوتی ہو مگر اس میں ہمیشہ دم کا پہلو ہوتا ہے۔

مولف نے منجملہ اور سببوں کے غیر متعل الفاظ کی طرف بھی توجہ فرمائی ہو جو کتابی نثر والوں میں بند اور سبیکار پڑے ہیں اور جن سے ہم ناواقفیت یا کم فہمی کی وجہ سے کام نہیں لیتے۔ ہمیں اس خیال سے بالکل اتفاق ہو۔ حقیقت ایسے الفاظ اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں جن کا استعمال اب نہیں رہا یا جو محکامی نہیں سمجھے جاتے۔ حالانکہ بعض خیالات کے ادا کرنے میں بہت کام آسکتے ہیں۔ افسوس ہو کہ قابل مولف نے اس بحث کو نہایت مختصر طور سے چند سطروں میں بیان کر دیا ہو۔ یہ چنداں قابل شکایت نہیں کیونکہ اس مختصر کتاب میں ہر بحث تفصیل سے بیان نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن شکایت اس کی ہے کہ انھوں نے مثال کے طور پر ایک لفظ بھی تو ایسا نہیں لکھا جو ان کی رائے میں رواج دینے کے قابل ہو اگر وہ چند مثالیں بھی لکھ دیتے تو ناظرین کو مولف کے مطلب کے سمجھنے میں بہت آسانی ہوتی۔

بہر حال یہ ایسی باتیں ہیں جن پر نظر ثانی کی ضرورت ہو الفاظ کی تحقیق میں اکثر غلطی ہو جاتی ہو اور اس سے کتاب کی قدر و قیمت کم نہیں ہو سکتی۔ قابل مولف نے انگریزی زبان کی مشہور کتاب ریورنڈ ٹرنج کی تالیف - *(Study of words)* کو پیش نظر رکھا ہو، بلکہ اس کا چربہ اتارا ہو۔ ترتیب بھی وہی ہے اور انداز بیان بھی قریب قریب اسی طرح کا ہو البتہ جہاں اصل کتاب میں انگریزی، فرانسیسی، لاطینی لفظ تھے مولف نے ان کی جگہ سلیقہ سے اردو، ہندی، فارسی، عربی الفاظ داخل کر دیے ہیں انداز بیان میں کسی قدر مولانا آزاد مرحوم کا بھی متبع کیا ہے اور کہیں کہیں ان کی تصانیف سے بھی مدد لی ہو اور یہ کتاب بھی مرحوم ہی کے نام سے منسوب کی ہو۔

لائق مولف کی محنت قابل داد ہے۔ یہ کتاب طلبہ اور عام شائقین کے لئے بہت کارآمد ہو اس سے ان کے دلوں میں الفاظ کی تحقیق، لغوی، معرّف اور اصطلاحی معنوں کے فرق، حالات زمانہ کے اثر سے معنوں میں تغیر و تبدل اور لفظوں کی اصل دریافت کرنے کا شوق پیدا ہو گا اور یہ ادب کی تحصیل میں بہت کچھ مدد دیتا ہو۔ خوشی کی بات ہو کہ پنجاب گورنمنٹ نے ارزاق قدر دانی مولف کو انعام عطا فرمایا ہو اور وہ اس کے سحق تھے۔ مولوی احمد دین صاحب بی لے وکیل لاہور سے مل سکتی ہے۔ چھوٹی تقطیع۔ تہہ و صفحات ۳۴۰ قیمت دو روپے۔ چھپی بھی اچھی ہے۔

قوم پرست۔ بنگال کے نامور ناول نویس بابو دوینچندر لال رائے کے ایک ناول کا ترجمہ ہے

جناب سدرشن صاحب نے اردو زبان میں ترجمہ کیا ہو قابلِ ترجمہ نے اس میں ”اہم رد و بدل“ بھی کئے ہیں ہمیں حیرت ہو کہ ایسے ناول میں جو ہمارے ہی ملک کا ہو اور اس کا لکھنے والا بھی ایک ہندوستانی ہو اہم رد و بدل کی کیا ضرورت واقع ہوئی تھی۔ یہ ناول المیہ ہے اور خاتمہ بہت دردناک ہو۔ قصہ تاریخِ راجستان سے لیا گیا ہے جو صرف اس قدر ہو کہ تھوڑا کی راج کمار کی تار نے عمد کیا ہو کہ جو بہادر سورما میرے وطن کو آزاد کر گئے وہی میرا ملک ہو گا۔ اُس وقت تار کے سن کا گھر گھر چرچا تھا۔ میواڑ کے رانا کے کنور پر تھوڑی راج نے یہ ہم فتح کی اور تار کے دل کا مالک بن گیا۔ ادھر جب اُس نے یہ سنا کہ اس کی بہن پر اس نے خاوند پر بھراؤنے طرح طرح کے ظلم توڑ رکھے ہیں تو وہ بہادر شیر دل فوراً بہن کی عزت بچانے کے لئے سروہے پہنچتا ہے۔ مگر اس کا بہنوئی پر بھراؤ اُسے زہر دیدیتا ہے۔ اگرچہ قصہ صرف اتنا ہو مگر اس میں اور کئی شاخسائے نکل آتے ہیں بعض کیے کہ بہت قابلِ تعریف ہیں۔ مصنف نے بڑی خوبی کے ساتھ انسانی نفس اور خصال کو دکھایا ہو۔ راجپوتوں کی بہادری غیرت اور محبت کا بہت خوب مرتع ہے اور اخلاقی لحاظ سے بھی قابلِ عبرت ہو اور بعض مقامات پر اثر ہیں سدرشن صاحب کا ترجمہ بھی بہت اچھا ہے۔

کتاب بہت اچھے کاغذ پر خوب چھپی ہے۔ رام کنبیاک ڈپو لاہور سے ایک روپیہ میں مل سکتی ہو۔

کنج عافیت۔ یہ ایک چھوٹا سا دلچسپ قصہ ہو جس کے مصنف جناب سدرشن صاحب ہیں۔ اس میں مَنہوں نے انگریز عورت اور اس کے مقابلے میں ایک ہندی عورت کی سیرت نہایت خوبی سے دکھائی ہے۔ پڑھنے کے قابل ہے۔

قابلِ مصنف کو اگرچہ زبان کے محاورے میں کہیں کہیں لغزش ہو جاتی ہو۔ لیکن اپنے خیال کے ادا کرنے میں قدرت حاصل ہو۔ اُن کی دوسری کتابوں کی طرح یہ بھی خوب چھپی ہے۔
منیجر صاحب رام کنبیاک ڈپو لاہور سے ۶ میں مل سکتی ہے۔

محبت کا انتقام۔ یہ ناول جناب سدرشن صاحب کی تصنیف ہو اردو میں بہت کم ایسے ناول ہیں جو

قابل قدر یا قابل مطالعہ ہیں۔ البتہ جناب نور الہی اور محمد عمر صاحبان کے ترجموں نے بہت اچھا سامان عیا کر دیا ہے اور ان صاحبوں کی محنت قابل شکر یہ ہو اس نائک میں مصنف نے جدت دکھائی ہے۔ قصہ اگرچہ مختصر ہے لیکن محبت و انتقام کی کشمکش نے جو ایک ہی جلوے کے دو کرتے ہیں نائک کے اثر اور صحن کو بڑھا دیا ہے اور ایک طرف انتقام کا جوش اور دوسری جانب محبت کی آگ ہر جن کے بھرکتے ہوئے شعلوں میں باقی تمام جذبات بھسم ہو گئے ہیں۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ مصنف نے شروع سے آخر تک اسے اس طرح نبھایا ہے کہ کہیں ٹھکری کی گنجائش نہیں۔ ہماری رائے میں اسے بنگالی نائک "قوم پرست" پر ترجیح ہے۔

رام کٹیا بک ڈپو لاہور سے ایک روپیہ میں مل سکتا ہے تعداد صفحات ۲۰۵۔

مکمل شرح دیوان غالب۔ غالب کا کلام ایک لازوال نعمت ہے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے اس کی قدر اور بڑھتی جاتی ہے۔ جب تک اردو زبان زندہ ہے اس کے زندہ رہنے میں کلام نہیں۔ اگرچہ۔ بلکہ اگر یہ بھی رہے تو بھی یہ کلام زندہ رہیگا۔ کیونکہ اس کا کمال محض الفاظ اور زبان پر منحصر نہیں بلکہ ان تیود سے بالا و برتر ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی متعدد شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور آئندہ سینکڑوں لکھی جائیں گی اور فاضل شائع اس کلام کے سائے میں اپنی جدت اور ذہانت کے دکھانے کے موقع ڈھونڈینگے اور بقائے نام کا وثیقہ سمجھیں گے حال میں مکمل شرح کے نام سے ایک شرح دیوان غالب کی شائع ہوئی ہے۔ اس کے مولف مولوی عبدالباری صاحب آسی الدینی سکرٹری انجمن خاصان ادب لکھنؤ ہیں۔ یہ ایک بڑی ضخیم کتاب ہے۔ مولف نے اس کے لکھنے میں بڑی محنت کی ہے۔ معانی و مطالب کے بیان کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اکثر دوسرے اساتذہ کے (اور کہیں کہیں اپنے بھی) شعر نظیر میں پیش کئے ہیں اگرچہ بعض مقامات پر یہ بے جوڑ اور بے محل معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے شارحوں کی بھی موقع موقع اصلاح کرتے جاتے ہیں اور جہاں کہیں ضرورت ہوتی ہے بعض اشعار کے کئی کئی معنی بیان کرتے ہیں۔ یہ کام ہم دیش دوسرے شرح نویسوں نے بھی کیا ہے لیکن ایک خاص بات جو اس شرح میں ہے وہ سب سے نرالی ہے۔ فاضل شائع نے اس کتاب میں جو دست طبع و تخیل و جدت اور طباعی کا عجیب و غریب ثبوت دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک آوہ اور شرح میں بھی کہیں کہیں جدت

نظر آتی ہے مگر اس سے بدداتی کا رنگ جھلکتا ہے۔ مگر یہاں فاضل شجاع نے ذوقِ سخن کے پردہ میں جو گل کھلائے ہیں وہ قابلِ دید ہیں۔ اس کے متعلق کچھ زیادہ لکھا بحث ہی۔ صرف نمونے کے طور پر دو چار مثالیں لکھی جاتی ہیں ان سے خود ان کے کمال کا اندازہ ہو جائے گا۔

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہل دنیا جل گیا

”اس شعر میں نکتہ یہ ہے کہ جب دل جل گیا تو اب افسردگی کی آرزو ہے۔ جلنے کے بعد ہی افسردگی پیدا ہوتی ہے۔“ یہاں شجاع نے جلنے کے لغوی معنی لئے ہیں۔ جب جلنے کے بعد افسردگی کا پیدا ہونا لازم ہے تو پھر آرزو کے کیا معنی۔

ڈھانپا کفن نے داغِ مویں بربستگی
میں در نہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا

”ننگ وجود محض تناسب الفاظ کے لئے ہے باقی خیریت ہے۔ کیا داد دی ہے۔ مرزا صاحب زندہ ہوتے تو اس کی ضرورت داد دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ذوقِ سخن بھی متعدد ہی ہو۔ فاضل شجاع پر مولانا طباطبائی کا سایہ پڑا ہے۔ یہ لاش بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے
حقِ منفرت کرے محبِ آزاد مرد دھتا

اس شعر کی تعریف کے بعد لکھتے ہیں کہ ”میرے مکرّم استاد مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق گلابی اپنی خاص زبان میں محاورات کے پردے میں اس مضمون کو یوں ادا فرماتے ہیں۔“

لوگ کہتے ہیں کہ ناطق بیٹھا بیٹھا چل بسا۔ اے کیا کجخت کو رکھی ہوئی سی آگئی
حقِ استاد سے قطع نظر کر کے میرے نزدیک یہ اس مضمون کا بہترین شعر ہے رکھی ہوئی سی آگئی ممکن ہے کہ
لکھنؤ کا محاورہ نہ ہو مگر دلی کا ایک محاورہ ہے جو اسی موقع کے لئے وضع ہوا ہے ایک میرا شعر بھی مضمون کا ہے
خدا اسی کو بخشنے اُس کی باتیں یاد آتی ہیں بڑا سیدھا مسلمان تھا بڑا سچا مسلمان تھا
خور کرنے کا مقام ہے کہ ان دو شعروں کو مرزا کے شعر سے کیا نسبت ہے علاوہ اور خوبیوں کے مرزا صاحب

کے شعر میں جو دردِ ہمدردی ان میں کہاں۔

اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ کیسا

جو دُور کی بو بھی ہوتی تو کہیں نہ چار ہوتا

فرماتے ہیں کہ ”دو چار ہونے سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ کبھی اس کی کسی سے جنگ ہوتی کیا خوب
بجکتہ پیدا کیا ہے۔“

میں نے مجنوں پہ ٹرکپن ہیں اسد

سنگ اٹھایا تھا کہ سرِ یاد آیا

”یعنی ہم وہ آشفۃ سر تھے کہ کبھی اپنے سر و پا کا ہوش نہیں رہا اور یہ حالت کچھ آج نہیں بلکہ بچپن میں

بھی ایسے ہی تھے کہ شوخی سے ہم نے مجنوں کے سر میں مارنے کو جب پتھر اٹھایا تب اپنا سر ادا آیا اور پھر وہ پتھر
اپنے ہی سر میں مار لیا۔“ اپنے سر میں مار لینے کی ایک ہی رہی۔

کل کے لئے گر آج نہ خستِ شراب میں

یہ سوئے نطن ہے ساقی کوثر کے باب میں

”کل سے مراد روزِ قیامت ہو کہتا ہے کہ روزِ قیامت کے خوف سے شراب میں خست نہ کر کیوں کہ

اس سے ساقی کوثر کی شان میں سوئے نطن پیدا ہوتا ہے کہ اگر شراب بُری ہوتی تو ساقی کوثر کو یہ کام کیوں پڑ
ہوتا۔“ کیا خوب شرح فرمائی ہے۔ فاضل شائع کے عجیب و غریب نکتے قابلِ داد ہیں۔

شرم اک اداے ناز ہو اپنے اسی سے سی

ہیں کتنے بے حجاب کیوں ہیں حجاب میں

فرماتے ہیں کہ ”شرم ایک اداے مشوقانہ ہے کوئی نہ ہو تو خود ہی سے شرمنا چاہئے۔ وہ اگرچہ شرمائے

ہوئے ہیں مگر حجاب سے بے حجاب ہونا بھی ایک امرِ خلافِ شرم و اداے مشوقانہ ہے“ یہاں چاہئے کہ لفظِ خالص

لفظ رکھتا ہو۔ اور دوسرے مصرع کی جو شرح فرمائی ہے وہ بغیرِ کافِ حق ہے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک راہ رو کے ساتھ

پچانتا نہیں ہوں ابھی راہبہر کو میں

اس شعر میں غلطی سے تیز رو کی جگہ راہ رو لکھا گیا ہے۔ اس شعر کی شرح ملاحظہ ہو۔ آخری جملہ قابل غور اور بہت

پر لطف ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں تلاش منزل مقصود میں سرگرداں اور دیوانہ ہو رہا ہوں۔ انتہا دیوانگی کی یہ ہے کہ ہزاروں جگہ بھی نہیں پہچانتا کہ کون مجھ کو میری منزل پر پہنچا دے گا۔ اس دیوانگی میں جس راہ رو کو تیز جاتا ہوا دیکھتا ہوں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی وہیں جا رہا ہے اور اسے بھی میری طرح جلد پہنچنے کے لئے اضطراب ہے جس اسی خیال کی بنا پر اس کے ساتھ ہولیتا ہوں کہ وہ کسی دوسری جگہ جا رہا ہے اور اس کی منزل ابھی تو لوٹ آتا ہوں کوئی اور تیز رو ملتا ہے پھر اس کے ساتھ ہولیتا ہوں۔ یہ شعر گویا ایک تصویر دیوانگی ہے اور محاکات شاعری اسی کا نام ہے۔ (بہت خوب)

اس کے بعد فاضل شائع نے شاعری اور مصوری پر بحث فرمائی ہے اور دونوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اس کے ضمن میں فرماتے ہیں ”ان (مصوروں) کا یہ کمال مرنی اور ادا می چیزوں تک منحصر اور محدود ہے۔ غیر مرنی چیزوں کی تصویر اگر مصور کھینچے گا تو بدقت کھینچے گا اور وہ بھی ایسی کہ جس کے دیکھنے سے اس کی حالت پر پورا پورا عجب و غیر ممکن ہے۔ اس سے میری مراد جذبات ہیں یعنی فرض کر لیجئے کہ غصہ، تکنت، غرور، سادگی، متانت، اُبھٹے ہوئے کھنڈروں کے نقشے، ہرے بھرے باغوں کی سرسبزی اور رونق بہتے ہوئے چشمے کی روانی وغیرہ کو ایک چابک دست مصور کھینچ سکے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ غصہ، تکنت، غرور، سادگی کے وجوہات، بھیاں تک جگہ کے اسباب اور ان کے اثر جانے کے اوقات، دریا کی روانی کے ساتھ اُس کے عمق وغیرہ کو کیونکر دکھا سکتا ہے؟ اس آخری جملے میں جذبات کی کیا اچھی تشریح فرمائی ہے، اس بحث میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ ”فردوسی اور اسباب کے غصے اور غیرت، اس کے غرور، تکنت، تکبر، دلیری اپنے مقابلے پر دنیا کو دلیل سمجھنے اور زمانے کے حیرت انگیز انقلاب کی یوں تصویر کھینچتا ہے۔“

ز شیر شتر خوردن و سوسمار
عرب را بجائے رسیدت کار
کہ ملک مجمل را کنند آرزو
تغور بر تو لے جج گرداں تغو

اس شرح سے یہ بالکل نئی بات معلوم ہوئی ہے کہ یہ اشعار انفراسیاب کے جذبات کا خاکہ کھینچتے ہیں۔

غالب خدا کرے کہ سوارِ سمند ناز

دیکھوں علی بہادرِ عالی گسر کو میں

اس کی شرح میں تو فاضل شائع نے کمال ہی کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ”سوارِ سمند ناز سے مراد نازیں۔ علی بہادر یا تو کسی کا نام ہے جو مصنف کے دوستوں میں ہیں یا بہادرِ عالی گسر علی کی صفت ہے جس سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔“

غرض یہ شرح لطفِ سخن کے تمام اوصاف کے ساتھ سامانِ تفریح بھی ہے۔ صدیق بک ڈپو امین آباد لکھنؤ سے مفصلہ ذیل قیمت پر مل سکتی ہے۔ قسم اول بلا جلد سے، مجلد لکھنؤ، قسم دوم بلا جلد لکھنؤ اور مجلد تیسرے تدارکِ صحت، ۱۹۱۴ء۔ آخر میں مرزا کے حالات اور ان کی شاعری، حالات ”طبعی“ اور تصانیف پر پورے پورے دو صفحہ کا مضمون تحریر فرمایا ہے۔

تذکرہ عجیبِ سخن۔ یہ اردو شعرا کا جدید تذکرہ ہے جس کے مولف جناب شیر علی خاں صاحب سرخوش ہیں۔ لیکن جس سلسلہ میں یہ کتاب داخل ہے اس کا عجیب و غریب نام ہے نہ معلوم کیا سمجھ کر یہ نام رکھا گیا ہے اور کیا اب کس مناسبت سے اس سلسلے میں شائع کی گئی ہے بہر حال یہ ”سلسلہ ستمِ ظریف بک ڈپو“ لاہور کی دوسری کتاب ہے۔ یہ کتاب میں نے بڑے شوق سے شروع سے آخر تک پڑھی۔ کیونکہ مولف نے پہلے ہی صفحہ سے بیاں لگ دلی ایک جدت کا اعلان کیا ہے اور آخر تک موقع بے موقع اس راگ کو الاپا ہے۔ ان کی رائے ہے کہ اردو زبان نے پنجاب میں جنم لیا ہے اور اس کے ثابت کرنے کی بہت کچھ کوشش کی ہے۔ یہ خیال پہلی بار ہمارے سننے میں نہیں آیا، بلکہ اس سے قبل بھی ہم بعض احباب سے سُن چکے ہیں اور کچھ عرصہ ہوا ایک صاحب ”شیر پنجاب“ کے کسی سلسلے میں اس پر ایک مضمون بھی لکھا تھا مولف تذکرہ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ شمالی ہند میں اول پنجاب ہی میں مسلمان آئے اور ان کی حکومت قائم ہوئی اور ہندو مسلمانوں میں میل جول شروع ہوا اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد انھوں نے ہندی شعرا اور پُرنے اساتذہ کے کلام میں سے بعض الفاظ چن کر بتائے ہیں جو پنجابی ہیں۔ چونکہ یہ الفاظ پنجابی زبان میں اب بھی متعل ہیں اس لئے ان کی رائے میں اردو پنجاب سے نکلی اور اردو پنجابی ایک ہی زبان ہیں۔

پہلے یہ وہی زبان تھی جسے پنجابی کہتے ہیں ترقی کرتے کرتے اس کی شکل صورت بدل گئی اور پنجابی وہی پنجابی کی پنجابی رہی جو صدیوں پہلے تھی۔ یا مثلاً سور داس کے ہاں سے سلج (سان) جھاج (جھاز) اور تلسی داس کے کلام سے گنی (غنی) اور گریب نولج (غریب نواز) کی مثالیں پیش کر کے یہ کہنا کہ یہ پنجابی لفظ ہیں۔ زبردستی کی بات ہو۔ یہ فارسی لفظ ہیں اور جب ہندی میں بولے یا لکھے جائیں گے تو لامحالہ ان کی یہی صورت ہو جائے گی۔ یہ استدلال درست نہیں۔ اصل یہ ہو کہ آریاؤں کی ایک شاخ کابل سے ہوتی ہوئی شمالی ہند پہنچی اور اُسے آنے اور اور بسنے میں ایک مدت لگی۔ اور عرصہ دراز کے بعد ان کی زبان کو ادبی شان نصیب ہوئی۔ یہ زبان سنسکرت ہو جس کے معنی ”شستہ“ کے ہیں لیکن یہ علما اور اہل انشا کی زبان تھی۔ عام لوگ بھی تو آخر کوئی زبان بولتے ہوئے اور اُس وقت بھی اُن کی کوئی زبان ہوگی جب آریاؤں اول اس ملک میں داخل ہوئے یا جب آریاؤں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہ ممکن نہیں کہ آریاؤں کے قدم کے ساتھ ہی ملک کی زبانیں یک سخت منگ گئی ہوں وہی قدیم پراکرتیں تھیں، جن میں سے بعض کو علی اور ادبی درجہ بھی حاصل ہوا۔ ان زبانوں میں بہت کچھ تغیر تبدیل ہوا اور سنسکرت کا بھی اُن پر بہت اثر پڑا، لیکن اُن کی حیثیت قائم رہی۔ جو آریا کہ شمالی ہند میں آئے وہ اندو ایرین (ہند آریائی) کہلائے اور اُن کی زبان بھی اسی نام (ہند آریائی) سے موسوم ہوئے۔ یہی سنسکرت ہوا اب آپ پراکرتوں کے اس آخری دور کا خیال کیجئے کہ ابھی جدید ہند آریائی زبانیں اس شکل کر بھولی چلی نہیں تھیں اُن پراکرتوں کا نام آپ بھرائش (بگڑی ہوئی بولی) ہے اور یہی شمالی ہند کی جدید زبانوں یعنی ہندی، پنجابی، مرہٹی وغیرہ کی اصل ہیں۔

اب ہندی کی کئی شاخیں ہیں راجستانی، مہمبی ہندی، پوربی اور بھاری۔ بلحاظ اصل کے مہمبی یا مغربی ہندی کا تعلق پنجابی سے بہت گہرا ہے اور وہ ہندی جو آج کل ادب و انشائیں کام آتی ہو اور اردو دونوں مہمبی یعنی مغربی ہندی کی شاخ سے نکلی ہیں اس لئے اردو کا تعلق پنجابی سے بھی پیدا ہو جاتا ہو۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن محض الفاظ کی مماثلت سے یا ہندی مشترکہ الفاظ پیش کر کے یہ استدلال کرنا کہ اردو پنجابی سے نکلی ہے درست نہیں ہو۔ ورنہ اس دلیل پر تو مرہٹے اور گجراتی بھی یہ کہنے کو تیار ہو جائیں گے کہ اردو ہماری زبان سے نکلی ہے۔

مولف تذکرہ اردو مصنفوں اور مورخوں سے سخت ناراض ہیں کہ انھوں نے اس امر پر مطلق توجہ نہیں کی کہ اردو پنجابی الاصل زبان ہو اور اردو زبان کی تاریخ لکھتے وقت پنجابی کی اہمیت اور گرسے تعلق کو بالکل نظر انداز کر دیا ہو۔ سب سے زیادہ مورد الزام ان کی نظروں میں بچارسے مولوی محمد حسین آزاد مرحوم ہیں کہ وہ اتنی مدت پنجاب میں رہے اور پھر بھی اس حقیقت سے ناآشنا رہے۔ سچ ہے، این سعادت بر ذرا بازو نمیت۔ لیکن آزاد مرحوم یا دوسرے مصنفین کو تعصب یا طرفداری کا الزام دینا کس قدر نا انصافی ہے۔ آزاد مرحوم نے اپنی کتاب "اجمات اُس وقت لکھی جبکہ ہماری زبان میں ایسی باتوں کا پرچا تک نہ تھا اور بہت سی باتیں ایسی تھیں جو اُس وقت تک تحقیق بھی نہ ہوئی تھیں۔ مرحوم نے باوجود اس کے کہ انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں سے واقف نہ تھے جو کچھ کیا وہ بہت قابل قدر ہو۔ یہاں تک کہ خود مولف تذکرہ اُن کے قدم بہ قدم چلنے پر فخر کرتے ہیں۔

بعض باتیں اس تذکرہ میں قابل مولف نے ایسی لکھی ہیں جو اُسی دیار کے لوگ لکھ سکتے ہیں اور جن پر بدت کا لفظ صحیح منوں میں صادق آتا ہو۔ مثلاً وہ اس امر کے ثبوت میں کہ اردو نے پنجاب ہی میں جنم لیا ہے ایک زبردست دلیل پیش کرتے ہیں جو میں انھیں کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں حقیقت میں قابل غور اور لائق مبالغہ ہے۔ فرماتے ہیں:

”اس کے علاوہ ایک سائنسی دلیل صوبہ پنجاب کے مردم خیز ہونے کی یہ ہے کہ انسان کی بہترین غذا اگیوں ہے جو ہمارے دماغ کو بحال تقویت پہنچاتی ہے اور وہ اہل پنجاب کے روزمرہ استعمال کی چیز ہے غرض کوئی وجہ نہیں کہ ایک خاص مشرقی زبان جیسے کہ اردو ہو اس ملک میں پیدا نہ ہوئی ہو۔ ہاں بیشک ہوئی ہے“ !!

اب فرمائیے، ایسے ظالم کا کیا کرے کوئی؟ غرض شروع کے کوئی تیس صفحے انھوں نے اسی بحث کے تذکرہ کر دیے ہیں۔ جس کا عنوان تاریخ زبان اردو ہی اس کے بعد چند ورق شعر و شاعری کی حقیقت پر تحریر فرمائے ہیں اس میں انھوں نے چند شعر لکھے ہیں اور ان کی خوبیاں بتائی ہیں۔ یہ تقریباً سب کے سب مولانا حالی کے مقدمے سے نقل کئے گئے ہیں۔ مثلاً پہلا شعر ہے وقت پیری شباب کی باتیں۔ ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں اس کے متعلق فرماتے ہیں ”دیکھو اس شعر میں ایک قسم کی روانی یعنی وزن شعر بھی پایا جاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو

شعر شعر نہیں بلکہ نثر ہو جائے۔ ”تخیل کے متعلق ایک انوکھا خیال ظاہر فرمایا ہے کہ ”زبان انگریزی میں خیال کو سمیٹیشن کہتے ہیں۔ اس کے متعلق مولانا حالی نے اپنے مقدمہ شعر و شاعری میں بڑی بڑی بحثیں پیش کی ہیں کہ خیال کس طرح شعر پر اپنا اثر کرتا ہے۔ مگر میری دانست میں خیالات صرف ہمارے محسوسات ہی کی توسیع کا دوسرا نام ہے اور ہماری تمام ذہنی کیفیات کی بنا حقیقت میں انہی حواسِ خمسہ پر ہے۔ پس جو بات ہمارے حواس ہی سے خارج ہو مثلاً دیو دل پریوں وغیرہ کا وجود تو جو شاعری ان باتوں پر قائم کی جائے گی۔ وہ بھی اصلیت سے بالکل دور ہوگی۔ گویا کسی شعر کی اصلیت کی تصدیق ہمارے حواسِ خمسہ ہی سے ہونی چاہئے۔“ بشمول شاعری کا دائرہ اس قدر محدود اور تنگ کر دیا جائے تو پھر آدمی بجائے شاعری کے بھٹی کا کام کیوں نہ کرے جس کی تصدیق ہر وقت حواسِ خمسہ سے ہوتی رہے۔

موضوع شاعری کے متعلق لکھتے ہیں کہ ”اب شعر کا مدعا اور شعر گوئی کا موضوع وہ نہیں رہا ہے..... بلحاظ موضوع شاعری ان میں تعلقات سے اپنا قدم کبھی باہر نہیں رکھ سکتی۔ الوہیت، حکومت اور حسنِ صورت“ حسنِ صورت کی مطلب صرف مرد و عورت کا حسن ہی مراد نہیں بلکہ ”پہاڑ، دریا، جزیرے، آبشار، بلع، نہریں پھول اور مختلف قسم کے مناظرِ فطرت ہیں۔“ ”لہذا حسن و عشق کے بجائے ہمارے شعر کا آئندہ مناظرِ قدرت اور جذباتِ فطرت کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔“ شاعری کی تعریف طرح طرح سے کی گئی ہے، کسی نے قوتِ خیال پر شعر کی بنیاد رکھی ہے، کسی نے الفاظ کے حسن پر، کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ کہا ہے۔ مگر مولف تذکرہ کے خیال میں ”یہ سب فنِ شعر کے اہول مفروضہ یا تھیوریاں ہیں۔ پریکٹیکل یعنی عملیہ شعر گوئی کے لئے صرف سمیٹیشن Suggerstion کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ ایک انگریزی لغت ہے جس کے معنی شورشی یا ایک بات سے دوسری بات کا احساس ہونا ہے“ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ قدامت کے لئے حسن و عشق کا ایک ایسا واحد جامع مضمون تھا کہ ان کو شعر گوئی اور سخنوری کے لئے کسی اور مضمون کے تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی حالانکہ ہمارے ہاں معاملہ برعکس ہے۔ اب شعر و شاعری میں سب سے زیادہ وقت طلب امر انتخابِ مضمون ہے۔ آگے چل کر انہوں نے سب سے بڑی اور خاص چیز شاعری کے لئے استفادہ کو قرار دیا ہے جس کی مثال انہوں نے یہ دی ہے کہ پہلے آبجیات لکھی گئی۔ اس کے بعد اسی مضمون کو زیادہ محقق کے ساتھ حالی نے لکھا اور اس کو ”مستفاد“

ہو کر شبلی نے موازنہ نہیں دیا اور شعرالمجم میں سن شعر کے متعلق بہت سے نکتے لکھے۔ یا سوتی کی نظم سے اکبر نے ”مستقاد“ ہو کر ایک نظم روانی دریا کے عنوان سے لکھی۔ اور جب یہ نظم شہباز کی نظر سے گزری تو انھوں نے ”مستقاد“ ہو کر آب رواں کے عنوان سے ایک نظم تصنیف کی۔

بعض بعض راہیں عجیب ہیں۔ کہتے ہیں کہ ابتدائی شعرا یا دوسرے درجہ کے شاعر مصنفین کے لئے یہ ایک وسیع میدان ہے کہ وہ نظم البصیال کی تصنیف میں طبع آزمائی کریں۔ حالانکہ بچوں کی نظمیں لکھنے کے لئے اعلیٰ درجہ کے شاعر کی ضرورت ہو۔ ابتدائی سے اس کی توقع کرنا غلط ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل مولف شعر کی حقیقت سے کہاں تک واقف ہیں۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ”حیات جاوید میں سرسید کی یوگرانی اسی مکمل و مستند لکھی ہے کہ اگر اسی میں سرسید کے وہ خطوط جو بعد کو چھپے درج ہوتے تو اردو میں انگریزی کی اعلیٰ سے اعلیٰ سمون عمریوں کا نمونہ بنی محض ان خطوط کے درج کر دینے سے۔ کیا عجب بات ہو۔ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ”مولانا حالی نے دوسرے بھی لکھے ہیں۔ مرثیہ غالب اور مرثیہ حکیم محمد خواں“ یہ دونوں ان کے دیوان میں موجود ہیں۔ ان کے ساتھ چودہری خوشی محمد ناظر کا مرثیہ سرسید احمد خاں بھی ملاو، تو پھر ان تینوں مرثیوں سے ”مستقاد“ ہو کر اردو میں بہتر سے بہتر سے دردناک مرثیہ تصنیف کرنا چنداں مشکل نہیں رہتا۔ اس خیال کا مولف نے کئی جگہ اعادہ کیا ہے چنانچہ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ جو نمونہ مجموعہ کلام شبلی نے پیش کیا ہے اگر اسی قسم کی متعدد کتابیں اردو میں اور تصنیف کی جائیں تو پھر ہمیں بوستان، سکندر نامہ، اور شاہنامہ جیسی کتابیں تصنیف کرنے میں کچھ دقت واقع نہ ہو۔ کیونکہ بوستان اصل میں چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہی ہیں جو حکیم لقمان، شاہ پوریا حاجی بن یوسف وغیرہ ایسے مختلف شخصوں کی منظوم سیرتوں سے لبریز ہیں اسی طرح سکندر نامہ محض سکندر اعظم کی تاریخی داستان کو پھیلا پھیلا کر لکھ دیا گیا ہے۔ یا شاہنامہ میں رستم کے حالات و واقعات ہی نظم کئے گئے ہیں“ کیا سہل لٹکا بتایا ہے اور ساتھ ہی چند الفاظ میں جو بوستان سکندر نامہ اور شاہنامہ پر بلا جواب تنقید فرمائی ہے۔ اس سے قابل مولف کا ذوق سلیم ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے ہی صفحہ پر پھر یہ ارشاد ہوا ہے کہ ”اگر ہمارے نزل گو شعرا قافیہ پیمائی کو آئندہ ترک کر دیں اور اسی طرح ادبی رسائل کے شاعر نامہ نگار بھی کچھ ٹھٹھی دت توجہ دے کر اپنے ملک یا قوم کی تمام اعلیٰ سیرتوں اور کیرکیروں کو نظم کر ڈالیں تو اسی ادنیٰ ابتدا سے پھر

ہمارے اس اردو میں بھی رابین، مہا بھارت، ہومر کا ایڈ اور فردوسی کا شاہنامہ وغیرہ ایسی ضخیم کتابیں نظم میں موجود ہو جائیں۔ گویا رابین، مہا بھارت، اور ایڈ کی بڑی خوبی یہ ہو کہ وہ منظوم ہیں اور ضخیم ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے غزل گو شعرا اور رسالوں کے شاعر نامہ نگار ضرور اس قابل قدر مشورے پر عمل کریں گے۔

مولانا شبلی کے کلام پر جو تنقید فرمائی گئی ہے وہ بھی خاص توجہ اور قدر کے لائق ہے امید ہو کہ اردو کلام کے نقاد اس سے ضرور ”مستفاد“ ہوں گے۔ فرماتے ہیں کہ ”وہ دراصل ایک جہلی شاعر نہ تھے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے مگر ایک طرف اسلامی تبلیغ اور مشاہیر اسلام کی سیرتوں کا مطالعہ اور دوسری طرف شرفی اور ہر قسم کے اردو فارسی نظموں کے حسن و قبح کی تحقیق کے جذبے جو بعد کو موازنہ انیس و دہر اور شعر الجعم میں اپنا رنگ دکھانے لگا، انہی دو اتفاقی باتوں نے مولانا کو شاعری کے دائرہ میں لا ڈالا“ نگے چل کر لکھتے ہیں ”آپ کے عام حالات زندگی اور طریق بود و ماند سے صاف واضح ہوتا ہے کہ آپ ہرگز شاعر بننا نہیں چاہتے تھے یا اس طرف ان کی دلی توجہ مطلق نہ تھی یاں ہمہ جو نظمیں مولانا شبلی نے اپنی یادگار چھوڑی ہیں وہ ان شعرا کے لئے جو قومی روایات یا بعض ملکی مسائل سادہ طور پر نظم کرنا چاہیں ایک اچھا نمونہ ہیں۔ ایک دوسری جگہ ان کے اردو کلام کی داد ان الفاظ میں دی ہو ”اردو میں ان کا ایک مجموعہ کلام اور اپنے بڑے بھائی کا ایک دردناک مرثیہ ہے۔ جن کو مولانا اپنا خاص رجحان طبعیت اور اپنی قوت نظم اچھی طرح دیکھ بھال کر لکھا ہے ایک دوسرے مقام پر مولانا کے متعلق فرمایا ہو کہ ”مولانا شبلی نے موازنہ انیس و دہر میں مہجور شعرا کے خلاف و دبیر کو ایک متدل شاعر ثابت کرنے کی بہت کوشش کی تھی مگر ناکام رہے“ معلوم نہیں یہ رائے انھوں نے کہاں سے قائم کر لی۔

امیر خسرو کا اردو کیا ہندی کلام بھی باوجود تلاش کے اب تک دستیاب نہیں ہوا اور جو ہیلیاں وغیرہ ان سے منسوب کی جاتی ہیں ان کے متعلق بھی صحیح طور سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں کوئی ان کی ہو اور کوئی الحاقی ہیں مگر قابل ملاحظہ ہے اس مسئلہ کو کس خوبی سے حل فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ ”زمانے نے خسرو کا وہ اردو کلام جو عوام کی عقل و فہم سے کچھ بالاتھا، بالکل معدوم کر دیا“ مولف کی تحریر سے امیر خسرو کی نسبت ایک اور نئی بات معلوم ہوئی ہے ”امیر خسرو کے عہد سے پہلے زبان اردو کسمبے بول چال کی حد سے آگے نہیں بڑھی لہذا اس نے جو کام کیا وہ کرنیل گلکرسٹ (جس کو حکومت نے بیسیوں اسٹنٹ اور عہد و معاون بھی دیئے تھے)

کی ادبی کارگزاریوں سے زیادہ سخت مشکل تھا۔ مثلاً اس کو ادنیٰ ادنیٰ ڈھکوسلوں اور انہوں سے لے کر اس وقت کے لحاظ سے بہت اعلیٰ درجہ کی غزلوں تک خود تصنیف کرنی پڑیں تاکہ یہ زبان علمی حیثیت سے ملک میں رائج ہو جائے۔ کاش وہ اپنے انتخاب میں اردو کی اُن اعلیٰ درجہ کی غزلوں میں سے ایک آوہ بھی نقل فرما دیتے۔ ایک دوسری بات جو تاریخی لحاظ سے خاص وقعت رکھتی ہے یہ تحریر فرمائی ہے کہ ”قارئین سے ایسا معلوم ہوتا ہے غلیجوں اور تغلقوں کے زمانہ حکومت میں امیر خسرو کو سہ کار سی طور پر اس زبان کی ترویج کے لئے بعض درسی کتابیں مثلاً خاقانی باری وغیرہ تالیف کرنے کا حکم ہوا اور اس نے اس کتاب کے علاوہ غزلیں، گیت، دوسرے، نمل دوسٹخے اور ہسپلیاں وغیرہ بھی خاص اسی غرض سے تصنیف کی تھیں“ فاضل مولف نے فطی اور تغلق بادشاہوں کو غالباً پنجاب کا کنٹرل ہال رائڈ سمجھا ہے۔

شعرا اور شاعری کے متعلق آپ کی کچھ رائیں درج ہو چکی ہیں لیکن نمونے کے طور پر دو رائیں اور درج کی جاتی ہیں۔ ناسخ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ”شاعری حقیقت میں قافیہ پیمائی نہیں ہے بلکہ استعارہ و تشبیہ وغیرہ کے زور سے ایک معمولی سی بات کو لطیف اور خوش گوار بنا دیتا ہے اور یہ بات ناسخ کے کلام میں ہر جگہ واضح پائی جاتی ہے“ دوسری رائے ملاحظہ فرمائیے ”مولانا حالی، مجروح اور سالک دہلوی نے جو مرثیے (مرزا غالب کے) لکھے ہیں وہ تینوں بے نظیر اور بے مثل ہیں اور مرزا غالب کی دلی تمنا کو پورا کرتے ہیں“ حالانکہ مجروح و سالک کے مرثیوں کو مولانا حالی کے مرثیے سے کیا نسبت ہے۔ مولف کا ذوق سخن عجیب قسم کا ہے وہ ہر شاعر کو جو غزل کے علاوہ کسی مضمون پر تک بندی کر سکتا ہے اعلیٰ درجے کا شاعر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ جہاں انہوں نے اُن شعرا کے نام گنوائے ہیں جن کا کلام ہر ادنیٰ اور اعلیٰ شاعر کے لئے رہنمائی کا کام دیتا ہے وہاں انہوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ اُن سب شاعروں کے نام ملا تھف لکھ دیئے ہیں جو غزل کے علاوہ دوسرے مضامین بھی نظم کر سکتے ہیں۔ ان کو وہ ”نیچرل گو“ شعرا کا خطاب عطا فرماتے ہیں۔

مولف نے بار بار شعرا کو یہ ہدایت کی ہے کہ انہیں گرد و پیش کے حالات و واقعات سے ”مستفاد“ ہو کر قومی، تاریخی اور خیر پرل مضامین پر نظمیں لکھیں اور تاریخی واقعات و روایات کو نظم کرنا چاہیے۔ لیکن انہوں نے ایک عالم ہے علم کی طرح محض زبانی نصیحت ہی نہیں کی بلکہ شعرائے زمانہ حال پر رحم کھا کر یا ذوق سخن سے بے تاب ہو کر

منونے کے طور پر اپنا ایک قطعہ بھی پیش کیا ہے جسے حضرت سرخوش (مولف تذکرہ) کا خلاصہ کلام کہنا چاہیے۔ میں باوجود اس طوالت کے اس کی نقل کرنے پر مجبور ہوں۔ امید ہے کہ ناظرین کرام مجھے معاف فرمائیں گے اور کچھ تعجب نہیں کہ پڑھنے کے بعد وہ اس قدر محظوظ ہوں کہ میرا شکریہ ادا کریں۔ قطعہ یہ ہے۔

شاہ وگدا

بتلا ایک مرض میں ہوا شرِ اسپین
تھا خلل معدے میں سینے پہ خلق تھی ہیسم
ڈاکٹر جمع ہوئے سب شہر کے بلوائے حکیم
نہ ہوا جب کہ طبیعوں کی دواؤں کا اثر
عمرِ شاہ کی کتنی ابھی دیکھو باقی
متفق ہو کے کہا سب نے نہیں شاہ کو مرض
دیو غم ہے کوئی سینے پہ چڑھا اس کے مگر
اہلِ دربار نے پھر پوچھا کہ کیا اس کا علاج
سنبھل کر کہا اس درد کا ہے چارہ ایک
واسطے شاہ کے اس شخص کا لے آؤ قمیص
کی تلاش اس کی تو اک پایا فقیر آزاد
پر نہ تھا قہر نہ قمیص اس کے نہ کرتہ سکوئی

سب یہ کہتے تھے کہ اب جینا ہوا اس کا محال
دل گھٹا جاتا تھا جتنی کہ بڑھی اس کی طحال
سنے دکھلائے جو اس فن میں رہ رکھتے تھے کمال
جو تپتی آئے وہاں، آئے بخومی رمال
اہلِ بیخیم سے دربار نے پوچھا یہ سوال
نہ کوئی عارضہ ہم دیکھ چکے اس کی فال
ہو گئی جس سے بہت اس کی طبیعت بدحال
دیو غم کس طرح ہو سینے کا اس کے پامال
سب کتابوں میں لکھا اپنی یہی ہے احوال
نہ ہوا جس کو کبھی درد و غم و رنج و ملال
غم و غصہ کا تھا دل کو کبھی جس کے نہ خیال
خوش تھا وہ نگاہِ نگاہ - یونہی رہتا تھا نال

الغرض صدمے میں شاہوں کو بھی دیش بیاں

مال و دولت سے نہیں جاتا کبھی دل کا وبال

یہ بھی خیال رہے کہ مولانا حالی کے بعض قطعات کے ساتھ ایسے درج کیا گیا ہے۔ اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ اگر حضرت سرخوش اپنے کلام کا مجموعہ شائع فرمادیں تو یہ شعرا کے لئے شمع ہدایت کا کام دے گا۔ اگر شاعری یہی ہے تو اسے شاعری - اس تذکرے کا ”جزو ثالث“ انتخاب کلام مشاہیر شعراء اردو قدیم مع تذکرہ و تبصرہ موسوم بہ بیاض سرخوش“ ہے جو کل کتاب کے دو تہائی حصے سے بھی زیادہ ہے۔ ان کی مختلف رایوں اور ان کے قطعوں سے ان کے ذوقِ سخن کا ایک حد تک اندازہ ہو چکا ہے۔ انتخاب کلام سے اس میں اور مدد ملے گی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ غزل کو

اس قدر حقیر سمجھتے ہیں کہ اسے قابل انتخاب خیال نہیں کرتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ”غرض جذبات فطرت، بچپن و قومی
اشعار اور عام اخلاقی و ملکی نظمیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ ادب اردو میں دستیاب ہو سکتی ہیں وہ سب اس باض میں جمع کی
گئی ہیں۔ اگرچہ اس قسم کی مفید نظموں کا ایک وسیع انتخاب علی گڑھ سے بھی شائع ہو چکا ہے مگر اس میں بعض بعض عامیانہ
خیال کی نظموں کو بھی کتاب کا حجم بڑھانے کے لئے جگہ دی گئی ہے۔ حالانکہ موجودہ (یعنی مولف کے۔ ادیٹر) انتخاب میں
ہر ایک شاعر کی صرف دو ایک ایسی نظمیں منتخب ہو کر درج ہوئی کہ ان سے بہتر اس شاعر کے دیوان یا مجموعہ تصنیف
میں یا اس کے قلم سے کبھی نکلی ہی نہوں۔“ اب اس انتخاب کی خود ہی مثال دے کر تشریح بھی فرمادی ہے۔ جس کے ہم
بہت ممنون ہیں۔ ملاحظہ ہو ”مثلاً ذوق اور غالب کی اچھی سی اچھی غزلیں عام تذکروں میں قلمبند کی گئی ہیں مگر میری ذاتی
راے ہے کہ اگرچہ غزل میں ذوق اور غالب کے برابر یا ان کے کچھ قریب قریب حال کے شعرا نے بھی غزلیں کہہ ڈالی
لیکن جو سہرا پہلے مرزا غالب نے کہا اور پھر اس کی تقلید ذوق نے کی، باوجودیکہ صد ہا شعرا نے اس بارے میں بہت سعی و
کوشش بھی کی ہے مگر ویسے سہرے پھر کبھی تصنیف نہیں ہوئے۔ لہذا اس باض میں صرف ایسے ہی نادار اوجو درگرمفید
اشعار انتخاب ہو کر درج کئے جائیں گے جیسے یہ سہرے۔“ اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور حقیقت یہ ہے
کہ فاضل مولف نے اپنے اس قول پر پورا عمل کیا ہے۔ مثلاً خواجہ میر درد کے کلام میں سے صرف تین اردو اور چار فارسی
رباعیاں انتخاب فرمائی ہیں۔ میر تقی میر کی صرف ایک شہرہ منوی ”جھوٹ کی مذمت“ انتخاب کی گئی ہے جو میر صاحب کے
ادنیٰ کلام میں سے ہے۔ انشائے ہاں سے شہرہ منوی ”در جو زینور“ شہرہ منوی ”در جو کھٹل“ پھر ہوں کی شکایت پسند فرمائی گئی ہے
تاسخ کے کلام میں سے ایک غزل کفنوں کی تعریف میں درج کی گئی ہے۔ شاید اس خیال سے کہ مسلسل ہے اور عشقیہ نہیں۔ البتہ
آتش پر خاص عنایت ہے کہ ان کی غزلوں میں سے مختلف اشعار انتخاب فرمائے گئے ہیں۔ غالب کے کلام میں سے علاؤ
سہرے کے چکنی ڈلی کی تعریف بھی درج کی گئی ہے۔ محض اس خیال سے کہ ایک خاص مضمون پر مسلسل غزل ہے کیا نظر انتخاب
ہے اور اس کے بعد ان کا منظوم خط جو انھوں نے نواب علاء الدین خاں مرحوم کو بطور تعین کے لکھا تھا اور اس کا منظوم
جواب بھی منتخب فرمایا گیا ہے۔ ایسے انتخاب پر بے اختیار لا حول بیجھ کوجی چاہتا ہے۔ مومن کے ہاں سے کچھ انتخاب نہیں
کیا گیا۔ اگر کہ وہ بہت مداح ہیں اور اس مداحی پر روانی دریا کی نظم منتخب فرمائی ہے اور ایک مشہور قطعہ جو پردہ پر ہے
اس سے ناظرین ان کے ذوق سخن اور انتخاب کا اندازہ فرما سکتے ہیں۔

ہیں اس بات کا افسوس ہے کہ قابل مولف کا فہم عالی مرزا غالب کے کلام کی خوبیوں کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ وہ
ان کی شہرہ منوی، ظرافت آزادہ روی اور بچپن کی بلڈ پروازی کو کسی اور ہی بات پر محمول کرتے ہیں اور ان کی سیرت پر

انہوں نے ایسے رکیک اور عامیانا حلقے میں کہ جیسے کوئی کسی بازاری معمولی آدمی پر کرتا ہے جن کے ذکر سے ہم اپنا قلم آلودہ کرنا نہیں چاہتے۔

تذکرے میں کہیں کہیں تاریخی غلطیاں بھی ہو گئی ہیں مثلاً مولانا شبلی کے انتقال کی نسبت لکھا ہے کہ ”مولانا شبلی نے یورپ، مصر اور شام وغیرہ کا بھی سفر کیا تھا مگر گنہگار میں سیر کرنے کو گئے تھے کہ بخار چڑھا اور وہاں ہر گز ۱۹۱۷ء کو رحلت پا گئے“ یہ سراسر غلطی۔ پیدل کو دہلی لکھا ہے حالانکہ وہ بڑے عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ چہاڑو اور باغ و بہار دو جدا کتابیں سمجھ لی گئی ہیں۔ یہ ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں۔ غرض کہاں تک لکھوں کتاب کیا ہے ایک سمجھ رہی۔ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قابل مؤلف کی نظر بہت وسیع ہے، اردو زبان، اس کی تاریخ اور ادب، شاعری، لغت، صرف و نحو، معانی و بیان وغیرہ پر جس قدر کتابیں اب تک لکھی گئی ہیں کوئی ان سے نہیں بچی۔ قدیم و جدید شعر کا تمام کلام ان کی نظر سے گزر چکا ہے چشم بدو و خود بھی شاعر ہیں۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ذوق سلیم ہزار ہا دفتر پڑھنے کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تذکرے میں اعلیٰ سے اعلیٰ راؤں کے ساتھ ادنیٰ سے ادنیٰ مضحکہ خیز خیالات اس طرح لاکر رکھ دیئے ہیں کہ ذوق صحیح پر گراں گزرتا ہے۔ اور کتاب کے طرز تحریر نے اسے اور ناگوار اور گراں کر دیا ہے۔ ابتدا میں مجھے تعجب ہوا تھا کہ یہ کتاب ”سلسلہ ستم ظریف“ میں کیوں داخل کی گئی لیکن کتاب ختم کرنے کے بعد ثابت ہوا کہ بے شک وہ اسی سلسلے کے لائق تھی حقیقت یہ ہے کہ قابل مؤلف سے بڑھ کر کوئی ستم ظریف نہیں ہو سکتا۔

قابل مؤلف نے دیباچے میں تحریر فرمایا ہے ”امید ہے کہ میری یہ ناچیز کوششیں راہگاہیں نہیں جائیں گی۔ اور اس تذکرہ کی بعض جدت طرازیوں کی محض وسعت ادب کی نگاہ سے ضرور قدر کی جائے گی“ ہم اس دعا کو آرزو میں ان کے ساتھ شریک ہیں اور ساتھ ہی ناظرین کو یہ خوش خبری سناتے ہیں کہ اس کا دوسرا حصہ بھی عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

لکھائی چھپائی کچھ اچھی نہیں تقطیع چھوٹی تعداد صفحات ۳۴۲ قیمت دو روپے آٹھ آنے (۸ روپے)

ستم ظریف بک ڈپو، لاہور سے مل سکتی ہے۔

بزمِ اردو | حیدرآبادی ہیں۔ رائج الوقت درسی کتب کے برخلاف اس کتاب کے انتخابات میں ایک خاص ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور نظم و نثر کے حصوں کو سات سات ادواب مثلاً وطنیت، پیغامِ عمل، آدابِ اخلاق وغیرہ پر تقسیم کر کے ہر ایک کے ذیل میں پانچ پانچ مضامین ایسے لکھے ہیں۔

متاخرین کے ساتھ ہی ساتھ دورِ حاضر کے ممتاز اہل قلم کے مضامین کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ چنانچہ سرسید اور ڈپٹی نذیر احمد کے مضامین کے دوش بدوش مولوی سید سلیمان ندوی اور مولوی وحید الدین سلیم کے مضامین بھی نظر آتے ہیں۔ حصہ نظم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ غزلوں کو بالکل جگہ نہیں دی گئی، بلکہ قصبی نظموں میں سب مسلسل اور مستقل عنوانات پر ہیں۔ اس حیثیت سے اس انتخاب کو اپنے پیشرووں پر ضرور کچھ نہ کچھ فوقیت حاصل ہے۔ مولف صاحب اس کتاب کو جماعتِ مڈل کے طلباء کے لیے تجویز کرتے ہیں ہماری رائے میں یہ اس جماعت کے لیے ضرورت سے زیادہ مشکل، اور کسی قدر غیر موزوں بھی ہے۔ جماعتِ مائے وسطانیہ کے لیے اردو کی درسی کتب کا نشا، اعلیٰ ادبی ذوق پیدا کرنے کی بجائے صحیح انشا پر داری و تقریر کی قدرت ہونا چاہیے۔ اور اس غرض کو پورا کرنے کے لیے نصاب میں، نظم و نثر کے آسان اور مشکل نمونوں کے تمام درمیانی مدارج بتدریج شامل کرنے چاہئیں۔

تاریخِ اردو، مروجہ تعلیم، مقصدِ حیات، علمائے سلف، یہ ایسے مضامین ہیں جو طلباء کی استعداد سے بالاتر ہیں۔ کتاب کی ترتیب ادبی حیثیت ضرور رکھتی ہے، لیکن تعلیمی ضرورتوں کو کچھ زیادہ پورا نہیں کرتی، اخلاقی مضامین کے مفید ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے، لیکن طلباء کے خیالات کا ساتھ دینا بھی ضروری ہے۔

اس کتاب کے حصہ مکتوبات کے متعلق ہم صرف اسی قدر کہیں گے کہ ایسے خطوط کو جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے خانگی، اور بہت کچھ تعلیم طلب ہوں حتیٰ الوسع خارج کر دینا چاہیے۔ مثلاً حسن نظامی صاحب کا خط بہت محمود و فاطمہ ماہ بانو کے نام طلباء کے لیے زیادہ دلچسپ نہیں ہو سکتا، چائے خانہ، اور بان بہت یاد آتا ہے۔ یہ اشارات ان کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ مکتوبات خواہ فرضی ہوں یا اصلی ایسے ہوں جو خط کے ذریعہ سے لکھے مطلب کا طریقہ دکھا سکیں۔ اسی طرح سے حصہ نظم میں حضرت اکبر رحوم کی مشہور نظم ”کما مجنوں سے یہ یسلی کی ماں“

کو تمام شریک کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا، اسی طرح سے مرحوم کے دوسرے خرافات آمیز اشعار بھی مثلاً رنگ کولے کا بیٹ سوئے کی، نصاب کے لیے کچھ زیادہ موزوں نہیں ہیں۔

کتاب چوٹی قطع پر ہے، لکھائی چھپائی کاغذ سب کچھ اچھا ہے، مطبع نظام دکن واقع بازار عینی میان سے پھر میں مل سکتی ہو۔

انجام زندگی | یہ ایک ۶۴ صفحہ کا افسانہ ہے جو مسلسل تمدن دہلی میں شائع ہوتا رہا اور اب کتاب کی شکل میں ظاہر ہوا ہے، اس کی لکھنے والی "الم رقم بہنا بہ ضیا، بانو صاحبہ میں کتاب میں تین لڑکیوں کی ازدواجی زندگی بیان کی گئی ہے اور چونکہ ایک کو دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے اسے تین افسانوں کا مجموعہ کہنا زیادہ مناسب ہوتا۔

پہلی لڑکی صغیرہ ان بد قسمت ہستیوں میں سے ہے جو والدین کی مصلحتوں پر قربان کر دی جاتی ہیں۔ اس کا نکاح ایک ساٹھ سال کے مرد رحمت علی نامی سے ہوا ہے جو رشتہ میں لڑکی کا چچا بھی ہوتا ہے۔ دوسری لڑکی تقیس کی شادی ایک ہونہار گوجڑ جو بیٹ محمد تقی کے ساتھ ہوئی ہے اس کی زندگی ویسی ہی ہے جیسی کہ اوسط درجہ کے خوشحال گھرانوں کی ہوا کرتی ہے۔

تیسری لڑکی زمرہ دآن لڑکیوں کے نمونہ کے طور پر لی گئی ہے جو اپنی بدقسمتی سے نہ صرف اپنے شوہر کو کو ناراض کرتی ہیں بلکہ ان کی بدکاری کا سبب بھی بنتی ہیں۔

کتاب میں باوجود تلاش کیے، پلاٹ کی کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ ایک ہی کتاب میں تین قصوں کا لکھنا، اور وہ بھی اس طرح سے کہ پہلے باب میں پہلی لڑکی کا قصہ، دوسرے میں دوسری کا اور تیسرے میں تیسری لڑکی کا و علیٰ ہذا نہ صرف پڑھنے والوں کے لیے باعث زحمت ہو جنہیں باب تلاش کر کے تسلسل قائم کرنا پڑتا ہے، بلکہ اس کی وجہ سے خود مصنفہ رابطہ کو قائم نہ رکھ سکی ہیں۔ ص ۵ پر زمرہ کی شادی "نثار حسین صاحب کے لڑکے" سے ہوتی ہے، لیکن اس کے بعد ہر موقع پر زمرہ کے شوہر کا نام نثار حسین نظر آتا ہے، بلکہ ص ۱۱ پر تقیس کے شوہر کا نام بھی محمد تقی کی بجائے نثار حسین ہی ہو گیا ہے۔ زمرہ کے لڑکے حمید کا ذکر کتاب میں اس وقت آیا ہے جب کہ اس کا شوہر اسے طلاق دے چکا ہے، اس لڑکے کی عمر پانچ سال بتائی گئی ہے، تینوں لڑکیوں کی شادیاں ایک ہی سال ہوئی ہیں، صغیرہ

۲ سال میں بیوہ ہو جاتی ہے۔ اس مدت میں زمر کے لڑکے کا چار پانچ سال کا ہو جانا، اور بلقیس کی شادی کو پانچ سال گزرنا، تعجب است ہے! صغیر پر رحمت علی کی دو مرحومہ بیویوں سے تین اولادیں دکھائی گئیں ہیں، لیکن صغیر صغیرہ کی ۴ سوتیلی اولادوں کا تذکرہ ہے!

یہ کتاب لڑکیوں کے لیے لکھی گئی ہے، اور چاہیے تھا کہ اخلاق و تہذیب کا کوئی پہلو ہاتھ سے نہ دیا جاتا؛ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس تصنیف کا دامن متعدد اخلاقی دھبوں سے بھرا ہوا ہے اور ایسی جہالتیں درج کی گئیں جو اپنی انتہائی بد اخلاقی کی وجہ سے خلاف قیاس نظر آتی ہیں۔ ہم چند مثالیں دیتے ہیں۔

(۱) رحمت علی کی ”دو دہشتہ عورتوں“ کا تذکرہ نہایت آزادی کے ساتھ کیا گیا ہے، اور اس کی ”رندی باری“ کا بھی ذکر کیا گیا ہے، ہمارے تعجب کی اس وقت کوئی انتہا نہیں رہتی جب ہم یہ غور کرتے ہیں کہ یہ صاحب ۶۰ سال کے بزرگ اور دائم المرض ہیں۔ اسی طرح سے ”چاڈری بازار“ کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اور وہ بھی ملیج طلب پیرا یہ ہیں!

(۲) صغیرہ کی سوتیلی لڑکی جو رشتہ میں اس کی چچا زاد بہن بھی ہوتی ہے اپنے باپ کی شادی کے متعلق یوں رلے زنی کرتی ہے۔

”آپا کو کوئی اور نہ بڑا تھا تو چچا رحمت علی، پر کیوں نظر ڈالی، باپ ہی سے نہ کر لیا“!!

(۳) صغیرہ کا خسر جو اس کے دادا کا بڑا بھائی بھی ہے اپنی بہو کی کسی تقریب میں جانے کے خلاف یوں گلہ نشا

کرتا ہے :-

دیدہ ہو انی ہو گیا ہے، دادا کی ڈاڑھی بکڑ کر کدیا ہوتا کہ میرا نکاح نہ کرو، میرے لیے تو کوئی کوٹھالے دو واضح رہے کہ یہ اس ”معزز سوداگر“ کی گفتگو ہے جس کا ایک ۶۰ برس کا لڑکا ہنوز بقیہ حیات ہے، اور یہ گفتگو حقیقی چچہ بھائی کی پوتی کے ساتھ ہو رہی ہے!

(۴) بلقیس کی ماں (جو ایک اوسط درجہ کے سرکاری عہدہ دار کی بیوی ہے) اپنی اس بیاحی بی بی کو:

ہنوز چالوں کی دہن ہے ”قیمتی نصیحت کرتی ہے۔“

دربٹیا! یہ مرد کسی کے نہیں ہوتے۔ ان کے چاؤ چو نچلوں پر اعتبار نہ کرنا۔

اگر میاں سے بے تکلف ہو گئیں تو ناکوں چنے چبوا دے گا..... تمہارے ابا اور سب لوگ کہتے ہیں کہ لڑکا بڑا پارسا ہے، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کمائی کہاں جاتی ہے؟ یہ پوری گفتگو، اور بالخصوص آخر کا معنی نیز کمائی جس پر ہم نے خط کیسے بنایا ہے، ایک ماں کے منہ سے کس قدر اچھا معلوم ہوتا ہے۔

(۵) صغیرہ بیوہ ہو چکی ہے، اور میکے میں ہے، ایک دن اُسے چکے چکے روتے دیکھ کر حقیقی دادی یوں گویا ہوتی ہے:-

”ککے کی پوری، کرموں کی بھوٹی! اچھے تقدیر کی ہوتی تو میاں کو کیوں کھا جاتی..... خدا خیر کر دے یہ ڈالین تو اس گھر کو کھائے بغیر نہ رہے گی۔“

یہ سب مثالیں ہندوستانی اخلاق اور معاشرت کی کیسی نگفتہ تصویریں ہیں! جن لوگوں نے ”لڑکیوں کی انشاء“ کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کا انصاف کریں گے کہ ”الم رقم“ صاحبہ نے ”معمورہ غم“ صاحب کی تحریرات سے کہاں تک فیض حاصل کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی ہی کتابوں کو دیکھ کر بجائے افسوس کے خوشی ہوتی ہے کہ ہمارا ادب دوسری زبانوں میں منتقل نہیں ہوتا۔

کتاب میں خلافتِ عظمت و اوقات کی بھی کوئی کمی نہیں ہے، نکمیں و نشی، راہِ راست پر لانا، بُرا انجام دکھانا، ان سب کا واحد ذریعہ خواب ہے، ہر الم موقع پر خواب میں ایک پیر مرد نظر آتے ہیں، اور تلقین کرتے ہیں ذیل میں کتا کے ص ۹۹ سے تھوڑی سی عبارت نقل کی جاتی ہے، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس روشن خیالی کے زمانہ میں اوہام پرستی کے سوا اور کوئی نام لے دیا جاسکتا ہے یا نہیں:-

ایک دن کا ذکر ہے کہ سارا گھر بیٹھا ہوا ہے مڑے مڑے کی باتیں ہو رہی ہیں، باہر کے دروازے کی جھنجھی آپ ہی آپ گھل گئی اور ایک کفن پوش شخص اندر داخل ہوا۔ اس نے صغیرہ کے باپ، ماں، دادی نانی سب کو مخاطب کر کے کہا: صغیرہ مظلوم صغیرہ کا خون تمہاری گردن پر ہے..... یہ الفاظ لکر یہ کفن پوش روح رخصت ہو گئی، یہ بات معمولی نہ تھی، اس نے سب کو پریشان کر دیا۔“

کتاب کی زبان اور انشاء کے چند نمونے درج کیے جاتے ہیں، ”مصور غم علامہ راشد انجیری کی تحریرات کی فہرست“
 خاتون سے ان غلطیوں کا سرزد ہونا تعجب ہی۔ اس امر کا فیصلہ ہم ناظرین کی رائے پر چھوڑتے دیتے ہیں کہ ان غلطیوں
 میں بیچائے کا تب کا کہاں تک حصہ ہے :-
 ”تمہاری ساس تمہارے شوھر کی ماں ہے، اُس کا اس گھر پر بڑا زور ہے“

”مانا کہ تمہارے ذمہ چار کی تیاری نہیں پھر بھی تمہارے اس کام میں ہاتھ لگ جانے سے خاوند کی امیری کے لیے
 ایک ضمانت ہے۔“

”سچے سچ“ ”تومار“ ”دم دھانسا“ ”شعلہ لگا“ ”کنگھی رکھا ہوا ہے“ ”میاں کھانے سے فراغت ہوئے ٹپکڑے“
 (کچوکے)، ”جھیر بھی ملکیت قرار دی جا کر تقسیم ہو جائے“ ”رٹے رٹے آنکھیں سجھالیں“ ”مزید واقارب“ ”شور کی آواز“
 ”صور“ وغیرہ وغیرہ۔

سب سے آخر میں ایک ضروری عرض کتاب کے نام کے متعلق بھی کرنا ہے، اس کتاب کا نام انجام زندگی
 ہے، جو اس میں تنک نہیں کہ ”صبح زندگی“ ”شام زندگی“ ”نوحہ زندگی“ ”شب زندگی“ کے ساتھ نسبت معنوی رکھتا ہوا ضرور
 معلوم ہوتا ہے۔ لیکن نفس کتاب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا بلکہ شعرنا کے چاند کی طرح ”انجام زندگی“ بھی کتاب کے
 آخر میں صرف مصنفہ کی اس دعائیں نظر آتا ہے،
 ”خدا سب کو اور مجھے نیک اور کامیاب زندگی بسر کرنے کی توفیق دے اور زندگی کا انجام اچھا ہو“



کیا اچھا ہو اگر ہماری تعلیم یافتہ خواتین اپنے صحیح ادبی ذوق کو بے جا تقلید کی نذر نہ کر دیں بلکہ تقلید و تبع میں بھی
 امتیاز و تمیز کا پہلو ہاتھ سے نہ دیں۔ ملک میں زمانہ انشاء پر دازی کے بہتر سے بہتر نمونے موجود ہیں، محترمہ محمد یسکیم
 صاحبہ مرحومہ، بیگم صفدر علی صاحبہ، بنت نذالبا و صاحبہ ان سب معزز خواتین کے افسانے موجود ہیں۔ کیوں نہ ان سے
 فائدہ اٹھایا جائے، اور انہیں اپنی ابتدائی کوششوں کا نصب العین بنایا جائے۔ کتاب کی قیمت ۸ روپے۔

پتہ ذیل پر مل سکتی ہے۔ کمال بک ڈپو، میا محل، دہلی۔

خواجہ میر درد کا کلام خاص انداز رکھتا ہے۔ میر تقی میر کے ساتھ اگر کسی کا نام آتا ہے
دیوان درد (اردو) | تو وہ خواجہ صاحب ہی ہیں۔ خواجہ صاحب کے کلام میں علاؤ الدین زبان حسن بیان

اور سوز و گداز کے خاص و تار پایا جاتا ہے وہ کبھی بھول کر بھی پستی کی طرف نہیں جاتے۔
 دوسری بات یہ ہے کہ عاتق کلام میں تصوف کی چاشنی اس مناسبت سے دی ہے کہ اُس نے اردو و غزل گوئی
 کی آبرورکھ لی ہے۔ اس زمانہ میں جو خواجہ صاحب کے دیوان پائے جاتے ہیں وہ اس بڑی طرح سے غلط ملط چھے
 ہیں کہ انہیں دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ جناب سید اس مسعود صاحب (المخاطب بہ نواب مسعود جنگ بہادر) کا شکرت
 ادا کرنا چاہیے کہ انہیں ایک صحیح نسخہ کی طبع کا خیال پیدا ہوا اور یہ زیر تبصرہ دیوان انہیں کی سعی کا نتیجہ ہے۔ اسی
 کے ساتھ ہم مولانا محمد صیب الرحمن خاں صاحب شروانی (المخاطب بہ نواب صدیر جنگ بہادر) کے ممنون ہیں کہ
 انہوں نے متعدد دقلمی نسخوں سے مقابلہ کر کے صحت کا انتظام فرمایا اور ایک ایسا اچھا مقدمہ لکھا کہ بے اختیار تعریف
 کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اس مقدمہ میں مولانا نے تحقیق و جستجو کی پوری داد دی ہے اور خواجہ صاحب کے حالات
 اور تصانیف کی تلاش اور مطالعہ میں بہت کاوش اور محنت سے کام لیا ہے۔ اسے پڑھ کر حقیقت میں خوشی ہوتی ہے
 اور جی چاہتا ہے کہ کاش ان کے کلام پر اس سے زیادہ تنقید و تبصرہ ہوتا۔

یہ دیوان مطبع نظامی بدایوں میں بہت سلیقے اور نفاست سے طبع ہوا ہے۔ مولوی نظام الدین حسن صاحب
 مالک مطبع بدایوںی قابل مبارک باد ہیں کہ وہ اردو اساتذہ کا کلام اس خوبی کے ساتھ طبع کر رہے ہیں۔ قیمت مجلد ۴
 غیر مجلد ۳

نظامی پریس بدایوں کے ہاں سے خواجہ میر درد کے کلام کے ساتھ جان
دیوان جان صاحب | صاحب کا دیوان بھی شایع ہوا ہے۔ سچ ہے جہاں بھول ہیں وہاں کانٹے

بھی ہوتے ہیں۔ ڈر ہے کہ نظامی صاحب نے جو نیک نامی اور شہرت ادب کی خدمت سے حاصل کی ہے
 وہ کہیں اس قسم کے کلام کی اشاعت سے زائل نہ ہو جائے۔ البتہ اس کی داد دینی پڑتی ہے کہ نظامی صاحب نے
 اس دیوان کے مقدمہ کے لیے ایسے موزوں اور مناسب صاحب کو تجویز کیا ہے کہ ان سے بہتر شاید ہندوستان

بھری کوئی دوسرا نہ تھا۔ آغا حیدر حسن صاحب بھولی کو دلی کی بیگماتی زبان پر بہت بڑی قدرت حاصل ہے وہ عورتوں کے خیالات کو ٹھیک نہیں کی زبان میں اس طرح ادا کر جاتے ہیں کہ خود عورتیں بھی دنگ رہ جاتی ہیں یہی نہیں بلکہ ان کے لب و لہجے اور وضع و ترکیب میں ایسی ملائمی اور نزاکت پائی جاتی ہے کہ بہت سی عورتوں کو بھی نصب نہیں اگر کوئی انہیں پرے کے پیچھے باتیں کرتے سنے تو سمجھے کہ دلی کی کوئی نازنین اپنی سہیلیوں میں میٹھی باتیں کر رہی ہے۔ میر علی جان صاحب نے اگر زمانہ بول چال کی نظم میں نام پایا تو آغا حیدر حسن صاحب اس کے مقابلہ میں نثر کے جان صاحب ہیں۔ حتیٰ یہ ہے کہ میر صاحب کی قدر کچھ آغا صاحب ہی کر سکتے تھے۔ چنانچہ مقدمہ خوب دل کھول کر لکھا ہے۔ پورے چوراسی صفحے رنگے ہیں اور اس میں رطب یا بس سبھی کچھ آگیا ہے۔

جان صاحب کی شاعری جیسی کچھ ہے معلوم ہے اس پر آغا "جان صاحب" جو کچھ چاہتے لکھتے۔ لیکن قیامت یہ کی ہے کہ اُسے اُس کے کلام سے بہت بڑا محب وطن، قوم پرست اور تارک موالات ثابت کیا ہے اور وہ بھی ایسے اشعار سے کہ اُن کا پڑھنا اور سننا تو درکنار کاغذ پر لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ یہ دیکھ کر ہمیں ڈاکٹر سید محمود صاحب کا وہ مقدمہ یاد آگیا جو انہوں نے نظامی صاحب ہی کی فرمائش سے اُن کے مطبوعہ دیوان غالب پر تحریر فرمایا ہے۔ اس میں بھی ڈاکٹر صاحب نے بڑی جدت کی ہے اور مرزا غالب کو بہت بڑا قوم پرست (نیشنلسٹ) اور محب وطن ثابت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مرزا صاحب کا بہت سا کلام جو اُن کے دوستوں اور ہوا خواہوں نے خارج کر دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ باغیانہ کلام تھا۔ یہ خیال پہلے پہل ہم نے ڈاکٹر سراقبال سے سنا تھا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سید محمود وہیں سے لے اُڑے۔ ایسی بوئیدی باتیں لکنا گویا شاعر کا مضحکہ اڑانا ہے۔ آغا جان صاحب نے اس سے بڑھ کر ستم ظریفی کی ہے کہ جان صاحب کے گزے اور ناپاک شعروں سے یہی استدلال کیا ہے۔ کہاں بیچارہ جان صاحب اور کہاں قوم پرستی اور محب وطن۔

ایک دوسرا ستم یہ ڈھایا ہے کہ جان صاحب کے کلام کا مقابلہ سیف کی شاعری سے کیا ہے۔ جان صاحب کے مقابلہ میں سیف کا نام لینا ادبی کفر ہے۔ کہاں ایک عاشق صادق اور کہاں ایک بیسوا، کہاں وہ پاک جذبہ اور کہاں یہ جھوٹی نقالی۔ ہمارے سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ ان دو شاعروں کے کلام میں کونسی شے مشترک تھی۔ ایک قدیم زمانہ کی نامور عورت شاعر کا اور ایک اس زمانہ کا مرد شاعر ہے جو عورتوں کی بولی میں شمر لکھتا ہے۔ ان کا آپس میں کیا

مقابلہ؟ رہی ان دونوں کی شاعری سو اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ سیف کے متعلق ایک قدیم صاحب نظر مصنف کا قول ہے کہ ”یہ عجیب و غریب ہستی ہے۔ تم تاریخ میں ہزار ڈھونڈو ایک عورت بھی دیسی نہ پاؤ گے جو کسی پہلو سے بھی اس کے مقابلہ میں آسکتی ہو۔“ ایک دوسرا نقاد لکھتا ہے ”اس کے کلام میں آگ بھری ہوئی ہے“ اس کا مقابلہ جان صاحب سے کیا جاتا ہے۔ یہ ذوقِ سلیم کا خون کرنا ہی نہیں بلکہ پڑھنے والوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنی ہے۔

ایک کام بہت اچھا کیا ہے کہ آخر میں شکل اور غریب الفاظ اور محاورات کی فرسنگ بھی لگا دی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ آغا صاحب نے جان صاحب کے کلام کو بہت غور سے پڑھا ہے۔ اور مقدمہ لکھنے میں محنت کی ہے۔

ایک بات اور نئی اس کتاب میں دیکھنے میں آئی کہ آغا صاحب نے (کتاب سے الگ) صرف اپنا مقدمہ ہر مائی نس نواب صاحب رام پور کے نام پر منون کیا ہے۔ خدا کرے مقبول ہو۔ کتاب چھوٹی قطع پر بہت اچھی چھپی ہے۔ اور جلد ہے۔ قیمت عصر۔ نظامی پریس بدایوں سے مل سکتی ہے

جولیس سیزر

یشیکسپیر کے ایک مشہور ڈرامے کا ترجمہ ہے جسے مولوی رفیع حسن صاحب نے اردو میں کیا ہے۔ ییشیکسپیر کے بعض ڈراموں کے ترجمے اور صاحبوں نے بھی کیے ہیں لیکن جس خوبی اور فصاحت کے ساتھ یہ ترجمہ کیا گیا ہے وہ بلاشبہ قابلِ قدر ہے۔ اگرچہ بعض بعض الفاظ اور جملوں کے ترجمے میں ہیں اختلاف ہے تاہم بحیثیت مجموعی ترجمہ کی خوبی سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مثلاً مترجم نے مارک انٹونی کی تقریر میں Ambition کا ترجمہ ہر جگہ ظلم کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ یا صفحہ ۹۱ پر یہ عبارت ”بس اب آندھی چلے، موہن پھریں اور کشتی دل ہو، طوفان برپا ہو گیا، برجز بازی میں لگا دو“ اصل کے مطابق نہیں۔ اصل میں ظلم نہیں ہے بلکہ ہرج با د ا باد کا اشارہ ہے۔ حکم سے اصل مفہوم کی صورت بدل گئی ہے۔ ترجمے میں اس قسم کی اور بھی بعض فروگزاشتیں موجود ہیں ہیں امید ہے کہ جس طرح قابلِ مترجم نے طبع ثانی میں بعض اصلاحیں فرمادی ہیں، طبع ثالث میں یہ فروگزاشتیں بھی رفع کر دیں گے۔ باوجود اس کے مترجم قابلِ مبارک باد ہیں کہ انہوں نے ییشیکسپیر کے ڈرامے کا ترجمہ

ایسا اچھا کر دیا ہے کہ اُردو داں اصحاب جو انگریزی سے واقف نہیں مصنف کے خیالات اور مفہوم سے اسی طرح
 نطفہ حاصل کر سکتے ہیں جس طرح انگریزی داں اہل کتاب کے پڑھنے سے۔ اور یہ ترجمے کی بہت بڑی خوبی ہے۔
 کتاب کے شروع میں مولوی سید ہاشمی صاحب نے بہت اچھا مقدمہ لکھا ہے جس میں اُس زمانے کے
 تاریخی اور سیاسی حالات کا خاکہ کھینچا ہے اس سے ناظرین کو اصل ڈرامے کے سمجھنے میں بہت بڑی مدد ملے گی۔
 اس کے بعد قابل مترجم نے اس ڈرامے پر ایک تبصرہ لکھا ہے جس میں اشخاص ڈراما کی سیرت اور ان کے جذبات
 اور خیالات اور اس وقت کی سازشوں کے حالات درج ہیں۔ یہ بھی انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس سے کتاب
 کا افادہ اور وقعت بڑھ جاتی ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک مفید ضمیمہ ہے جس میں روما اور اس وقت کی سیاسی جماعتوں
 اور اشخاص ڈراما کے تاریخی حالات درج ہیں۔ کتاب ابھی چھپی ہے۔ مترجم مولوی سید فضل حسین صاحب ناظر مدارس
 درجہ اول ضلع کریم نگر حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے۔ قیمت درج ہے۔ مگر صحیح طور سے پڑھی نہیں گئی۔

عروض

گلزارِ عروض

مصنف حکیم سید الطاف حسین صاحب کاظم فرید آبادی

فن عروض پر اس زمانے میں دو تین کتابیں نظر سے گزریں جن میں حضرات مؤلفین نے اس فن کو نہایت سہل
 اور آسان صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اور جناب کاظم کو اس میں بہت کامیابی ہوئی ہے۔ آپ کا رسالہ
 گلزارِ عروض اگرچہ چالیس صفحات کا مختصر رسالہ ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ حکیم صاحب نے ایک بالکل نئی شاہ راہ
 ڈھونڈ نکالی ہے اور عروض کی دشوار گزار دلدل میں پھنسے سے اس کے شائقین کو بالکل بچا دیا ہے۔ عروض
 ایک فن لطیف کی حیثیت سے دنیا میں آیا۔ لیکن اس کی بنیاد ناقص اصول پر تھی۔ زحافات کی گتھیوں نے

بہت خصل بنا دیا تھا۔ عربی عروض اور عربی عروضیوں کی تقلید کسی طرح آسان راستہ نہ بنانے دیا۔ مگر حکیم صاحب نے سب سے اول اس دائرہ سے قدم کھلا کر آپ فن عروض و شعر میں کافی مہارت رکھتے ہیں۔ اور زبان اردو سے حقیقی محبت ہی کا سبب تھا کہ گزرا عروض وجود میں آیا۔ حکیم صاحب کی یہ رائے بالکل صائب ہے کہ »عروض بھی صرف و نحو کی طرح فطرت کے لحاظ سے سراسر ناموزوں ہے۔ غیر ضروری مشکلات کا گور کہ دہند ہے۔ طلباء کے لیے سخت دشوار ہے۔۔۔۔۔ عربی عروض کے اصول ناقص تھے۔ ان پر نوا واجب استقلال کیا گیا۔۔۔۔۔

محققانہ آزادی سے کام لیا جائے تو ایک مختصر کتاب زیادہ مفید ہے۔۔۔۔۔ عروض کوئی ضروری چیز نہیں۔ اس کا فائدہ قلیل ہے۔ وہ صرف یہ اطمینان دلاتا ہے کہ جس بحر میں کتنے والے لے کہا ہے، وزن درست ہے۔ یا دو لہ مصرعے وزن میں یکساں ہیں۔ عروض نہ شعر کما سکھانا نہ شعر کے لیے بحر تجویز کرتا نہ شعر کا مضمون سمجھاتا ہے۔

مکن ہے کہ عربی عروض کی تقلید فرض جانے والے اختلاف کریں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ (اور بالکل صحیح حقیقت) جناب کاظم صاحب نے اس ضرورت کے لیے صرف پانچ ارکان۔ گل۔ صبا۔ چمن۔ فصل۔ بہار۔ تجویز کئے ہیں۔

انہیں سے تمام اوزان درست اور بحر میں مکمل ہو جاتی ہیں۔ نہ اجزلے اولیہ ہیں جن سے ارکان بنتے ہیں۔ یعنی سبب خفیف ثقیل۔ نہ وہ مجموعہ ہے نہ مفروق نہ فاصلہ کبریٰ کی حاجت نہ مصغریٰ کی۔ نہ ترکیب ارکان اور فعلوں۔ فاعلن۔ مفاعیلن وغیرہ ارکان کی۔ زحافات کا جھل عروض کے لیے ایک ہونا کہ جھل تھا جس سے اُسے گزرا پاڑا ہے۔ کاظم صاحب نے اس کا وجود ہی باقی نہ رکھا۔ عروض کے بہت سے قواعد اور کلمے دفعات کی صورت

میں لکھ لیے ہیں کہ باسانی ذہن نشیں ہو جائیں۔ بحریں جو اردو میں مروج و متداول ہیں۔ صرف انہیں کو بیان کیا ہے اور یہی مناسب بھی تھا۔ بحروں کے نام دیے رکھے ہیں جو عربی میں تھے۔ البتہ ان بحروں کو جن میں زحافات واقع ہوئی ایک اور جدید اور خوبصورت لقب دیا گیا ہے۔ مثل بحر رمل زنگس۔ سوسن۔ سنبل۔ رعنائی۔ سیمبری۔ یہ نئے نام زیادہ تر اردو میں متعارف ہیں۔ لہذا مقبول ہوں گے اور جلد یاد رکھیں گے۔ بعض القاب البتہ قابل تبدیلی ہیں مثلاً اتحوانی۔ عبہری۔ نیمہرائی۔ آخر عربی الفاظ لینے کی کیا ضرورت ہے بعض جگہ قدیم عروض کے زحافات

اور اصطلاحات کے نام آگئے ہیں۔ مناسب تھا کہ ان کی تعریف فٹ نوٹ (حاشیہ زیرین) میں لکھ دی جاتی کہ پھر ہر ناواقف کو دوسری کتاب کی احتیاج بھی نہ ہوتی۔ بعض مقامات کسی قدر مفید صاحت چاہتے ہیں۔ اور ایک آدھ

جگہ مرثیہ قلم بھی ہو گئی ہے۔ مثلاً قافیہ کی بحث میں لکھا ہے۔

”ہماں الفاظ قافیہ عربی جمع ہوں۔ جیسے عالین۔ کالین۔ ایسے نھوں میں قافیہ کی شرطیں اصلی لفظ واحد ہیں دیکھی جائیں گی۔“

لیکن یہاں (عربی) کی قید بیکار ہے۔ اردو فارسی کے الفاظ جمع قافیہ واقع ہوں تب بھی یہی عمل ہو گا۔ مثلاً یاران کا قافیہ دشمنان صحیح نہیں ہے۔ نہ دوستوں کا یاروں۔ البتہ جس طرح رخساروں۔ گلزاروں درست ہے۔ اسی طرح گلزار ہا۔ یار ہا۔ اور یار یار۔ گنگنکاراں بھی۔ رسالہ میں طباعت و کتابت کی غلطیاں بھی رہ گئیں ہیں جو مبتدی کے لیے تحلیف دہ و پریشان کن ثابت ہوں گی کہ جا بجا ہیں۔ مجموعی حیثیت سے یہ مختصر رسالہ بہت مفید ہے۔ اسی طرح اور دو آصفان فن بھی اگر توجہ کریں تو بہت عمدہ نتائج مرتب ہو سکتے ہیں اور اس فن کی کافی اصلاح ہو سکتی ہو۔ رسالہ کی لکھا ئی چھاپائی معمولی ہے اور قیمت ۶۰

جناب مصنف صاحب سے جب تک قبر کو چہ روح اللہ غاں دہلی کے پتہ پر ملے گا۔

تلمیض عروض و قافیہ

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں اب تک عروض و قافیہ پر جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں کوئی جہت نہیں۔ اپنے خشک مضامین اور الجھی بحثوں سے ناقابلِ اعتنائیں۔ وہی تصرفات و زحافات کی پیچیدہ ماہیں۔ وہی اصطلاحات کی طولانی اور غیر مختصم داستان بے مزہ۔ غرض جو تھوڑا بہت فائدہ اور غایت اس فن شریف کی بتائی جاتی ہے وہ بالکل مفقود تھی۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ دشوار تر اور فضول ہو گیا تھا۔ مزاحمت بحریں اور ان کے اصطلاحی عجیب و غریب نام اور بہت سی چیزیں ایسی تھیں جن کو ترک کرنا۔ اولیٰ تھا۔ جو ایک زمانے سے تقلیداً جزو فن بنی ہوئی تھیں۔ ضرورت تھی کہ ان امور کو ملحوظ رکھ کر کوئی ایسا رسالہ لکھا جاتا جو مختصر و مفید و آسان ہوتا اس ضرورت کو ملک کے نامور ادرا فضل اہل قلم مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی نے ”تلمیض عروض و قافیہ“ کے نام سے ایک رسالہ شائع کر کے ایک حد تک پورا کر دیا۔ یہ رسالہ عروض کی تقریباً تمام ضروریات پر حاوی ہے اور نسبتاً

بیان بہت سبھا ہوا۔ زبان سادہ اور عبارت سلیس ہے۔ مولانا کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے کہ ”شعرا دو میں اوزان عرب کا متبع ہوتا ہے“ لیکن یہی چیز ہے جس نے اردو شعر کی شیرینی اور لطافت کو کم کر دیا ہے۔ حالانکہ بقول مولانا ”اسی حد تک (ٹیکٹا) جہاں تک ہم کو طبع موزوں اجازت دیتی ہے“ مگر اردو سے زیادہ یہ رسالہ عربی عروض کا رسالہ کہا جاسکتا ہے اور مولانا نہیں چاہتے کہ عربی عروض کی تقلید سے قدم باہر نکالا جائے مگر ہم کو اپنی زبان کے فطری ساخت کے لحاظ سے آزادانہ اور ایک حد تک جدید اصول پر اس فن کو مرتب کرنا چاہیے۔ اور اس فنوں و لایعنی تقلید کا جامدا تار پھینکا چاہیے جو یقیناً مضر ہے۔

مولانا نے ۴ صفحات میں پورا فن عروض سمجھا دیا ہے۔ اور بعض بعض تکتے خوب اور جدید بھی لکھے ہیں۔ مسئلہ کو عام فہم کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ مگر اکثر باتیں وہی ہیں جو اردو کتب عروض میں ہیں۔ اجزاء اور اویہ۔ سبب۔ وتد۔ فاصلہ۔ (ان کی قسموں کو اڑا دیا ہے جزاک اللہ) پھر ایزان ثانیہ (ارکان) وہی فاعلن۔ فاعلن۔ ومفاعیلن وغیرہ ہیں جن کو صاحب گزارد عروض نے بالکل اڑا دیا ہے۔ اور ایک ہی اجزاء یا ارکان سے کام نکل جائے تو بہتر ہے۔ مولانا فارسی اردو والوں کے اُن تصرفات کو جو عربی عروضیتوں کے خلاف ہیں غلطی اور غفلت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ غفلت اور غلطی مستحسن ہے اور اپنی زبان کی خصوصیات کے لحاظ سے شاعر کو اس کا اختیار ہونا چاہیے۔ نہ یہ کہ شعر کے تو ایک زبان میں اور عروض کی پابندی کرے دوسری زبان کی۔ بھرب کثرت رلے اور اجمال ہو جائے تو اسے غفلت گنا کہاں تک جائز ہو سکتا ہے۔ اور غلطی سے تعبیر کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی نیز اس رسالہ میں ایسی باتیں بہت ہیں جو اردو عروض سے نہیں بلکہ عربی عروض سے متعلق ہیں۔ اور بعض ایسی بھی ہیں جن کا عروض سے تعلق نہیں مثلاً (لے) ہمیشہ بحر متقارب میں شعر کہا کرتا تھا۔ بحر متقارب کے بڑے کئے والے عربی میں (لے) اور فارسی میں فردوسی ہیں۔

زحاف مثلاً بحروں کے قدیم نام تو سمجھنا بھی مشکل ہیں اور اُن کا یاد رکھنا شکل ترنگن عروض میں اُن کے دلکش نام زکرس۔ سنبل۔ ریحانی وغیرہ کئے ہیں مگر مولانا نے یہ سلسلہ ہی اڑا دیا کہ اصطلاحی ناموں کی کثرت مٹ گئی اور یہ زیادہ اچھا ہے۔

بحر وافر کے سلسلہ میں ایک فائدہ بیان کیا ہے کہ (مفاعیلن مفاعیلن فاعلن) ایک وزن ہے کہ عرب مفاعیلن

کی فرع مفاعیلن قرار دیکر لے بحر وافر کہتے ہیں۔ فارس والوں نے دھوکا کھا کر بحر ہرج کہا۔ کیونکہ مفاعیلن بحر ہرج کے اہل ارکان میں اور تین رکن کا شعرا بحر میں عرب نے نہیں کہا“ اور لکھتے ہیں کہ حقیقت ادویہ ہے کہ یہ بحر وافر ہی ہے۔ عرب اس مصرعہ کو سنکر بحر وافر کے گاہم انھیں کے عوض کا اجماع کرتے ہیں۔ ہمیں بھی وافر ہی کہنا چاہیے۔ مگر ہمارے نزدیک لے بحر وافر اگنا زبردستی ہے۔ بحر ہرج کے دو اصل رکن اور ایک نصف رکن موجود ہے تو بحر ہرج نہ گئی جائے۔ بلکہ محض متعرب کے لیے فردی ارکان مائیں اور بحر وافر کہیں۔ تین رکن بحر ہرج میں ہوں تو گناہ کیا ہے فارس والوں کا عمل اصل سے قریب تر اور اچھا ہے۔

بحر بیط کی بحث میں لکھتے ہیں۔ ”اُردو و لے اس وزن کو مفاعیلن فاعلن فاعلن کے وزن پر لاتے ہیں۔ ع۔ نیام متع قضاے سرم لقب ہے قائل کی آستیں کا۔ اس وزن کو غلطی سے فاعلن فاعلن سے تقطیع کیا کرتے ہیں۔ فارسی اُردو والوں کا فاعلن کو فاعلن فاعلن کر دینا ناجائز ہے۔“

اس کی بھی کوئی وجہ اتباع عرب اور اس کے سوا انہیں معلوم ہوتی کہ یہ وزن بحر بیط کا وزن قرار دیا جائے ورنہ فاعلن سے تقطیع کرنے میں سو گنا ہدامت شکن کے اور کیا قباحت ہو۔ متاخرین نے جب بالا جلع یا بہ تعلو اکثر یہ عمل کیا ہے تو مذہب تقلید کے لحاظ سے بھی جائز ہونا چاہیے ورنہ آسان پسندی اور اصل سے قریب تر ہونے کے لحاظ سے تو قیئاً جائز بلکہ مستحسن ہے کہ یہ وزن بحر متعرب ہی قرار دیا جائے۔ بحر ہرج اور بیط کے سلسلہ میں پھر اگلے چل کر لکھا ہے کہ مفاعیلن فاعلن فاعلن کے بجائے جو لوگ مفاعلاتن یا فاعلن فاعلن سے تقطیع کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اور متعرب عوض عرب سے بیگانہ ہیں۔ اس وزن کی تحقیق سات سو برس کے بعد اس سچاں نے کی ہے۔“

وزن تو حقیقتاً دونوں صورتوں میں درست ہے۔ کوئی خرابی نہیں آتی۔ البتہ تقلید عوض عرب ہاتھ سے جاتی ہے۔ اسے غلطی کہیے تو دوسری بات ہے۔ زحافات ماننا فردی ارکان تسلیم کرنا، کیا سہل راستہ ہی ہو سکتا ہے۔ انھیں چیزوں نے عروض کو بہت پیچیدہ بن دیا ہے۔ دیکھیے ہم کب اس بھول جھلیاں سے نکلے ہیں۔ یہ تمام جھٹیل سی قسم کی ہیں جنہوں نے عروض کو بدنام کیا ہے۔ صفحہ ۲۱ سے رباعی کے اوزان بتائے ہیں جس میں کئی صفحے صرف ہوئے ہیں۔ مگر پھر مولانا کو یہی کہنا پڑا کہ ”عروضیوں نے یہ بیکار ۲۴ وزن گنوائے۔۔۔۔۔۔“ ہماری رلے میں عروضیوں کی ان بیکار چیزوں سے یہ رسالہ پاک ہوتا تو بہتر تھا کہ اضافہ حجم کے سوا کوئی نتیجہ نہیں۔

صفحہ ۲۷۲ تک چند زحافات ضروری بتائے گئے ہیں جن کی ضرورت کے متعلق خود مولف کا یہ فیصلہ ہے کہ ان اصطلاحوں کی ضرورت نہیں ہے محض لفظ زحافات سے کام نہ لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ادب و بیاد و فضول نے اصطلاحیں بلا ضرورت بنائی ہیں کہ وہ محض بیکار و فضول ہیں۔

یہ نکات بقول مولانا علامہ سکا کی کو بھی ہے یعنی بہت قدیم ہے مگر کوئی بندہ خدا سے شکایت کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ متبع عرب کا جہنم اجازت نہیں دیتا تھا۔ ان زحافات کے بیان کا غرض مولانا یوں فرماتے ہیں۔ ”ان مثالوں سے غرض یہ ہے کہ ترک اصطلاحات میں میرا عذر قابل قبول سمجھا جائے یقین میری نہ کی جاتے کہ بیان عالمانہ نہیں۔“

ہمارے نزدیک جرات قابل قدر ہے۔ نہ وہ یقین۔ افسوس ہے ان پر جو اصل مدعا کو فوت کرنے کے مرتکب ہوں اور اس فن کو اس غرض سے گورکھ دھند بنائیں کہ ان کا بیان عالمانہ سمجھا جائے۔

۳۴ صفحہ سے ۸۳ تک نفع و دخل کے عنوان سے نون غنہ کی بحث ہے۔ اور پھر قرین کے تحت میں عروض سے متعلق بہت سی عمدہ باتیں ہیں۔ صفحہ ۸۳ سے خرم و خرم کا بیان ہے۔ صفحہ ۸۴ سے حقیقت وزن پر بحث کی ہے۔ پھر تعقید کا بیان ہے جس کا تعلق اگرچہ عروض سے نہیں مگر مبتدیوں کے لیے مفید ہے غرض صفحہ ۸۵ پر عروض اور اس کی متعلقہ بحثیں ختم ہوتی ہیں جن پر مولانا نے محققانہ و عالمانہ انداز پر نظر ڈالی ہے اور فن عروض سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے بہت سی مفید و کارآمد باتیں لکھ دی ہیں قدیم عروض پر اس وقت تک اس سے بہتر رسالہ نہیں لکھا گیا۔ کچھ اوزان چندس یعنی ہندی عروض کے مولانا نے بتائے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ ”اردو میں یہ کثرت ان اوزان میں کہتے ہیں۔ میر نے بھی بہت غزلیں کہی ہیں اور مستعذب شیریں و خوشگو اہیں۔“ مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہے کہ عروض عربی کے لحاظ سے غلط و غیر صحیح ہیں۔ لیکن جب شیریں ہیں، اور یہ کثرت کلام موجود ہے، شعراء کہتے ہیں تو عربی عروض کے لحاظ سے غلط ہوں تو ہوا کریں۔ اردو میں زیادہ عنصر ہندی کا ہے پھر ہم نہیں سمجھتے کہ اگر اس کی شاعری میں چند ہندی عروض کے اوزان ہیں تو ہم کیوں ان کو غلط کریں۔ بلکہ ہندی سے اور زیادہ استعارہ کرنا چاہیے۔

بعض جگہ نہایت ثقیل و غلیظ الفاظ بھی قلم سے نکل گئے ہیں مثلاً مستعذب۔ اتمام عرب وغیرہ قافیہ کی بحث میں۔

تاسیس۔ خیل۔ قید و خوب۔ اصطلاحات کا ذکر کئی جگہ ہے مگر تعریف کہیں نہیں۔ بتدی یا نہ جانے والا نہیں سمجھ سکا کہ یہ کیا چیزیں ہیں اس طرح اور بحثوں میں کس قدر تھلک بھی پیدا ہو گئی ہے۔ تاہم بہت خوب ہے۔ مولانا کا یہ رسالہ زیادہ تر عربی عروض و قافیہ سے متعلق ہے۔ کاش صرف اردو شاعری کی ضروریات کے لحاظ سے عروض و قافیہ کے مسائل کا بیان ہو۔ عربی فارسی اردو کے اختلافات اور ان کے بیان نے پھر کس قدر بحثوں کو الجھن میں ڈال دیا ہے۔ اور پڑھنے والا ان الجھنوں سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ رسالہ پر قیمت کہیں درج نہیں۔ اور نہ ملنے کا پتہ لکھا ہے۔ کاغذ نہایت معمولی۔ لکھائی صاف تاج پریس چھپتہ بازار حیدر آباد میں چھپا ہے۔ اور طباعت غنیمت ہے۔

مذہب

اسلام اور اس کے شارع مقدس کی بعض خصوصیات حصہ اول

مؤلف: مولوی سید ریاض علی صاحب یاقص مؤلف الکرا و شہید اعظم وغیرہ

سرزمین آگرہ میں جب سے ہندو مسلمانوں میں مذہبی مناتے چھڑے ہیں، دونوں طرف سے اسلام کے خلاف ہنگامہ خیز مساعی کا سلسلہ شروع ہو گیا اہل قلم حضرات نے اپنے اپنے دین کی حمایت میں مختلف جثیات سے نظر ڈال کر اپنی طرح طرح کی کتابیں اور رسالے سے لکھے ہیں۔ اس سلسلہ میں بہت سی اچھی بُری کتابیں اور بعض عمدہ بھی شائع ہوئیں۔ ان میں یہ کتاب بھی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب مؤلف دیگر مذاہب کی کتب پر اچھی نظر اور وسیع مطالعہ رکھتے ہیں۔

اس حصہ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ آنحضرت کی ذات اُن کے واقعات تعلیم اور قرآن مجید کے پایہ اعتبار پر ہے۔ ایسی تاریخی صحت دیگر شراہل اور اُن کی کتب کو حاصل نہیں ہے۔ سب سے اول یہ بتایا ہے کہ آنحضرت کے اقوال و افعال اور زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات کس قدر صحت و احتیاط سے خیر القرون میں محفوظ کیے گئے۔ اسرارِ جلال کا ایک مستقل فن رِوایۃ کی جانچ اور تنقیح کے لیے ایجاد ہوا۔ قرآن پاک کس طرح سینوں اور سقیوں میں محفوظ رکھا گیا: اس کے خلاف دیگر پیشوایان مذاہب کا رد ہمارا زندگی تاریخی نظر سے کس قدر تباہی میں ہے کتابوں پر انقلاب مانے سے کیا کیا آفتیں پڑیں، کیا کیا تصرفات اور تحریفات ہوئیں اُن میں کیے مختلف متضاد اقوال نظر آتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ پایہ اعتبار و صحت سے گر گئیں۔ مؤلف

صاحب نے وید - بھارت - جگوت گیتا - پوران - توریت - اناجیل اربعہ وغیرہ پر اور دین موسوی مسیحیت - بودیت (گوتم بدھ کے مذہب) زردشت و زرتشتیت پر تاریخی و تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ اور علمائے یورپ و محققین کے اقوال و فتوے تحریری سے ثابت کیا ہے کہ کوئی کتاب اس وقت اپنے اصلی پیکر میں نہیں ہے سو کہ ان کے کہ تیرہ سو برس میں اس میں ایک حرف کا تصرف بھی نہیں ہوا۔ یہ تبصرہ قابلیت، محنت اور تحقیق و کاوش سے کیا گیا ہے۔ اور کتاب مبلغین اسلامی کے لیے مفید و قابل قدر ہے۔

البتہ کہیں کہیں زبان و ترجمہ کے اسقام نظر آتے ہیں۔ مگر وہ چندات قابل اعتنائیں۔ مثلاً اللہ کے کلام کے علاوہ کلام داخل ہو گئے، کلام اسم جنس کی اس کی جمع اردو میں نہیں آتی یا (۲) ہمارے وجود میں پاشانی آگئی، پاشانی صحیح نہیں ہے۔ انتشار چاہیے۔ یا ضرب لنا مثلاً کا ترجمہ ہمارے لیے مثلیں مانتا ہے۔ یا۔ قل عیہما (ضمیر بجانب عظام) کا ترجمہ کیا ہے اسے وہی زندہ کرے گا۔ مثلیں مارنا اردو میں ہے۔ اُسے کی جگہ انہیں چاہیے۔ عربی میں واحد مؤنث کی ضمیر جمع کے لیے بھی آتی ہے۔ اور یہاں بھی ہا عظام (ہڈیاں) کی طرف راجع ہے۔ یا (محسوس) عطار ہی ہوتا تھا۔ محسوس کی جگہ نمایاں یا غیر معمولی محسوس ہوتا تھا۔ یا (ہدایت کی ضرورت) باوجود بیشمار تعلیم گاہوں اور پروفیسران فلسفہ و اخلاقی اور دماغی کے بڑھ رہی ہے۔ یہ جملہ صحیح نہیں ہے۔ اور (یہ معنی نہیں ہیں کہ اندازہ ہر وقت بولتا بھی رہا ہے لہذا زائد ہے۔) یہ وہی شخص تھا جسے چند دن قبل کرشن جی نے اُتائے سفارت میں خوب سرسٹرایا تھا) سرسٹرا کوئی مصدر نہیں ہے۔ غالباً مطلب یہ ہے کہ خوب خبر لی تھی۔ (اب میں ہندوستان کے پید ایک اور مذہب کا تذکرہ کرتا ہوں جو ہندوستان سے مرچکا ہے بودیت کے بیان میں۔ یہ جملہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ یوں چاہیے (اب میں ایک اور مذہب کا تذکرہ کرتا ہوں جو ہندوستانی ہی میں پیدا ہوا تھا مگر اب چکا ہے، اور ایک جملہ ہے) (کس عادات و خصائل کے آدمی تھے) کس کی جگہ کن چاہیے۔ واحد کے لیے کس اور جمع کے لیے کن آتا ہے (ابیل کے کھوتے معاندٹے بچے) کھوتے خدا جانے کس زبان کا لفظ ہے اور اس کے کیا معنی ہیں بہر حال ان سے قطع نظر کہ مولف صاحب کی کاوش و تحقیق قابل داد اور کتاب اپنے انداز بیان و مضامین کے لحاظ سے خوب ہے۔ حجم صفحات ڈامانی سائز۔ لطاعت و کاغذ معمولی۔ ملنے کا پتہ جناب مولف صاحب چاہ ہماں - شہر بنارس - (م)

یہ ایک تین جز کا رسالہ ہے جس کے مؤلف مولانا حکیم عبداللہ رشید صاحب
 رشید تکی ہیں۔ اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانان ہند کو موریشس کے

موریشس اور اسلام

مسلمانوں کی گری ہوئی حالت کا اندازہ ہو سکے۔ ہیں اس کا افسوس ہے کہ فاضل مولف نے بہت اختصار سے کام
 لیا ہے، اور ان صفحات کی تعداد جن میں موریشس کی اسلامی حالت کا خاکہ کھینچا گیا ہے پندرہ سے بھی کم ہے۔
 مولانا نے موصوف بحیثیت امام و خطیب جامع مسجد، سات سال تک موریشس میں مقیم رہ چکے ہیں۔ مناسب ہوتا کہ حالات
 زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھے جاتے۔ پھر بھی جتنا کچھ لکھا گیا ہے اُس سے وہاں کے مسلمانوں کی عالمیستی کا ضرور
 اندازہ ہو جاتا ہے، اور یہ دیکھ کر سخت افسوس آتا ہے کہ اس سیٹی کا خاص سبب خود وہاں کے مسلمان
 باشندے ہیں۔ کتاب کے آخر میں مولانا نے ممدوح نے اپنے تجویز کی بنا پر تبلیغ و اشاعت اور مذہبی تعلیم
 کے رائج کرنے کے متعلق کچھ تجاویز بھی پیش کی ہیں جو یقیناً ہندو مسلمانوں کی عملی ہمدردی کی سختی ہیں۔
 کتاب میں چار عکسی تصویریں بھی دی گئیں ہیں۔ کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی معمولی قیمت ۱۰/-
 مطبع خلافت واقع حبیب سرکل بمبئی سے مل سکتی ہے۔

آقائے حاجی مرزا یحییٰ دولت آبادی ایک ایرانی فاضل ہیں جو اپنے
 وطن کے نوہنالوں کی تعلیم، نوجوانوں کی اصلاح، ملک کی ترقی و رفاه

شرکت حیات طهران

کا قابل قدردان ہونے والے ہیں۔ اور معلوم ہوا کہ عالم ادبیات فارسی میں ان کے ادبی آثار
 و کارناموں نے انقلاب اور عقائدے فارس جدید کے افکار میں ایک تازگی زندگی پیدا کی ہے۔ موصوف
 نظم و شریکیاں قدرت رکھتے ہیں۔ فرانسیسی زبان کے بھی اچھے خاصے ماہر و فاضل ہیں۔ چنانچہ کئی
 فریج نامور شعراء کی نظمیں اپنی وطنی زبان میں ترجمہ کی ہیں۔ اور چھوٹی بڑی متعدد کتابیں اپنے عزیز
 وطن اور قوم کی ضروریات و وقت پر لکھی ہیں۔

چاہیے تھا کہ آقائے موصوف کی تصانیف جلد ترجمہ کر مقبول نام ہوئیں لیکن بد قسمتی سے غالباً اتنا
 سرمایہ نہ ہو سکا۔ لہذا موصوف نے طهران پایہ تخت ایران میں ایک ادبی ”شرکت حیات“ قائم کی جو جس کا

مقصود یہ ہے کہ آپ کی مؤلفات طبع و شائع کرے۔

جناب موصوف نے اس شرکت کا دستور العمل اور اپنے چند رسائل ایک گرامی نامہ کے ساتھ ہمارے پاس بھجوائے ہیں۔ موصوف چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی ارباب علم اس کمپنی میں حصے لیں۔ اور جو مفید کتابیں ہنوز طبع نہیں ہو سکی ہیں ان کی طباعت میں مدد دیں جن کتابوں کی اشاعت فی الحال مقصود ہی ان میں پہلی کتاب حیاتِ یحییٰ ہے۔ یہ کتاب گو بنظائر مؤلف کی سرگزشتِ زندگی ہے، مگر ضمناً ایران کے بہت سے اہم تاریخی، سیاسی، ادبی، اجتماعی، روحانی، اقتصادی حوادث و مسائل زیرِ بحث آگئے ہیں۔ مؤلف کی وسیع سیاحتوں کا اور جہاں جہاں گئے ہیں وہاں کے حوادثِ فہمہ کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔ یہ کتاب پانچ جلدوں میں ہوگی۔ چار جلدیں تیار اور پانچویں زیرِ تالیف ہے۔ پہلی جلد علوم و معارف جدید اور سیاسی انقلاب سے قبل کے حالات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد میں سیاسی انقلابات کے سرخیلوں اور حوادثِ سیاسیہ کے وجود کے علل و اصول کا بیان ہے۔ یہ کتاب بظاہر تاریخِ ایران نہیں ہے، مگر مستقبل میں مملکتِ ایران کی تاریخ کے لیے ایک قابلِ قدر واہم غمضِ ثبات ہوگی ان خاص اطلاعات کی بنا پر جو جناب مؤلف کو عین حالات کے دوران وقوع میں مستند ذرائع سے حاصل ہوتی ہیں یہ کتاب سہل و سادہ جدید فارسی میں لکھی گئی ہے۔ جناب مؤلف کی خواہش ہے کہ بالتصویر شائع ہو۔ تاکہ سلطنت کے اہم ترین ارکان کی تصاویر بھی آجائیں۔ حجم تقریباً ڈھائی ہزار صفحات ہوگا۔ دوسری کتاب اردو، پشت ہے۔ یہ مؤلف کے آثارِ ادبیہ کا مجموعہ ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں گلستانِ سعدی کے انداز پر نظم و نثر میں اخلاقی و ادبی حکایات ہیں دوسرے حصہ میں قومی و وطنی نظمیں ہیں۔ یہ حصہ تمام اصنافِ سخن پر حاوی ہے۔ تیسرے حصے میں فریخِ آثارِ ادبیہ کا منظوم ترجمہ ہے۔ اور ارادہ ہے کہ مستیعظِ خط میں بذریعہ آؤگراف یہ کتاب چھپوائی جائے۔ حجم ڈھائی سو صفحات تیسری کتاب داستانِ شہرِ ناز ہے۔ یہ ایک شریف خاندان کی دو شیرہ کی سچی سرگزشت ہے جس نے ناپسندیدہ خاندانی رسوم و عادات اور غرور و ناز کی آغوش میں پرورش پائی۔ پھر اس کی شادی نامناسب

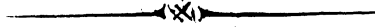
صورت سے عمل میں آئی۔ آخر وہ اپنے شوہر کے لیے مصیبت و بدبختی کا باعث ہو گئی۔ اس میں دولت مند اور برے گھرانوں کی ناپسندیدہ رسوم و آداب نیز ایران کے طبعی خصائل و عیالوں کی سادہ زندگی اور ان کے عمدہ رسوم و قواعد کا بیان ہے۔ یہ ایران کے طبعی، اخلاقی اجتماعی مراسم و خصائل کا آئینہ اور تربیت نسوان کا بہترین معلم ہے۔ حجم تقریباً تین سو صفحات۔

چوتھی کتاب سرگزشت درویش۔ اس میں مملکت ایران کے حالات پر دو درویشوں کا مکالمہ ہے۔ ایران کے کئی شہروں، قصبوں کے حالات جغرافی و طبعی آگئے ہیں۔ قدامت پرستی اور سیودہ رسم و رواج کا خوب خاکہ کشی گئی ہے۔ حجم ڈھائی سو صفحات۔

پانچویں کتاب (رسائل یکجہ) ہے۔ ایک رسالہ جو مولف نے ۱۹۲۱ء میں بمقام لندن تالیف کیا تھا کنگڑہ (کانگریس) ہے۔ دوسرا رسالہ ایران آئندہ۔ اس میں آنے والے ایران کا نقشہ جو مولف کے خیال میں ہے دکھایا گیا ہے۔ اور یہ کہ ایران بہت جلد دیگر ممالک متحدہ کے دوش بدوش نظر آئے گا۔ حجم ۱۰۰ صفحات۔ چھٹی کتاب چنگ۔ یا چنتہ ہے۔ جس میں نفیس اقتباسات و نوٹیں۔ جو مولف نے وقتاً فوقتاً اپنے پیچروں کے لیے فراہم کئے تھے۔ ان سب کتب کی اشاعت اہل فانس کے لیے مفید اور ادبیات ایران میں ایک مفید اضافہ ہوگی۔

یہ شرکت حیات۔ ماہ میزان ۱۳۳۰ء سے دارالخلافہ تہران میں قائم ہو گئی ہے۔ اس کے ڈائریکٹر بورڈرین بیست مدیرہ شرکت) حاجی مرزا یحیی دولت آبادی ہیں۔ سرمایہ پانچ ہزار توماں (ایک توماں تقریباً ساڑھے چار روپیہ کھار) جو ایک ہزار حصص میں تقسیم ہوگا۔ درخواست حصص کے مطبوعہ فارم حسب الطلب بھیجے جائیں گے۔ اور شرکت کا دستور العمل بھی اور ایران کے لیے پانچ توماں کا ایک حصہ اور ممالک خارجہ کے لیے ایک پونڈ

(طبرہ، انگریزی شہکار کے لیے خاص مراعات ہیں۔ اور کتب کی قیمت میں بھی ان کے لیے تخفیف ملحوظ رکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ جو حضرات فارسی ادبیات اور ایران سے دل چسپی رکھتے ہیں وہ ضرور حصہ لیں گے۔ اور حاجی آقائے مرزا محمد یحییٰ دولت آبادی سے شرکت حیات۔ طهران (ایران) کے پتہ پر خط و کتابت کریں گے۔



مقاصد دائرۃ المعارف

جب مسلمانوں نے اپنے اصناف کے علمی سرمایہ اور مذہبی کتب مثلاً احادیث - تفسیر فقہ - تاریخ اور دیگر فنون کو زمانہ کے ہاتھوں برباد ہونے دیکھا تو ان کی حفاظت ترویج و اشاعت کے لئے بمقام حیدر آباد دکن ایک مجلس دائرۃ المعارف کے نام سے قائم کی جس کا مقصد یہ رکھا کہ قدما کی تصنیفوں کو خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں بھی ہوں تلاش کر کے بعد از تصحیح شائع کیا جائے چنانچہ یہ کام ایک اعلیٰ پیمانہ پر خسر و دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنت کی سرپرستی میں شروع کیا گیا۔ اور چند ہی سال میں مختلف علوم و فنون کی نایاب کتابیں اقطاع و اکنات عالم سرفرازیم کر کے شائع کر دی گئیں جس کا اندازہ قدرت ہی ہو سکتا ہے۔

چونکہ اس مجلس کی غرض و نیت اشاعت کتب قدیمہ ہی اس لئے اس نے کتابوں کی قیمت بہت کم کی ہے تاکہ علماء اور طلباء ان سے سوجھی طرح مستفید ہو سکیں۔ اس مجلس نے اپنے علمی کارناموں کی بنا پر ممالک اسلامیہ اور یورپ میں بھی خاص شہرت حاصل کی ہے۔ علم کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کی علمی و فلاحی امداد فرمائیں تاکہ یہ اپنی مقاصد میں کامیاب ہو سکے۔ یہیں خدا کی ذات سے قوی امید ہے کہ جب دائرۃ المعارف کے وسائل زیادہ وسیع ہو جائیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ مشرق کا ایک بہترین علمی مرکز ہو گا اور علمی دنیا کو اس کی خدمات کی بنا پر ایک خاص دلچسپی ہو گی۔

فہرست مطبوعات مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن

اسما کتب و مختصر حالات

۱۔ الکف والرقیع فی شرح بسم اللہ الرحمن الرحیم علامہ شیخ عبدالکریم سبط شیخ عبدالقادر جیلانی نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی بہترین طریقہ پر شرح لکھی ہے (ایک جلد) قیمت سکھ انگریزی چار آنہ عثمانیہ پانچ آنہ۔

۲۔ اعجاز البیان فی تاویل القرآن شیخ علامہ صدر الدین محمد بن احق قزوینی المتوفی ۱۱۷۴ھ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر نہایت عمدہ طریقہ پر لکھی ہے اور سورہ فاتحہ کے ام القرآن ہونے پر بہترین استدلال قائم کئے ہیں (ایک جلد) قیمت سکھ انگریزی دو روپیہ۔ عثمانیہ دو روپیہ چھ آنہ۔

۳۔ عمل الیوم واللیلہ علامہ ابن اسحاق رحمہ اللہ المتوفی ۱۱۷۴ھ نے تمام رات دن کے اعمال نبوی اور وظائف کو جمع کیا ہے (ایک جلد) قیمت سکھ انگریزی ایک روپیہ۔ عثمانیہ ایک روپیہ تین آنہ۔

۴۔ مشکل الاشکال امام حمادی المتوفی ۱۱۷۴ھ کی نہایت نایاب اور نادر تصنیف ہے علامہ نے بہت ہی محنت و مشقت سے تمام مشکل احادیث کو جمع کیا ہے اور ان کو تعارض کو مختلف طریقوں سے رفع کیا ہے۔ علامہ اسلام کے لئے

بہت ہی مفید کتاب ہے (چار جلد) قیمت سکہ انگریزی بارہ روپیہ۔ عثمانیہ چودہ روپیہ۔
۵۔ جامع المسانید قاضی القضاۃ مولوی محمد بن محمود خوارزمی المتوفی ۷۶۷ھ تمام مسانید کو جو امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ کے محاسن و فضائل اور مرویات پر لکھی گئی تھیں بہترین طریقہ پر ابواب و فصول کی ترتیب کے ساتھ

جمع کیا ہے (دو جلد) قیمت سکہ انگریزی پانچ روپیہ بارہ آنہ عثمانیہ چھ روپیہ چودہ آنہ۔
۶۔ کنز العمال شیخ علی المتقی المتوفی ۹۷۵ھ کی عظیم الشان تصنیف ہے علامہ نے تمام احادیث صحیحہ و غیر صحیحہ کو جمع کر دیا ہے اس کتاب کی طباعت نے تمام دوسری کتب احادیث کو مستغنی کر دیا ہے حروف تہجی کے لحاظ سے یہ کتاب آٹھ جلدوں میں منقسم ہے۔ قیمت سکہ انگریزی بائیس روپیہ عثمانیہ پچیس روپیہ۔

۷۔ المستدک مع التلخیص امام ابو عبد اللہ المحاکم کی یہ مرکزۃ الآراء تصنیف ہے علامہ موصوف نے ان تمام احادیث کو جو صحیحین کے شرائط کے مطابق ہیں اور صحیحین میں موجود نہیں ہیں ان کو جمع کر دیا ہے اس کے ساتھ علامہ ذہبی کی تلخیص بھی بطبع ہوئی ہے امام ذہبی نے اس کتاب پر بہترین تنقید کی ہے اور علامہ موصوف کی لغزٹوں کو بیان کیا ہے۔ اس وجہ سے اس کتاب کی حیثیت بہت بڑھ گئی اور یہ کتاب چار جلدوں میں منقسم ہے تیسری جلد کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس میں معرفۃ الصحابہ کا مکمل مفصل بیان ہے جلد اول سکہ انگریزی نو روپیہ۔ عثمانیہ دس روپیہ آٹھ آنہ جلد دوم سکہ انگریزی دس روپیہ عثمانیہ بارہ روپیہ جلد سوم سکہ انگریزی گیارہ روپیہ آٹھ آنہ۔ عثمانیہ تیرہ روپیہ آٹھ آنہ جلد چہارم زیر طبع۔

۸۔ المعتصم من مشکل الآثار کتاب مشکل الآثار مصنفہ امام محمادی کی تلخیص ابوالولید اجمالی مالکی نے کی تھی لیکن مندرجہ کتاب کو حذف کر دیا تھا اور امام مذکر پر چند اعتراضات کئے تھے اس لئے قاضی یوسف بن موسیٰ نے مشکل الآثار کی نئے طرز پر مع سندوں کی تلخیص کی اور ان کے اعتراضات کے جواب بھی دئے (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی پانچ روپیہ عثمانیہ چار روپیہ۔

۹۔ کتاب الاعتبار علامہ محمد بن موسیٰ حازمی المتوفی ۸۸۲ھ نے مختلف مسائل پر احادیث سے بحث کی ہے خصوصاً ناسخ و منسوخ کی بحث کو بہترین پیرایہ میں لکھا ہے (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ چار آنہ۔ عثمانیہ ایک روپیہ آٹھ آنہ۔

۱۰۔ القول المسد فی الذب عن مسند احمد حافظ بن حجر عسقلانی نے روایات مندرجہ امام پر جو اعتراضات ہوئے تھے، ان کو بہت بہترین طریقہ سے دفع کیا ہے (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ چار آنہ۔ عثمانیہ ایک روپیہ آٹھ آنہ۔

۱۱۔ الجوهر النقی فی الرد علی البیہقی علامہ علاء الدین المارذینی المتوفی ۷۸۵ھ نے سنن بیہقی پر رد کیا ہے اور مسائل فقہیہ کو قرآن مجید و احادیث سے ثابت کیا ہے۔ (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی

چار روپیہ چھ آنے عثمانیہ پانچ روپیہ دو آنے -

یہ کتاب سلیمان بن داؤد البصری جو کہ دوسری صدی کے حلیل القدر محدثین میں سے تھے ان کی ہے۔ مسانید میں یہ پہلی یا دوسری کتاب ہے جو اس وقت لکھی گئی تھی (ایک جلد)

۱۲- مسند ابی داؤد طیالسی

قیمت سکہ انگریزی چار روپیہ آٹھ آنے - عثمانیہ پانچ روپیہ چھ آنے -

علامہ شیخ مدنی کی یہ تالیف ہے یہ احادیث اپنے مراتب کے لحاظ سے قرآن مجید کے بعد تمام احادیث پر مقدم ہیں۔ بلکہ قابل تلاوت ہیں (جلد ایک) قیمت سکہ

۱۳- احادیث قدسیہ

انگریزی ایک روپیہ - عثمانیہ ایک روپیہ تین آنے -

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب صحیح بخاری کی اشکال کو بہترین پیرایہ میں مل کیا ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب طلباء کو نسبت زیادہ

۱۴- شرح تراجم ابواب البخاری

مفید ہو گئی ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ - عثمانیہ ایک روپیہ تین آنے -

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی بہترین اور مستند کتاب ہے جس میں تمام صحابہ و صحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مفصل حالات جمع ہیں جن میں رجال

۱۵- الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب

میں اس پایہ کی کوئی کتاب نہیں ہے یہ کتاب غیر مرتب تھی لیکن دائرۃ المعارف نے نہایت منظم صورت میں اس کی ترتیب کے ساتھ طبع کر کے دشواریوں کو دور کر دیا (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی - ٹھارہ روپیہ - عثمانیہ اکیس روپیہ -

علامہ ابوالبشر دولاہی المتوفی سنہ ۴۰۰ھ کی مشہور معروف تصنیف ہے جس میں مولائے کئی اور اسرار کو مفصل طریقہ پر منضبط کیا ہے (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی

۱۶- کتاب المکنی والاسماء

پانچ روپیہ سکہ عثمانیہ - پانچ روپیہ چودہ آنے -

علامہ ذہبی نے اسد الغابہ کی تلخیص کی ہے جس کی اسماء صحابہ کے معلوم کرنے میں بہت زیادہ مدد ملتی ہے (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی دو روپیہ بارہ آنے - عثمانیہ تین روپیہ چار آنے

۱۷- تجرید اسماء الصحابہ

مصنفہ ابو الفضل مقدسی جو ابن القیصرانی کے نام سے مشہور ہیں جس میں روائۃ الصمیمین کے ثقہ اور غیر ثقہ اور ان کے حالات کے

۱۸- کتاب الجمع بن رجال الصمیمین

متعلق بہترین بحث کی ہے یہ کتاب علماء و طلباء کے لئے بہت زیادہ مفید اور ضروری ہے - (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی تین روپیہ آٹھ آنے عثمانیہ چار روپیہ

۱۹- قرة العین فی ضبط رجال الصمیمین

مصنفہ علامہ عبد العزیزی بن احمد بجران الشافعی علامہ موصوف نے ابتداء کتاب میں مہول حدیث سے بحث کی ہے اور پھر روایات

صمیمین کی اشتباہ کو دفع کیا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی آٹھ آنے - عثمانیہ گیارہ آنے -

۲۰۔ تعجیل لمنفعہ فی حال ائمہ الرحیمہ | حافظ ابن حجر مقلانی المتوفی ۸۵۰ھ نے ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ کی رواد کو جمع کر دیا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی

تین روپیہ - عثمانیہ تین روپیہ بارہ آنہ -

۲۱۔ تہذیب التہذیب | یہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی مکتبہ الآثار تصنیف ہو۔ مصنف نے اکثر رواد کے حالات کو بہترین طریقہ پر جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب بارہ جلدوں میں ہے فن رجال کی بہترین کتاب ہے

(بارہ جلد) قیمت سکہ انگریزی اٹھائیس روپیہ - عثمانیہ تین روپیہ

۲۲۔ لسان المیزان | علامہ ابن حجر نے اس کتاب میں ثقہ اور غیر ثقہ راویوں کو مختصر حالات کے ساتھ جمع کر دیا ہے (جلد پہ) قیمت سکہ انگریزی اٹھارہ روپیہ - عثمانیہ کیس روپیہ -

۲۳۔ الجواهر المصیۃ | محی الدین ابو محمد عبدالقادر قرشی المتوفی ۷۹۰ھ نے پہلے اسماء باری تعالیٰ اور اسماء نبوی پر مفصل طور سے بحث کی ہے پھر طبقات حنفیہ مفصل طریقہ پر لکھی ہیں (جلد دو) قیمت

سکہ انگریزی پانچ روپیہ - عثمانیہ چھ روپیہ چار آنہ -

۲۴۔ تذکرۃ الحفاظ | امام ذہبی کی مشہور اور بہترین تصنیف ہو مصنف نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جعین کے حالات طبقات کے لحاظ سے وضاحت کے ساتھ لکھے ہیں۔ (جلد پانچ) قیمت سکہ انگریزی

دس روپیہ - عثمانیہ گیارہ روپیہ بارہ آنہ -

۲۵۔ رسایل خمسہ اسانید | اس مجموعہ میں مختلف مصنفین کی اسانید کے متعلق بہترین رسالے ہیں (جلد پانچ) قیمت سکہ انگریزی دو روپیہ بارہ آنہ - عثمانیہ تین روپیہ چھ آنہ -

۲۶۔ دلائل النبوة | علامہ ابوالنعمان اسماعیلی المتوفی ۷۳۰ھ کی یہ مشہور تصنیف ہو۔ مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے تمام دلائل کو مفصل طریقہ پر لکھا ہو (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی

تین روپیہ چار آنہ - عثمانیہ تین روپیہ چودہ آنہ -

۲۷۔ الخصائص الکبریٰ | علامہ سیوطی نے خصائص نبوی کو تمام احادیث سے انتخاب کیا ہو اور بہترین طریقہ پر جمع کر دیا ہو۔ ان میں غزوات کا بھی مختصر سا تذکرہ کر دیا ہو (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی

چھ روپیہ چار آنہ - عثمانیہ سات روپیہ چھ آنہ -

۲۸۔ مناقب امام اعظم | علامہ موفق بن احمد کی المتوفی ۷۶۰ھ نے امام اعظم رحمہ اللہ کے حالات بسط کے ساتھ لکھے ہیں علامہ کو درمی کی کتاب مناقب اعظم بھی مشاہیر کی وجہ سے یہ کتاب

امام صاحب کے حالات کے متعلق بہترین ذخیرہ بن گئی ہو (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی چار روپیہ بارہ آنہ - عثمانیہ پانچ روپیہ دس آنہ -

۲۹۔ مستہ کتب العقائد مع شرح

یہ مجروحہ کتبوں کا ہے ہر کتاب میں عقائد کے متعلق بہترین مباحث ہیں
(جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ آٹھ آنہ - عثمانیہ
ایک روپیہ چودہ آنہ -

الفقہ الکبیر وغیرہما

۳۰۔ الروضہ البہیہ

علامہ شیخ ابی عذیبہ رحمہ اللہ نے اشاعرہ اور ماترید کے مسائل اور مباحث کو عمدہ
طریقہ پر لکھا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی آٹھ آنہ - عثمانیہ دس آنہ

۳۱۔ السبط المجید

علامہ صفی الدین احمد بن محمد بن قشاشی نے صوفیاء کرام کو طریقت بیت - خرقہ اور تلقین کو بیان
کیا ہے - احادیث اور آثار سے ان کا ثبوت دیا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ
چار آنہ - عثمانیہ ایک روپیہ آٹھ آنہ -

۳۲۔ الصہام المسول

اس کتاب میں علامہ ابن تیمیہ نے احادیث اجماع قیاس غرض کثیر طریقہ سے ثابت کیا ہے کہ
اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ و شتم کرنے والا واجب اقل ہے (جلد ایک) قیمت
سکہ انگریزی دو روپیہ چودہ آنہ - عثمانیہ تین روپیہ چھ آنہ -

۳۳۔ شفاء الاستقام

علامہ شیخ نقی الدین سبکی نے اے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کو احادیث آثار صحابہ
اور اقوال ائمہ سے ثابت کیا ہے اور منکرین زیارت کی شدت کے ساتھ تردید کی ہے۔
(جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی بارہ آنہ - عثمانیہ چودہ آنہ -

۳۴۔ کتاب الروح

علامہ ابن قیم المتوفی ششم نے اس کتاب میں روح اور بعد موت قبر میں جو حالتیں ہوتی ہیں ان تمام کے
متعلق بہت دلچسپ بحث کی ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی دو روپیہ آٹھ آنہ - عثمانیہ تین روپیہ -

۳۵۔ الذخیرہ

اس کتاب میں علامہ علاء الدین طوسی المتوفی ششم نے سلطان محمد خان فارغ کے حکم سے امام غزالی
کی کتاب تمامات الفلاسفہ اور دیگر حکماء کے درمیان محاکمہ کیا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی
ایک روپیہ آٹھ آنہ - عثمانیہ ایک روپیہ چودہ آنہ -

۳۶۔ استحسن الخوض

امام شیخ ابوالحسن اشعری نے اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ صفات باری اور ذات
کے متعلق غور و خوض کرنا بدعت و ضلالت نہیں ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی

دو آنہ - عثمانیہ چار آنہ -

۳۷۔ الرسائل التسعہ

ان رسالوں میں علامہ سیوطی نے نہایت واضح دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اے حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے والدین پر ناجہم حرام ہے - اور اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از وفات زندہ ہیں

۶
اس کے علاوہ حضرت عبدالمطلب کے متعلق بھی بحث کی ہے (جلد نو) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ بارہ آنہ۔ عثمانیہ دور روپیہ چار آنہ
علامہ ابن عربین محمد بن علی المتوفی سال ۷۴۸ھ نے یہ اپنی طرز کی ایک نئی کتاب لکھی
۳۸۔ فتح المتعال فی مہج العال
نعال نبوی کے متعلق جمع کیا ہے۔ نیز مختلف لوگوں کے قصائد نقل کئے ہیں اور نعال پاک کے بہترین نفوس بھی فراہم کئے ہیں (جلد ایک)
قیمت سکہ انگریزی دو روپیہ چودہ آنہ۔ عثمانیہ تین روپیہ چھ آنہ۔

۳۹۔ الاقتراح
علامہ سیوطی نے اصول نحو میں یہ بہترین کتاب لکھی ہے۔ طلباء کے لئے بہت مفید ہے اور درس میں
دخل کرنے کے قابل ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی چودہ آنہ۔ عثمانیہ ایک روپیہ دو آنہ
۴۰۔ الاشباہ والنظائر
علامہ سیوطی کی نحو میں یہ بہترین اور مفصل تصنیف ہے (جلد چار) قیمت سکہ انگریزی
سات روپیہ۔ عثمانیہ آٹھ روپیہ چار آنہ۔

۴۱۔ مصدق الفضل
اس کی یہ بہترین شرح ہے۔ اس میں ہر شعر کے متعلق علم صرف و نحو و معانی و بیان و عروض
وغیرہ سے بحث کی ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ چار آنہ۔ عثمانیہ ایک روپیہ آٹھ آنہ۔
۴۲۔ الفائق
علامہ ابوالقاسم زعفرانی نے لغات حدیث میں بہترین کتاب لکھی ہے (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی چھ روپیہ
آٹھ آنہ۔ عثمانیہ سات روپیہ بارہ آنہ۔

۴۳۔ المغرب
علامہ ابو الفتح اعنفی المتوفی سال ۷۸۸ھ نے فقہ کی لغات اور مصطلحات کو مل کیا ہے (جلد دو) قیمت
سکہ انگریزی تین روپیہ آٹھ آنہ۔ عثمانیہ چار روپیہ دو آنہ۔

۴۴۔ کتاب الارضہ والافکنہ
اس کتاب میں ابو علی مزدوقی نے زمان و مکان۔ افلاک و کواکب اور برقیق کو
متعلق بہترین بحث کی ہے۔ ایام جاہلیت کے حالات اور اعراب کے استعارات
و محاورات و خیالات وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے (جلد دو) قیمت سکہ انگریزی پانچ روپیہ۔ عثمانیہ چھ روپیہ۔

۴۵۔ التفاسیر الارضیہ
مصنفہ ارفعی علی خاں۔ یہ کتاب رسالہ غزنیہ مصنفہ شاہ عبدالغفریہ دہلوی کی شرح ہے
اس میں معانی و بیان کو سلیس پیرایہ میں لکھا ہے (جلد ایک) قیمت سکہ انگریزی بارہ آنہ
عثمانیہ چودہ آنہ۔

۴۶۔ المنحة السراء
مصنفہ ارفعی علی خاں۔ مصنف نے سہاروی سے بحث کی ہے اور ہر ایک کی تاثیر لکھی ہے اور
آخر میں بہت ہی مفید وظائف اور اوداد بھی درج کئے ہیں (ایک جلد) قیمت سکہ انگریزی چھ روپیہ

۴۷۔ مفتاح السعادة | علامہ احمد بن مصطفیٰ المعروف طاش کبریٰ زاوۃ المتوفی ۹۶۲ھ نے اس کتاب میں تمام علوم و فنون کے متعلق جو کہ اس وقت تک عالم وجود میں آچکی تھی ان تمام کی تعریف غرض و غایت اور اس وقت تک جتنی تصنیفیں ہر علوم میں ہوئی تھیں ان کا ذکر و فقرہ ذکر و مصنف کے ساتھ کیا ہے (جلد دوم قیمت سکہ انگریزی پانچ روپیہ عثمانیہ چھ روپیہ) مختلف علوم و فنون کی اصطلاحات، محاورات، مباحث، علماء، اُن کا اختلافات اور ان تمام کی وجہ تسمیہ باحسن وجہ لکھی ہیں (جلد چار قیمت سکہ انگریزی گیارہ روپیہ - عثمانیہ تیرہ روپیہ -

۴۸۔ دستور العلماء | یہ کتاب سیرکیر مصنفہ امام محمد صاحب کی تشریح ہے امام محمد بن احمد مخری نے کی ہے جو چوتھی پوری کے مشہور و معروف علماء و فقہائیں سے تھے (جلد چار قیمت سکہ انگریزی تیرہ روپیہ آٹھ آنہ - عثمانیہ سولہ روپیہ -

۵۔ دول الاسلام | علامہ ذہبی کی فن تاریخ میں یہ بہترین کتاب ہے اس کی دو جلدیں ہیں قیمت سکہ انگریزی سات روپیہ - عثمانیہ آٹھ روپیہ چار آنہ -

۵۱۔ مرآة الجمان | مصنفہ علامہ ابو محمد عبد اللہ بن اسعد یافعی المتوفی ۳۱۷ھ کی یہ کتاب غزوات، شمال، ہجرات نبوی اور مناقب صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین پر مشتمل ہے اس کتاب میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ صوفیاء کرام کے حالات اور ان کی کرامتیں تاریخی حیثیت سے لکھی گئی ہیں (جلد چار قیمت سکہ انگریزی چودہ روپیہ عثمانیہ سولہ روپیہ آٹھ آنہ -

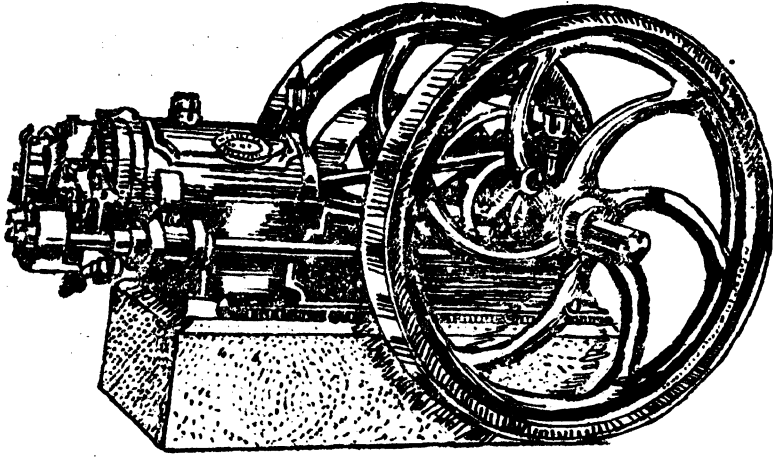
۵۲۔ تحفۃ النظامیہ | اس رسالہ میں شیخ علی اکبر بن محمود نے مختلف الفاظ جو ایک معنی میں آئے ہیں ان کو جمع کر کے بہت باریکی سے ہر ایک کا فرق بتایا ہے اور اصطلاحات کی بہترین تشریح کی ہے (ایک جلد قیمت سکہ انگریزی ایک روپیہ چار آنہ - عثمانیہ ایک روپیہ آٹھ آنہ -

۵۳۔ رسالہ فی فضیلة العلم والصناعة | اہم ابونصر فارابی نے اس کتاب میں علم و صنعت کی فضیلت پر بحث کی ہے (جلد ایک قیمت سکہ انگریزی تین آنہ عثمانیہ چار آنہ عقاید و کلام میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مشہور و معروف رسالہ ہے طلباء کے لئے بہت زیادہ مفید ہے - اخیر میں مصنف کے حالات بھی درج ہیں جلد ایک قیمت سکہ انگریزی آٹھ آنہ عثمانیہ نو آنہ -

المع
مہتمم مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

آپ کو

ایروڈیل انجن کیوں خریدنا چاہئے



(۱) دوسرے انجنوں سے سائز میں بڑے (۲) دوسرے انجنوں سے تیل کا بچہ کم (۳) دوسرے انجنوں سے بہت مضبوط (۴) نہایت سادہ (۵) ڈبل فلائی ویل (۶) اور مقابلہ سستا کیوں کہ ہم سارے ہندوستان کے

سول انجینٹ

ہیں اب آپ کا فرض ہو کہ خرید کرنے سے پہلے دوسرے انجنوں کے سائزوں اور قیمتوں سے مقابلہ کر لیں اس کے علاوہ ہر قسم کی چکیاں - تیل کانے کے کوٹھو - آبپاشی کے پمپ - چارہ کاٹنے کی مشینیں - شافٹیں - پلمبر لاک - بامیکل - سینے کی مشینیں وغیرہ برائے فروخت ہر وقت اسٹاک میں موجود رہتی ہیں -

گلوب انجینئرنگ کمپنی لمیٹڈ روڈ لاہور

مطبوعاتِ خمن

القول الاظهر۔ امام ابن مسکویہ کی معرکہ آلا تصنیف
فوز الامم کا یہ اُردو ترجمہ ہی یہ کتاب فلسفہ العین کے اصول
پر لکھی گئی ہے۔ اور مذہب اسلام پر انھیں اصول کو منطبق
کیا گیا ہے قیمت ۸ روکدار

القمر۔ قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صورت
کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں ان
سب کو جمع کر دیا ہے طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے
قیمت ۱۰ روکدار

قاعدہ و کلید قاعدہ۔ یہ قاعدہ مدت کے غور و خوض کے
بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے۔ جن اصول اور طریقہ پر اس
کی تعلیم ہونی چاہئے ان کی تشریح کے لئے ایک کلید بھی
تیار کی گئی ہے۔ قاعدہ ۲ روکدار کلید قاعدہ ۴ روکدار
فلسفہ تعلیم۔ ہر برٹ اپنسر کی مشہور تصنیف اور تعلیم
کی آخری کتاب ہے غور و فکر کا بہترین کارنامہ والدین و معلم
کے لئے چراغ ہدایت ہے۔ تربیت کے ربانی قوانین کو اس
قد صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی
ہے اس کا نہ پرہاگنا ہے قیمت (۲۵) روکدار
در لیئے لطافت۔ ہندوستان کے مشہور سخن سنج

تذکرہ شعرائے اردو۔ مؤلف میر حسن دہلوی میر حسن کے
نام سے کون واقف نہیں ان کی شہنوی بدر زین کو جو قبول
عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو
یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے۔ کتاب
بالکل نایاب تھی بڑی کوشش ہو ہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے
میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے۔ اس پر لکھنا
محمد حبیب الرحمن صاحب شروانی نے ایک بیضا قناد
اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابلِ پڑھنے کے ہے قیمت فی جلد
جلد ۱۱ روکدار غیر جلد ۱۲ روکدار

تاریخ تمدن۔ سترٹس بل کی مشہور آفاق کتاب کا ترجمہ ہے
آلف سے یہ تک تمدن کے ہر سلسلہ پر کمال جاہلیت بحث
کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد کا کام لیا گیا ہے
اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں ہمت
پیدا ہوتی ہے۔ حصہ اول غیر جلد حصہ دوم ۱۲ روکدار
مقدمات الطبوعات۔ یہ ترجمہ ہے گزشتگان کے
مشہور رسائل و اہل حکیم کہلے کی کتاب جس کا نام کتاب کی
کافی ضمانت ہے۔ اس میں نظائر فطرت کی بحث ہے جس سے
لیکن کتاب علم و فضل کا مرتبہ ہے قیمت ۱۲ روکدار

میر انشا اللہ خاں کی تصنیف ہے اردو صرف نواور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے اس میں بان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات جرح ہیں۔ قیمت غیر کھدار
طبقات الارض۔ اس فن کی پہلی کتاب ہے تین صوفوں میں تقریباً جملہ مسائل قلبند کوئی ہیں۔ کتاب کے آخر میں انگریزی اصطلاحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے عسکدار
مشاہیر یونان و روم۔ ترجمہ ہے سیرت نگاری اور انشا پر داری میں اس کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے۔ ادیبانِ عالم بلکہ شکستہ مکے نے اس چہرہ سے فیض حاصل کیا ہے۔ وطن پرستی اور بے نفسی عزم جو اس مرد کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے جلد اول غیر مبلد (سے) کھدار جلد دوم غیر مبلد عسکدار

اسباق النحو۔ ملک کے ادیب کا ال مولنا حمید الدین صاحب بی لے کی تالیف ہے۔ اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ جرح ہے قیمت تھوڑا سا کھدار جلد دوم کھدار
علم المعیشت۔ اس کتاب کی تصنیف ہے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے معیشت ہے یہ کتاب جامع و مانع ہے مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ہے اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں۔ اشتر اکیت کا باب بالید ہے حجم ۸۰۰ صفحے قیمت جلد کھدار
تاریخ اخلاق لیرپ۔ اس مصنف پر و فیر لکی کا نام

علم و تجربہ تحقیق و صداقت کا مرادف ہے یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن، معاشرت، اصول اخلاق مذاہب خیالات کا مرقع ہے۔ جلد اول (سے) حصہ دوم عسکدار
تاریخ یونان قدیم۔ کتب مطالعہ کے لحاظ سے مستند کتابوں کا علامہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ اس کا نقطہ خیال خاصا ہندوستانی ہے ایف لے کلاس کو طلباء یونانی قدیم تاریخ سے گہرا اثر ہے اس کتاب کو انتہا درجہ بنیادینگی و مجد عسکدار
انتخاب کلام میر میر تقی میر تلخ شعر لے اردو کے کلام کا انتخاب ہے مولوی عبدالحق صاحب کٹر ہی نہیں ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ہے اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر۔ ہم صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے قیمت جلد کھدار

رسالہ نباتات اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے علمی اصطلاحات سے معرا، سلاست و روانی سے مملو اور دلچسپ و مفید ہے طلباء نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں قیمت جلد کھدار
دیباچہ صحت۔ اس کتاب میں مطالعات صحت پر (مثلاً ہوا پانی، غذا، لباس، مکان وغیرہ) جو اور دلچسپ کی گئی ہے زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے۔ ملک کی بہترین تصنیف ہے اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قومی ثابت ہوگا حجم ایک ہزار صفحے قیمت جلد لکھ

قواعد اردو۔ ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اردو زبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے۔ بشرط و شرح کے علاوہ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا تھا۔ کلامیات الشعر ایہ اردو کا تذکرہ استاد الشعر امیر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے۔ اس میں بعض ایسے شعر کے حالات بھی دینگے جو عام طور پر معروف نہیں۔ نیز میر صاحب کی رائے اور زبان کے بعض نکتات پڑھنے کے قابل ہیں۔ **تلمیح لفظی** صاحب شروانی صدر الصدور امیر مذہبی مکرعانی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے۔ قیمت مجلد ۱۱ کھار فلسفہ جذبات۔ کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے۔ جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ عثمان نسیا اسے مفید پائینگے۔ قیمت مجلد ۱۱ کھار غیر مجلد ۱۱ وضع اصطلاحات۔ یہ کتاب ملک کے نامور دانشور اور عالم مولوی وحید الدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) ذی سال مال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے۔ بقول فاضل مولف ”یہ بالکل نیا موضوع ہے۔ میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں“ اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کئے گئے ہیں۔ مخالف موافق مثالوں کی تنقید کی گئی ہے

اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی مفرد مرکب اصطلاحات کے طریقے سابقوں اور لاحقوں اردو مصادر اور ان کے مشتقات، غرض سینکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں“ اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیریں لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کر دی ہیں اور ہمارے حوصلہ بلند کرتے ہیں۔ اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوئے جھجکتے تھے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوے کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے۔ قواعد و صفات ۵۰ قیمت مجلد ۱۱ کھار نفع الطیب۔ یہ کتاب اسلامی تمدن کی تاریخ اسپن کے معلومات کا خزانہ ہے۔ خلافت اسپن کے ہر مورخ کو اس کی خوشہ چینی کرنی پڑی ہے۔ علامہ مقریزی کی نامور اور مشہور اتفاق کتاب ہے جو پہلی دفعہ اردو میں ترجمہ ہوئی ہے یہ کتاب عثمانیہ دیوبند کے نصاب میں بھی داخل ہے۔ صفحات ۴۰ قیمت مجلد ۱۱ کھار محاسن کلام غالب۔ ڈاکٹر عبدالرحمن بھجوری مرحوم کا مکتبہ الکرام مضمون ہے اردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے جو اس شان کی لکھی گئی ہے۔ یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا صاحب نظر قدردانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد ۱۱ کھار

دیوان غالب صبیحہ قدیم۔ یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو سچی انتظار تھا اس میں میزرا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے۔ میر صاحب کے قدیم کلام ملنے کی کمی تھی یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھ لگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمن فرید اللہ، کلدار (بلا مقدمہ غیر مجلد) علی مجلد ہے کلدار

طلحہ قدیمہ۔ ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ جو اس میں قدیم اتوار سلطنت کلدانی، آشوری، بابل بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت، عقائد، صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات و عجیبی اور خوبی کے ساتھ دیے ہیں۔ اردو میں کوئی ایسی کتاب نہ

تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہو سکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کروایا حالات کی وضاحت کے لئے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں صفحہ ۴۰ قیمت چھ کلدار

بجلی کے کرشمے۔ یہ کتاب مولوی محمد متون حسین خاں صاحب بی۔ اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کو بعد لکھی ہے برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی ہے ہمارے بہت سے وطن نہیں جانتے کہ بجلی کیسی چیز ہے۔ کہاں سے آتی ہے کیا کام آ سکتی ہے یہ کتاب ان تمام سوال کو بتاتی ہے۔ ٹرکے ٹرکیوں کے لئے بھی مفید ہے بجمہیت علی کلدار

دار المصنفین عظیم گٹن کی حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دیکھ سکتی ہیں

سیرۃ النبی حصہ اول	للہ، کلدار
سیرۃ النبی حصہ دوم	ہے کلدار
شعر انجم مکمل حصے	ہے کلدار
سفر نامہ مولانا شبلی	، کلدار
علم الکلام	، کلدار
الکلام	، کلدار
کلیات شبلی	، کلدار
اسوہ صحابہ مکمل	ہے، کلدار
انقلاب الامم	، کلدار
برسکے	، کلدار
مکالمات برسکے	، کلدار
ثنوی بحر محبت	، کلدار
تفسیر ابو مسلم صفحانی	، کلدار
سیر الصحابیات	، کلدار
روح الاجتماع	، کلدار

ملے کا پتہ:۔۔۔۔۔ صدر دفتر انجمن ترقی اردو۔ اورنگ آباد دکن

اُردو

۱۔ انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ ہر جنوری، اپریل، جولائی، اکتوبر کے پہلے ہفتے میں شائع ہوا کریگا۔

۲۔ یہ خالص ادبی رسالہ ہر جس میں بان اور ادب کے مختلف شعبوں اور پہلوؤں پر بحث ہوگی۔ حجم کم از کم ایک سو پچاس اور زیادہ سے زیادہ دو سو صفحے ہوگا۔

۳۔ قیمت آٹھ روپے (نورسے مسکۃ عثمانیہ) سالانہ مع مصروفی ڈاک۔

۴۔ تمام خط و کتابت:- آنریری سکریٹری انجمن ترقی اُردو، واڈیٹر اُردو اورنگ آباد (دکن) سے ہونی چاہیئے۔

رہا بہام محمد مقتدی خاں شروانی مسلمونیوٹسٹریٹ اینڈ ٹیوٹ پریس علی گڑھ میں چھپا اور دفتر انجمن ترقی اُردو سٹیٹ لائبریری

